نوجوان نسل، طلباء، علماء، خطباء، وکلاء، ججز
بیوروکریٹس، تجار اور سیاستدانوں کی رہنمائی کے لئے

عُمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

کی زندگی کے منتخب
سُنہرے واقعات

عبدالمالک مجاہد

دار السلام
DARUSSALAM

ختم نبوت ﷺ زندہ باد | عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کرکے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کرکے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد | پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

کی زندگی کے منتخب سنہرے واقعات

عبد المالک مجاہد

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

info@darussalamksa.com riyadh@darussalamksa.com
www.darussalamksa.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945
- الملز فون: 4735220 01
- سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض موبائل 0503459695
- قصیم (بریدہ) فون/فیکس 3696124 06 موبائل 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل 0502839948
- مدینہ منورہ فون 8234446 04 فیکس: 8151121
موبائل 0504296740
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270
- الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس 3908027 04
- خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 • نیویارک: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور

فون: 37324034-37240024-37232400 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

کراچی مین طارق روڈ (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378

نوجوان نسل، طلباء، علماء، خطباء، وکلا، ججز، بیوروکریٹس، تجار اور سیاستدانوں کی رہنمائی کیلئے

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

کی زندگی کے منتخب سنہرے واقعات

تالیف
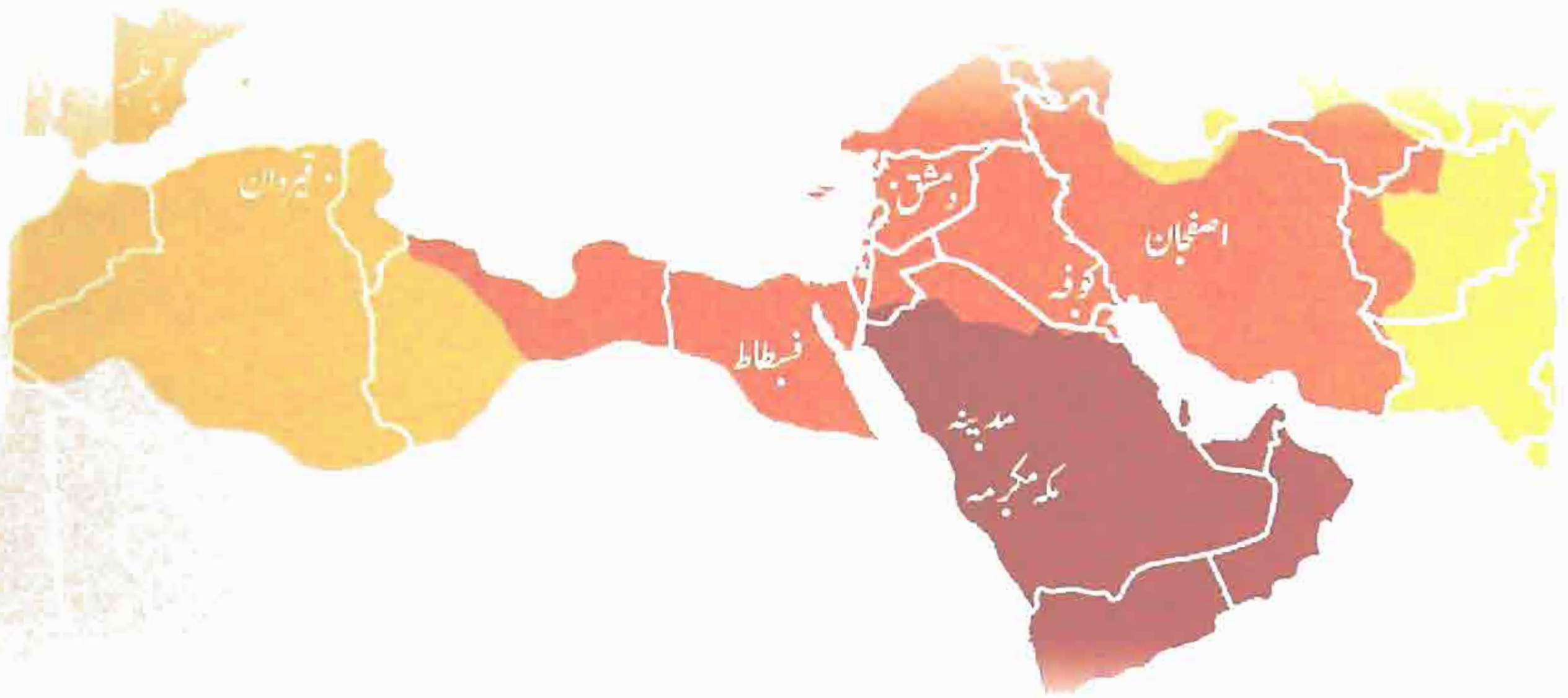
عبدالمالک مجاہد

دارالسلام
DARUSSALAM
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض جدہ شارجہ لاہور کراچی
اسلام آباد لندن ہیوسٹن نیویارک

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
يونس ، عبدالمالك مجاهد محمد ،
قصص ذهبية مختارة من حياة عمر بن عبدالعزيز : اللغة الأردية.
عبدالمالك مجاهد محمد يونس.-الرياض ١٤٤٠هـ
ص: ٣١٠، مقاس ١٧ x ٢٤ سم
ردمك: ٩-٩-٩٠٩٦٣-٦٠٣-٩٧٨
١-؟عمر بن عبدالعزيز بن مروان، ت ١٠١ هـ قصص
٢. القصص الاسلامية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩،٩ ١٤٤٠ / ٤٥٨٧

رقم الإيداع: ١٤٤٠/٤٥٨٧
ردمك: ٩-٩-٩٠٩٦٣-٦٠٣-٩٧٨

عرض ناشر و مؤلف

بلاشبہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز اسلامی تاریخ کی ایک عظیم اور عبقری شخصیت ہیں جن پر مسلمان رہتی دنیا تک فخر کرتے رہیں گے۔ ہر چند کہ ان کی خلافت کا دورانیہ صرف ڈھائی سالوں پر محیط تھا، مگر وہ اس مختصر سے وقت میں آنے والی نسلوں کے لیے کچھ ایسے رہنما اصول مقرر کر گئے کہ آئندہ صدیوں تک آنے والے حکمران ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کی زندگی معاشرے کے ہر فرد کے لیے بڑی دلچسپ، نرالی اور منفرد ہے۔ بلاشبہ ان کی سیرت پر بہت سارے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں اور آئندہ بھی لکھتے رہیں گے۔

میرے اپنے گھر میں اسلام کی جن پسندیدہ شخصیات کا اکثر و بیشتر تذکرہ رہتا ہے ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی شامل ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں سے میں نے مختلف کتابوں میں ان کی سیرت کو خوب پڑھا۔ ان پر مقالات بھی لکھے جو اخبارات میں شائع ہوئے، پھر ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ ان کی سیرت پر ایک مکمل کتاب لکھوں۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ مجھے ان کی سیرت پر کتاب لکھنا ہے تو میں نے ایک مرتبہ پھر از سر نو ان کی

زندگی کو پڑھنا اور لکھنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ صفحات بڑھتے چلے گئے۔ یاد رہے کہ میں نے اس کتاب میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں عربی کتب بھی ہیں اور اردو کتب بھی، بس لکھنے کا انداز اور حروف کا چناؤ میرا اپنا ہے۔ ورنہ مواد تو تاریخ کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔

خوش قسمتی سے مجھے عربی زبان میں ایک مصری مؤلف جناب عبدالعزیز سید الأہل کی کتاب مل گئی۔ اس کا ترجمہ مولانا راغب رحمانی صاحب نے کیا اور اسے پاکستان کے مشہور اشاعتی ادارے نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کو شائع ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے ان کے شکریے کے ساتھ میں نے بہت سے واقعات اس کتاب سے بھی لیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی متعدد عربی اور اردو کتب سے استفادہ کیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو لکھتے وقت بعض مقامات پر مختلف کتب میں شائع شدہ واقعات کے انداز بیان میں تبدیلی کی۔ واقعات کا اختصار کیا۔ صرف انہی واقعات کو لکھا جن کی ہمارے قارئین کو ضرورت ہے۔ میں نے شام کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی اور شیخ عائض القرنی کی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

ہر مؤلف اور مصنف کے لکھنے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کی کتابوں میں صرف وہ واقعات بیان کیے جانے چاہییں جن کو پڑھ کر قارئین اپنے اندر مثبت تبدیلی محسوس کریں۔ ان میں حقیقی تبدیلی اور ان کے کردار واخلاق میں نمایاں بہتری آجائے۔

عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کا مطالعہ کرنے اور اسے اپنے الفاظ میں لکھنے سے محسوس ہوا کہ ان کی شخصیت معاشرے کے ہر طبقہ کے لیے آئیڈیل ہے۔ علماء، طلباء، وکلاء، ججز، اساتذہ، واعظین، خطباء تجار، سیاستدان بلکہ عامۃ الناس کے لیے بھی اس کتاب میں بے شمار فوائد، عبرتیں اور دروس ہیں۔ وہ لوگ جو حاکم یا صاحب اقتدار بن کر پروٹوکول کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جن کا مقصد روپیہ پیسہ جمع کرنا ہوتا ہے انہیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی سے سبق سیکھنا چاہیے۔ اگر آپ واقعی ملک میں بہتری لانا چاہتے ہیں تو آپ نظام عدل کو صحیح معنوں میں نافذ کر دیں۔ بڑے اور چھوٹے کے امتیاز کو ختم

کر دیں تو معاشرے کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔ حکمران اپنا محاسبہ کریں۔ لوٹا ہوا مال واپس کریں، حق اور حلال کی روزی کھائیں تو پھر ملک میں کوئی زکوۃ لینے والا نظر نہیں آئے گا۔

عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے اپنا ذاتی محاسبہ کیا۔ ان کا جواں سال متقی بیٹا عبدالملک بھی اپنے والد کو ترغیب دیتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز اپنے ہاتھوں سے اپنی جائیداد کی رجسٹریاں قینچی سے کاٹ دیتے ہیں۔ ان کی اہلیہ فاطمہ جو خلیفہ کی بیٹی، خلفاء کی بہن اور خلیفہ کی بیوی تھی اپنے خاوند کا بھر پور ساتھ دیتی ہیں اور اپنا پورا زیور بیت المال میں جمع کروا دیتی ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ ان کو اپنے زمانے کے علماء کا تعاون حاصل رہا۔ وہ علمائے ربانی تھے۔ جو بغیر معاوضہ لیے ان کے لیے مشیر کی خدمت انجام دیتے تھے۔

کئی سال پہلے جب میں عمر بن عبدالعزیز کے واقعات لکھ رہا تھا تو جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علماء کی مجلس کا ایجنڈا تھا جس کو انہوں نے نافذ کیا۔

آج کے دور کے کتنے ہی ملکوں پر محیط اتنی بڑی حکومت کو چلانا، اس کے مسائل کا حل تلاش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مگر قربان جائیں ان علماء اور عمر بن عبدالعزیز کے ان اصولوں پر جو انہوں نے اس

سمرقند کی تاریخی مسجد بی بی خانم

مجلس کے لیے بنائے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور کے چوٹی کے علماء کی مجلس تشکیل دی جو عموماً عشاء کے بعد اکٹھے ہوتے تھے۔ آیئے پہلے ان اصول وضوابط کو جانتے اور پڑھتے ہیں جو انہوں نے اس مجلس کے لیے بنائے تھے۔

1- ہمارے پاس ایسے لوگوں کی ضروریات اور شکایات پہنچانا ہوں گی جو خود اسے پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

2- بھلائی کے کاموں میں حسب استطاعت ہماری مدد کرنا ہوگی۔

3- بھلائی اور نیکی کے کاموں کی طرف ہماری رہنمائی کرنا ہوگی تاکہ ہم رعیت کے حق میں صحیح اقدامات اٹھا سکیں۔

4- ہمارے پاس رعایا میں سے کسی بھی شخص کی غیبت نہیں کی جائے گی۔

5- بے معنی اور لایعنی باتوں سے گریز کرنا ہوگا۔ ہماری مجلس میں صرف سنجیدہ امور پر بات چیت ہوگی۔

قارئین کرام! اس حاکم کی خوش قسمتی کے کیا کہنے جسے مدینہ منورہ، دمشق اور کوفہ و بصرہ کے علمائے

کرام کا تعاون اور مشورے میسر رہیں۔

عمر بن عبدالعزیز کا تعلق اموی خاندان سے تھا، مگر ان کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف وخشیت اور آخرت میں اللہ کے ہاں جواب دہی کا تصور بہت شدید تھا۔ یہ وہ اصول تھے جو عمر بن عبدالعزیز کو بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء سے ممیز کرتے ہیں۔ انہوں نے عدل و انصاف لوگوں کے گھروں تک پہنچا دیا تھا۔

قارئین کرام! دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی فوج نے کوئی عظیم الشان ملک فتح کیا ہو اور پھر ایک مدت بعد سپہ سالار کے خلاف مفتوح قوم مقدمہ درج کرواتی ہے کہ ہمارے ملک کو لڑائی کا نوٹس دیے بغیر فتح کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارا ملک خالی کر دیں۔

عمر بن عبدالعزیز کے عدل کو دیکھیے کہ ان کا مقرر کردہ قاضی سمرقند کی مسجد میں عدالت لگاتا ہے۔ تھوڑی دیر کی سماعت کے بعد مسلمانوں کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم باھلی کے خلاف فیصلہ سنا دیتا ہے۔ چونکہ آپ نے سمرقند کے لوگوں کو لڑائی کا نوٹس دیے بغیر شہر پر قبضہ کیا تھا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت نہیں دی تھی۔ اس لیے فاتح لشکر اس شہر کو خالی کر دے۔

اہل سمرقند کو لڑائی کا نوٹس دے پھر ان سے لڑائی کرے۔ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا کہ عدالتی فیصلے کا احترام ہوتا ہے اور شام تک فاتح فوج سمرقند شہر کو خالی کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کے عمدہ اخلاق اور ان کا عدل و انصاف دیکھ کر اہل سمرقند اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آج بھی سمرقند میں اسلام کی شمع روشن ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کی سیرت کے جمع کردہ سنہرے واقعات کو عزیزم نجم المجید ٹائپ کر کے دارالسلام کے ایک سینئر ریسرچ

قتیبہ بن مسلم باھلی کی فتوحات کا نقشہ

سکالر جناب قاری محمد اقبال عبدالعزیز کے سپرد کرتے چلے گئے۔ انہوں نے حسب سابق ان کی ایڈیٹنگ کی۔ بعض مقامات پر عناوین قائم کیے۔ جب انہوں نے یہ کام مکمل کر لیا تو اسے ایک بار پھر میرے سپرد کر دیا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر شروع سے آخر تک اس کتاب کا ایک ایک حرف پڑھ ڈالا۔ کچھ واقعات نکالے، کچھ کو سنوارا، نکھارا، زبان و بیان میں تبدیلی کی۔ نئے عناوین دیے۔ خاصی محنت کے بعد کتاب قاری محمد اقبال صاحب کے سپرد کی تو میں اس روز غیر معمولی خوش تھا۔ میرے دل میں عمر بن عبدالعزیز کی محبت، عقیدت اور زیادہ گہری ہو چکی تھی۔

قاری اقبال صاحب نے پھر کتاب کو تصحیح کے مرحلہ سے گزارا، مگر میں نے مزید تاکید کے لیے ادارے کے ایک اور رفیق کار پروفیسر محمد ذوالفقار صاحب سے گزارش کی کہ آپ سارے کام چھوڑ کر پہلے اس کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ ڈالیں۔ انہوں نے اسے پڑھ کر عمدہ مشورے دیے اور مناسب تبدیلیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب رفقاء کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

قارئین کرام! کوئی حرج والی بات نہیں کہ میں اپنی اہلیہ ام عکاشہ انیسہ فردوس صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کر دوں جو مجھے ہمیشہ لکھنے پر ابھارتی رہتی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز اس کی بھی پسندیدہ شخصیت ہے۔ ہم گھر میں اکثر ان کی مثالیں دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ واقعات کو شیئر کرتے ہیں۔ جب میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو وہ کمرہ خالی کر کے دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہیں، بلکہ بچوں سے بھی کہتی ہیں کہ ابو کے کہنے سے پہلے کمرہ خالی کر دیں؛ تاکہ وہ اطمینان سے لکھ سکیں۔

الحمدللہ! آج جبکہ میں اس کتاب کے لیے عرض مؤلف و ناشر لکھ رہا ہوں؛ میرا دل مسرت اور خوشی سے باغ باغ ہے کہ میری اہلیہ ''المرأۃ الصالحۃ'' کی مثال ہے۔ اس نے مجھے گھر میں بڑا خوبصورت ماحول دیا ہوا ہے۔ وہ میرے مسودے عموماً پڑھ ڈالتی ہے۔ ان پر تبصرہ کرتی ہے۔ میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ میری ضروریات کا خیال رکھتی ہے۔ میری بہو آلاء عابد الٰہی بھی ہر طرح میری خدمت کرتی ہے اور میرے آرام کا خیال رکھتی ہے۔ میرے بیٹے عکاشہ ساحل، عبدالغفار مجاہد، طلحہ مجاہد میرے معاون

بنے رہتے ہیں۔ اپنے تمام معاونین کے شکریہ کے ساتھ میں قارئین کرام کی محبتوں کا بھی شکر گزار ہوں۔

میں جناب قاری محمد اقبال عبدالعزیز اور پروفیسر محمد ذوالفقار صاحبان کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اگر قارئین میں سے اس کتاب کو پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی اپنے اندر تبدیلی لے آتا ہے تو میں سمجھوں گا میری محنت پوری ہوگئی ہے۔ بہت شکریہ کے ساتھ آپ کا بھائی

عبدالمالک مجاہد

نومبر 2018ء

الریاض، سعودی عرب

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

(چھٹے خلیفہ راشد)

قارئین کرام! آپ کے ذہن میں یقینا سوال پیدا ہوتا ہو گا کہ ہمارا حکمران کیسا ہونا چاہیے؟ تو ایسا کیجیے کہ تھوڑی دیر کے لیے ذرا کاغذ اور قلم سنبھالیے اور جو صفات کسی اچھے حاکم میں ہونی چاہییں انہیں درج کرنا شروع کیجیے۔

چلیے تھوڑی دیر کے لیے میں بھی آپ کے ساتھ ایک اچھے حاکم، والی، سلطان، بادشاہ یا خلیفہ کی صفات لکھنا شروع کرتا ہوں۔ ہم لکھیں گے کہ وہ عادل ہو،

قابل اعتماد ہو یعنی سچا اور امانتدار ہو، مسائل حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو،

قوم کو بحرانوں سے نکالنے کے فن سے آشنا ہو،

نیک اور سلیم الفطرت ہو، عابد وزاہد ہو، اللہ سے ڈرنے والا ہو،

اچھے اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو، بہت بڑا عالم ہو، شجاع ہو، بہادر ہو،

خوبصورت ہو، ذہین و فطین ہو، بروقت فیصلے کرنے والا ہو،

ظالم و جابر نہ ہو، لوگوں سے محبت و شفقت کرنے والا ہو،

وہ مظلوموں کے حقوق واپس دلانے والا ہو......

صفات کی ایک لمبی چوڑی لسٹ ہوگی جو مجھ سمیت ہم سب چاہیں گے کہ یہ خوبیاں ہمارے حکمرانوں میں پائی جائیں۔ ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں چار خلفائے راشدین تو مشہور ومعروف ہیں۔ سیرت نگاروں نے پانچواں خلیفہ راشد سیدنا حسن بن علی کو شمار کیا ہے۔ ان کے بعد ایک شخصیت اور بھی ایسی ملتی ہے جس میں اوپر ذکر کی گئی ساری خوبیاں بلکہ اس سے کہیں زیادہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔

آپ کا نام عمر بن عبد العزیز تھا۔ ان کی خلافت کا زمانہ محض دو ڈھائی سال کا تھا، مگر اس دورانیے میں انہوں نے جو لازوال کارنامے انجام دیے ان کو قلمبند کرنے کے لیے بلاشبہ دفاتر درکار ہیں۔

ان کے متعلق امام ذہبی اپنی مشہور تالیف ''سیر أعلام النبلاء'' میں لکھتے ہیں:

''عمر بن عبد العزیز بن مروان اموی، امام، حافظ، علامہ، مجتہد، عابد، سردار، حقیقی معنوں میں امیر المؤمنین، زاہد اور خلیفہ راشد تھے۔ پھر فرماتے ہیں: آپ ائمہ مجتہدین اور خلفائے راشدین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔ بہت سے دیگر اہل علم نے ان کو اپنے عہد کا مجدد بھی تسلیم کیا ہے۔

اس کتاب میں ہم اسی شخصیت کا ذکر کرنے جا رہے ہیں جو اموی خاندان کے نہایت ہی معزز اور محترم فرد تھے۔ آپ کی کنیت ابو حفص تھی۔ آپ بنو امیہ کے آٹھویں حکمران تھے۔ ان کا خاندانی پس منظر بڑا محترم اور مبارک ہے۔ ان کے والد عبد العزیز بن مروان تھے۔ اموی خاندان نے جب حکومت سنبھالی تو عبد العزیز ایک مدت تک مصر کے حاکم رہے۔ مصر کے حاکم کے طور پر آپ کی شہرت بہت اچھی تھی۔ لوگ عرصہ دراز تک ان کے عہد کو یاد کرتے اور ان کی مثالیں دیتے رہے۔

عمر بن عبدالعزیز کا فاروق اعظم سے رشتہ

معزز قارئین! آپ نے یقیناً وہ واقعہ پڑھ رکھا ہوگا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ امیر المؤمنین چلتے چلتے تھک جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی دوران گھر کے اندر ایک ماں اور اس کی بیٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو آپ کے کانوں میں پڑتی ہے۔ ماں بیٹی سے کہہ رہی ہے: بیٹی! اس وقت ہمیں کوئی دیکھنے والا نہیں، اٹھو اور شب کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دودھ میں پانی ملا دو۔

بیٹی جواب میں کہہ رہی ہے: امی جان! خلیفۃ المسلمین کا حکم ہے کہ دودھ میں کسی بھی چیز کی ملاوٹ نہ کی جائے۔ ماں نے کہا: بیٹی! عمر تمہیں اس وقت دیکھ

تو نہیں رہا؟ بیٹی نے کہا: امی جان! اگر عمر نہیں تو اس کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔

خلیفۃ المسلمین نے یہ گفتگو سنی تو اس لڑکی کی نیکی اور تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے۔ غلام ساتھ تھا، اس کو حکم دیا کہ اس گھر پر نشان لگا دو، اسے یاد رکھنا۔

صبح ہوئی تو اس گھر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ معلوم ہوا کہ وہ نیک اور عفت مآب بیٹی ابھی کنواری ہے، اس کی شادی نہیں ہوئی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا: میرے بچو! تم میں سے کون ہے جو شادی کا خواہش مند ہو؟ عاصم بن عمر کے سوا سب نے کہا: ابا جان! ہماری شادیاں ہو چکی ہیں اور ہمیں دوسری شادی کی بھی فی الحال خواہش نہیں۔ عاصم نے کہا: ابا جان! میں شادی کرنا چاہتا ہوں؛ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بچی کے گھر والوں سے اپنے فرزند ارجمند کے لیے رشتہ طلب کر لیا۔ وہ بخوشی مان گئے اور اس طرح یہ نیک اور پرہیزگار بچی ام عمارہ بنت سفیان سیدنا عمر فاروق کے گھرانے کی بہو بن کر آ گئی۔

عاصم کے ہاں اس اہلیہ سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام لیلیٰ اور کنیت ام عاصم رکھی جاتی ہے۔ ام عاصم کی تربیت اس گھرانے میں ہوئی جس کی نیکی اور تقویٰ کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ام عاصم جوان ہوئیں تو ان کی شادی اموی خاندان میں ہوتی ہے۔ عبدالعزیز بن مروان نے شادی کے لیے یہ شرط رکھی کہ کوئی نیک سیرت خاتون ان کے گھر میں آئے۔ لوگوں نے انہیں ام عاصم کا بتایا جس میں تقویٰ کے ساتھ وجاہت بھی تھی۔ آخر وہ فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔

عبدالعزیز بن مروان نے شادی کے لیے یہ شرط رکھی کہ کوئی نیک سیرت خاتون ان کے گھر میں آئے۔ لوگوں نے ام عاصم کا بتایا جس میں تقویٰ کے ساتھ وجاہت بھی تھی۔ آخر وہ فاروق اعظم کی پوتی تھیں

اسی ام عاصم کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس کے پڑنانا کے نام پر عمر رکھا گیا جو آگے چل کر امیر المؤمنین بنے اور تاریخ میں اپنا نام اس طرح سنہری حروف سے رقم کر گئے کہ قیامت تک ان کا نام چمکتا دمکتا رہے گا۔

بچپن اور ابتدائی دور

عمر بن عبدالعزیز کی داستان حیات نہایت دلچسپ بھی ہے، عمدہ بھی ہے اور بطور خاص حکمران طبقہ کے لیے روشن مثال بھی۔

عمر بن عبدالعزیز کی ولادت 61 ہجری مطابق 681 عیسوی میں مصر کی ایک بستی ''حلوان'' میں ہوئی۔ایک روایت کے مطابق وہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز اموی خاندان کے نمایاں افراد میں سے تھے۔ وہ مختلف شہروں پر گورنر مقرر کیے گئے، پھر مصر پر ایک لمبے عرصے تک حکومت کی۔

جہاں تک عمر بن عبدالعزیز کا تعلق ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا ایک محل مدینہ طیبہ میں، ایک شام میں، ایک مصر میں، ایک عراق میں اور ایک یمن میں تھا۔

بچپن میں اپنے ننھیال کی توجہ کا مرکز رہے۔ بچپن میں ان کی تربیت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کی۔ اس تربیت کے ان کی شخصیت پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز بن مروان ہر چند کہ مصر میں گورنری کر رہے تھے، مگر بیٹا عمر مدینہ طیبہ میں پرورش پا رہا تھا اور علمائے مدینہ سے علم حاصل کر رہا تھا۔ والد سیکڑوں میل دور مصر میں تھے، لیکن بیٹے کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہے۔ مدینہ میں ان کے استاد مشہور محدث صالح بن کیسان تھے۔

حلوان کی یونیورسٹی کے آثار کی ایک تصویر۔ اقوام متحدہ نے اس جگہ کو تاریخی ورثہ قرار دیا ہے۔
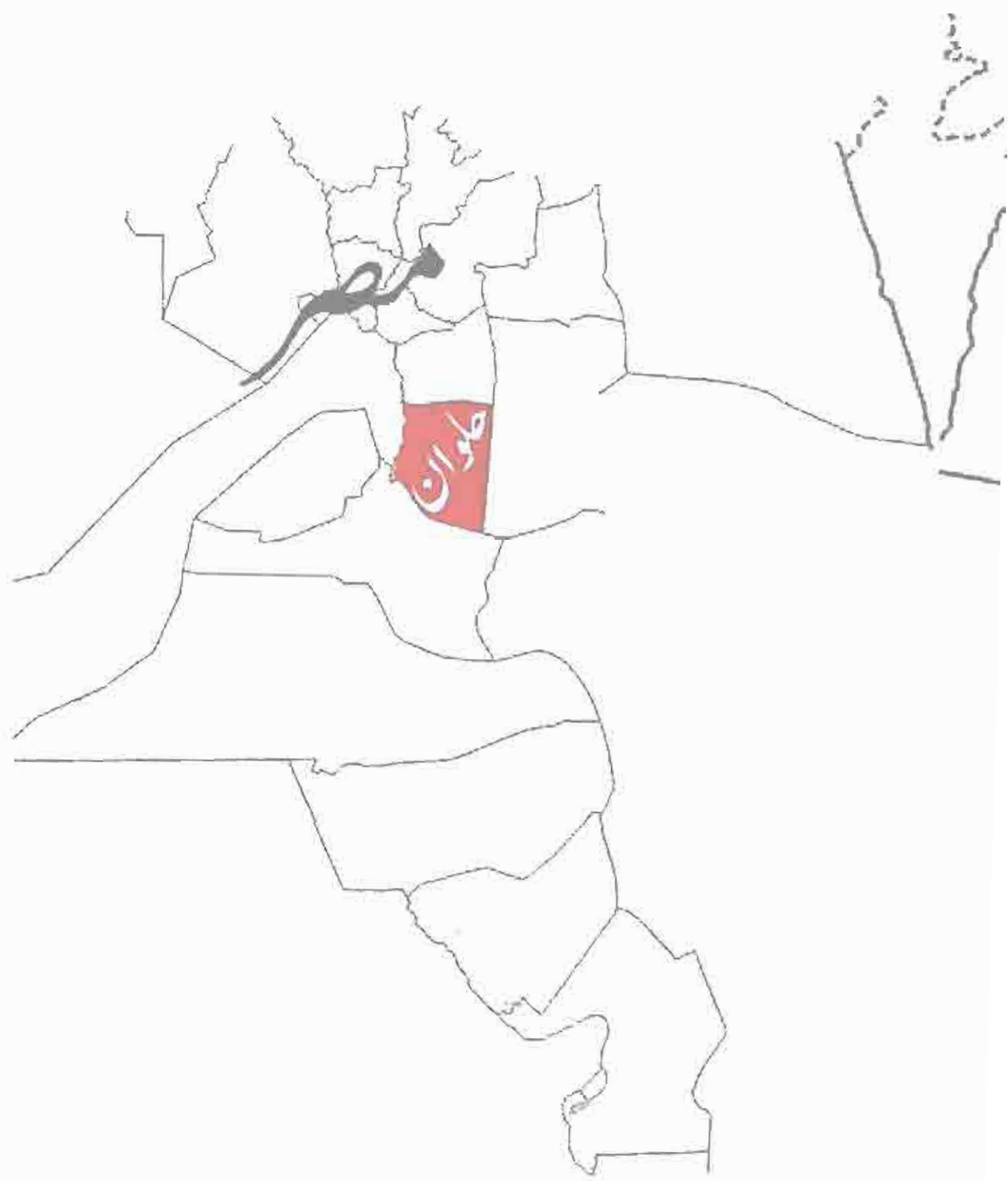
ہر چند کہ ان کے دادا مروان خلیفہ رہ چکے تھے، ان کے والد مصر کے گورنر اور چچا عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت تھے، مگر اس کے باوجود ان میں عمر فاروق کے گھرانے کے اخلاق پائے جاتے تھے۔ ناز و نعم میں پلنے والے عمر بن عبد العزیز جوانی کے ابتدائی دور میں نہایت قیمتی لباس استعمال کرتے تھے۔ دن میں متعدد لباس تبدیل کرتے۔ خوشبو کے شیدائی تھے؛ ان کے لیے یمن اور ہندوستان سے خصوصی طور پر خوشبو منگوائی جاتی تھی۔

نہایت خوبصورت اور توانا جسم کے مالک تھے۔ اتنے بڑے گھرانے کا فرد ہونے کے باوجود ان میں نام ونمود اور فخر وریا نام کی کوئی شے نہ تھی۔ علم کے شیدائی تھے۔ مدینہ طیبہ شروع دن سے علم کا مرکز رہا ہے۔ ہر چند کہ دارالخلافہ دمشق میں منتقل ہو چکا تھا، مگر اس کے باوجود بڑے بڑے علمائے کرام اور محدثین عظام مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ مسجد نبوی میں درس وتدریس کے کتنے ہی حلقات تھے؛ وہ ان علمی حلقوں میں شرکت فرماتے۔ اس طرح انہوں نے بہت محنت اور شوق سے دین کا علم حاصل کیا۔

عمر بن عبدالعزیز کا عہد شباب

عمر بن عبدالعزیز نہایت گورے چٹے اور خوبرو نوجوان تھے۔ چہرے کے نقش باریک اور جسم بھرا ہوا گداز اور شاداب تھا۔ قد اپنے نانا محترم کی طرح لمبا کہ دیکھنے والا ٹھٹک کر رہ جاتا۔ وہ ان کے چہرے پر نظریں جمائے دیر تک انہیں دیکھتا رہتا۔ آپ اپنے سر کے بالوں، داڑھی اور جسم پر اس قسم کا تیل استعمال کرتے کہ جس راہ سے گزر جاتے وہاں خوشبو کی لپٹیں بکھر جاتیں۔ عنبر کی خوشبو بھی استعمال

کرتے تھے، اس لیے کپڑوں سے بھی عنبر کی خوشبو آتی رہتی تھی۔ حتی کہ کپڑوں کو دھونے میں جو پانی استعمال ہوتا تھا اس میں بھی خوشبو شامل ہو جاتی۔ جس دھوبی سے عمر بن عبدالعزیز کپڑے دھلواتے، لوگوں کی خواہش ہوتی کہ ان کے کپڑے بھی اسی سے دھلوائے جائیں۔ دھوبی کو قدرے زیادہ پیسوں کی پیش کش کر کے اس سے مطالبہ کرتے کہ ہمارے کپڑوں کو عمر بن عبدالعزیز کے کپڑوں کے ساتھ اکٹھے دھونا تاکہ ان کے کپڑوں کی خوشبو ہمارے کپڑوں میں بھی رچ بس جائے۔

جوانی کے زمانے میں ان کی چال بڑی متوالی اور نازک ادا والی، فخر و خود داری سے لبریز ہوتی تھی۔ رفتار سے تصنع ٹپکتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز سر پر لمبے پٹے رکھا کرتے تھے۔ ان کی کنگھی کرتے رہتے اور انہیں بناتے سنوارتے رہتے تھے۔

انگلی میں بڑے قیمتی نگینے والی انگوٹھی پہنتے تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی اور خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک جب افریقہ کی سرزمین کو فتح کرنے کے لیے گئے تو واپسی پر یہ قیمتی انگوٹھی انہیں تحفہ کے طور پر دی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کا لباس بڑا قیمتی ہوتا، خصوصاً تہبند بھی بڑا قیمتی ہوتا۔ ایک ایک تہبند کی قیمت سو دینار تک پہنچ جاتی۔ ریشمی چادر کی قیمت بھی آٹھ سو درہم تک ہوتی۔ اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھتے تو کہتے:

یہ ہے تو کھردری سی مگر گزارا کر جائے گی۔ پھر اسے با دل نخواستہ اوڑھ لیتے۔

عمر بن عبدالعزیز لباس کو اپنے جسم پر طویل عرصہ دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ پہننے کے بعد اگر لوگ اسے پہنا ہوا دیکھ لیتے تو اسے پرانا سمجھنے لگتے۔ کپڑا اتنا مہنگا خریدتے اور اس پر اتنا خرچ کرتے کہ ایک دن خود ہی کہنے لگے: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا ہزار دینار ماہانہ وظیفہ میرے کپڑوں ہی پر خرچ نہ ہو جائے۔

نئے کپڑے پہن کر اور خوب بن سنور کر گھر سے باہر نکلتے تو ان کے نوکر چاکر اور غلام دروازے کے باہر کھڑے ہوتے، وہ ان کے جھرمٹ میں بڑے کروفر سے نکلتے۔ اگر کبھی آپ کے قیمتی تہبند کا پلو جھکتے وقت جوتے سے اٹک جاتا تو اسے کھینچ کر پھاڑ دیتے۔ اسے جوتے سے نکالنے کے لیے جھکنا بھی گوارا نہ کرتے۔ اگر چادر کا کوئی پلو کندھے سے سرک جاتا تو اسے اٹھانے میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ اسی طرح جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو اس جوتے کا استعمال ترک کر دیتے۔ اگر خادم اٹھا کر آپ کے پاس لے آتا تو اسے ڈانٹ دیتے اور جوتا پھینک دیتے۔

قیمتی تہبند کا پلو اگر جوتے سے اٹک جاتا تو اسے کھینچ کر پھاڑ دیتے۔ اسے جوتے سے نکالنے کے لیے جھکنا بھی گوارا نہ کرتے۔ اگر چادر کا کوئی پلو کندھے سے سرک جاتا تو اسے اٹھانے میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔

جوانی میں عمر بن عبدالعزیز کی اس حالت کو دیکھ کر بعض لوگ ان پر فخر وغرور کا الزام بھی عائد کرتے تھے۔ جوانی میں بڑے غصیلے مزاج کے تھے۔ یہ مزاج انہیں اپنی والدہ سے ورثہ میں ملا تھا۔ غلام اور نوکر ان سے بہت ڈرتے تھے اور سخت خوف زدہ رہا کرتے تھے۔ کیا مجال کہ کوئی ان کی حکم عدولی کی جرأت کر سکے۔ ایک مرتبہ حبشی غلام نے ان کے کسی کام میں تاخیر کر دی یا حکم عدولی کی تو آپ نے اسے پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے اور خوب مارا۔ اب غلام چیخ رہا ہے، مگر کس کی مجال ہے کہ اس کو چھڑائے یا سفارش کرے۔ وہ چیخ رہا تھا، کافی دیر تک پٹتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن وہ اچھے موڈ میں تھے۔ غلام نے سوچا کہ کیوں نہ ان کے مزاج کی سختی کو

کچھ کم کیا جائے۔

کہنے لگا: جناب! میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے: پوچھو۔ غلام نے عرض کی: کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے قصور کیا ہو اور آپ کا آقا آپ سے ناراض ہو گیا ہو؟

فرمانے لگے: ہاں۔

غلام نے بڑی لجاجت سے عرض کیا: کیا اس پر آپ کے آقا نے آپ کو فوراً سزا دی۔

عمر کہنے لگے: نہیں۔

غلام نے عرض کیا: پھر مجھے آپ کیوں فوراً سزا دیتے ہیں جبکہ آپ کو فوراً سزا نہیں دی گئی تھی۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے یہ بات سنی تو شرما گئے۔ آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ غلام سے فرمایا: جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔

نماز میں کوتاہی پر بالوں سے محرومی

جن دنوں مدینہ منورہ میں پڑھتے تھے، اس زمانے میں عمر بن عبدالعزیز کے بالوں کو بنانے اور سنوارنے کے لیے ایک لونڈی مقرر تھی جو بالوں کو سنوارتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کا وقت ہو گیا، مگر لونڈی ان کی کنگھی کرنے میں مصروف رہی۔ جب آپ مسجد پہنچے تو اس وقت آخری رکعت ہو رہی تھی۔ استاد نے تاخیر کا سبب پوچھا تو انہوں نے صاف صاف بتا دیا کہ کنگھی کرنے والی عورت ان کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی، اسی لیے تاخیر ہوگئی۔ صالح بن کیسان نے ایک خط کے ذریعے ان کے والد عبدالعزیز کو مطلع کیا۔

قارئین کرام! بڑے لوگوں کی تربیت کا انداز بھی بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ بظاہر دیکھا جائے تو عجیب سا لگتا ہے کہ عبدالعزیز نے ایک آدمی کو بطور خاص مصر سے بھیجا جس نے مدینہ منورہ آ کر عمر بن عبدالعزیز کے سر کے بال کاٹ ڈالے؛ تاکہ وہ بال ہی نہ رہیں جن کی آرائش کے باعث نماز پر پہنچنے میں تاخیر ہوئی۔

عبدالعزیز بن مروان کا تذکرہ

عبدالعزیز بن مروان بن حکم 27 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور 86 ہجری کو مصر میں وفات پائی۔ ان کے والد کا مدینہ منورہ میں محل نما بڑا گھر تھا۔ جب ان کے والد مروان دمشق گئے تو عبدالعزیز اپنے والد کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے۔ اپنے بھائی عبدالملک کے بعد ولی عہد تھے، مگر عبدالملک سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مدینہ کے علماء سے علم حاصل کیا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو اسراف سے نفرت کرتے تھے اور درمیانی راہ اختیار کرتے تھے۔ عربی لغت پر مکمل عبور حاصل تھا۔ یہ اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو بیش قیمت لباس پہنتی اور شاہانہ کروفر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ مدینہ منورہ کا ماحول نہایت پاکیزہ تھا؛ اس ماحول نے آپ کو خیر و صلاح کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ آپ مدینہ شریف کے بعض محدثین اور رواۃ سے حدیث کی روایت بھی کرتے ہیں؛ تاہم وہ بہت کم روایت کرنے والے راویوں میں سے ہیں۔

عبدالملک مروان کے دور کا ایک سکہ

آپ ایک مدت تک مصر کے حاکم رہے، وہاں کی رعیت میں بڑے مقبول تھے۔ مال و دولت ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ لوگوں کو کثرت سے کھانا کھلاتے، ان کی ضیافت کرتے۔ بعض اوقات مہمانوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی۔ بڑے سخی تھے۔ علماء کی عزت کرتے اور انہیں دل کھول کر عطیات دیتے تھے۔

ایک مرتبہ عبدالعزیز نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے لکھ

بھیجیں، میں پوری کر دوں گا۔ انہوں نے بڑا خوبصورت جواب لکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: (اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی) ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔''

(وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ) ''خرچ اپنے عزیزوں سے شروع کرو۔''

(وَلَسْتُ أَسْأَلُکَ شَیْئًا) ''میں آپ سے کچھ مانگوں گا تو نہیں۔''

(وَلَا أَرُدُّ رِزْقًا رَزَقَنِیْهِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْکَ)

''تاہم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے ذریعے کوئی رزق دیا تو اس کو واپس بھی نہیں کروں گا۔''

عبدالعزیز بن مروان نے ان کو ایک ہزار دینار ارسال کیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔
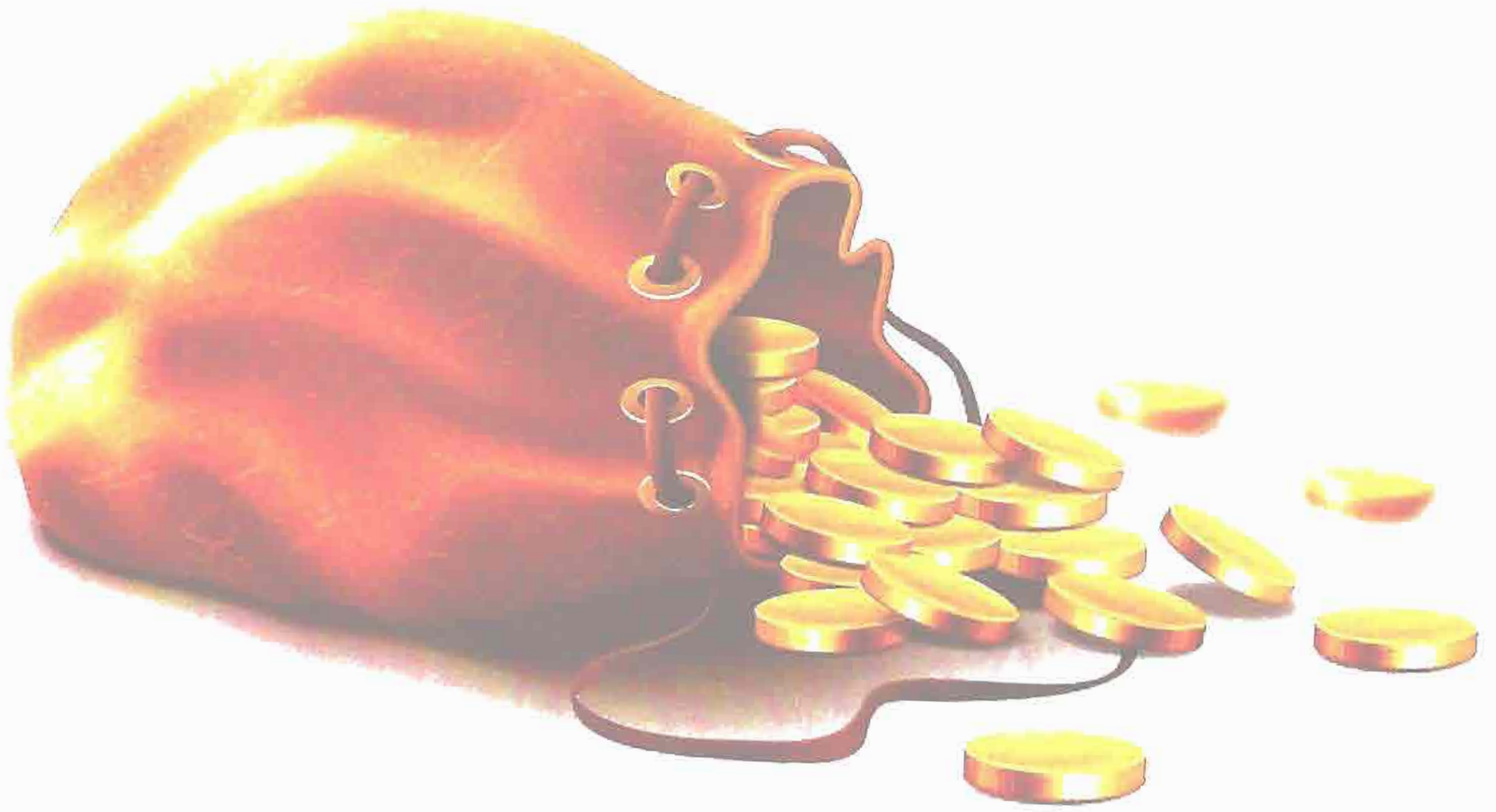
قارئین کرام! یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک طرف ہم پڑھتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ دوسری طرف وہ ایک ہزار دینار کا عطیہ قبول بھی کر لیتے ہیں۔ اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے درج ذیل واقعہ پڑھیے، آپ کی الجھن دور ہو جائے گی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے ہی غیور تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دی تو انہوں نے لینے سے پس و پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا لَمْ تَسْئَلْهُ وَلَمْ تَشْرَحْ إِلَيْهِ نَفْسُكَ. فَاقْبَلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ إِلَيْكَ) (احمد)

''اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بغیر مانگے رزق عطا فرمائے جس کے لیے تمہارا نفس حریص بھی نہ تھا تو اسے قبول کر لیا کرو، کیونکہ یہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔''

عبدالعزیز بن مروان نہایت امیر کبیر شخص تھے۔ انہوں نے مصر اور شام میں خوبصورت عمارتیں اور شاندار کوٹھیاں تعمیر کروائیں۔ مصر میں ان کو ایک قبطی کا گھر پسند آ گیا تو اسے دس ہزار دینار میں خرید لیا۔ مصر میں حلوان نامی شہر کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر دریائے نیل کے کنارے ہے۔ آپ نے اس شہر میں بھی اپنا خوبصورت گھر تعمیر کروایا۔ گھر میں باغ لگوایا۔ اس میں انواع واقسام کے پھلوں کے درخت تھے۔ کھجوروں کے درخت اور انگوروں کی بیلیں خاص طور پر لگائی گئیں۔ عرب شعراء نے ان کے دستر خوان، باغات، اور خوبصورت گھروں پر کتنے ہی اشعار کہے ہیں۔

بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ان کے کلمات واقوال میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

(عَجَبًا لِمُؤْمِنٍ مُوقِنٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ أَنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُهُ وَيُوقِنُ أَنَّ اللّٰهَ يُخْلِفُ عَلَيْهِ، كَيْفَ يَحْبِسُ مَالًا عَنْ عَظِيمِ أَجْرٍ وَحُسْنِ سِمَاعٍ)

''مجھے ایسے شخص پر حیرانگی ہوتی ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے رزق دیتا ہے۔ اسے بات کا بھی یقین ہے کہ جتنا وہ خرچ کرے گا، اللہ اتنا ہی اسے اور دے دے گا۔ پھر وہ کیسے مال کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے؛ حالانکہ خرچ کرتا تو اسے اجر عظیم بھی حاصل ہوتا اور نیک نامی بھی ملتی۔''

سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے والد گرامی بھی مدینہ طیبہ میں پلے بڑھے تھے۔ وہاں کا ماحول بڑا پاکیزہ تھا۔ اس لیے ان کے والد میں بھی بڑی خیر تھی۔ ان کو جب مصر کا گورنر بنایا گیا اور وہ قاہرہ منتقل ہو گئے تو وہاں بھی آپ نے بڑے عمدہ انداز میں حکومت کی۔ ان کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ اس کے لیے

انہوں نے خصوصی مہمان خانہ بنوار کھا تھا۔ مہمان خانے کے چاروں طرف دستر خوان مستقل بچھے رہتے تھے۔ لوگوں کو بلوا بلوا کر کھانا کھلایا جاتا۔ ایک شاعر نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز کے نزدیک ہر دن گویا عیدالاضحیٰ کا یا عیدالفطر کا ہوتا تھا۔

عبدالعزیز بن مروان کی اولاد

ام عاصم کی شادی عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نیک خاتون سے چار بیٹے عطا کیے۔ ان کے نام یہ ہیں: ابوبکر ، عمر، محمد اور عاصم۔

ان کے علاوہ دوسری زوجات سے چار بیٹے اصبغ، سہل، سہیل اور ریان بھی تھے۔ دو بیٹیاں ام الحکیم اور ام البنین پیدا ہوئیں۔ ان کی ایک اہلیہ کا نام ام عبداللہ بنت عبداللہ بن عمرو بن العاص تھا، جبکہ ماریہ نام کی ایک رومی لونڈی بھی تھی۔ ام عاصم کی وفات کے بعد ان کی ایک بہن حفصہ سے بھی شادی کی۔ ممکن ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی ہو، اس لیے تاریخ میں حفصہ کی اولاد کا تذکرہ نہیں ملتا۔

عمر بن عبدالعزیز کے جد امجد کا تذکرہ

تاریخ کا مسافر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں جبل ضجنان کے پاس تھوڑی دیر کے لیے رک گیا ہے۔ مکہ مکرمہ یہاں سے محض بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ کے اس مسافر کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی والدہ ام عاصم کے دادا محترم سیدنا عمر فاروق یاد آ جاتے ہیں۔ جو اس پہاڑ کے قرب و جوار میں اپنے والد خطاب اور خالہ کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔

عمر بن خطاب اپنے دور خلافت میں حج کرنے کے لیے اس پہاڑ کے قریب سے گزرے تو انہیں اپنا ماضی یاد آ گیا۔ آپ جبل ضجنان کی طرف دیکھتے ہیں، پہاڑ کی چوٹی پر نگاہیں جم جاتی ہیں۔ بے اختیار زبان سے نکلتا ہے: میرے اللہ، میرے رب! تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کا حقدار نہیں، تو جسے چاہے اور جو چاہے عطا فرما دے۔ ایک وقت تھا کہ میں اس وادی میں موٹے کپڑے کا کرتا پہنے اپنے والد کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ میرا والد بڑا سخت مزاج تھا، وہ میرے پیچھے لگا رہتا تھا۔ اگر میں اونٹ چرانے میں ذرا بھی سستی دکھاتا تو وہ میری پٹائی کر دیتا تھا۔ آج میرے رب کا مجھ پر کتنا کرم ہے کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوں کہ میرے اوپر اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں۔ فاروق اعظم اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے ہیں۔

بچپن کا مشکل ترین دور آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ سوچا کہاں وہ وقت کہ میرا والد میری ذرا سی غلطی پر مجھے پیٹا کرتا تھا۔ والد کا مطالبہ تھا کہ میں مکہ مکرمہ سے دور رہ کر اس کے اونٹ چراؤں۔ مجھے ستانے تک کا موقع نہیں ملتا تھا۔

فاروق اعظم نے اپنے والد کی سنگ دلی سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کے مزاج میں بھی والد کی طرح سختی تھی۔ باپ نے مارا تو صبر کیا۔ طبیعت میں سختی اور صبر نے آپ کو ایک بہترین انسان بنا دیا۔ آپ کے ہاتھ میں خلافت آئی تو بچپن میں جو تربیت ہوئی تھی اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد جفاکش اور محنتی تھے۔ آپ میں بے پناہ قوت فیصلہ تھی۔ پہاڑوں کی چٹانوں پر اونٹ چرانے والے فاروق اعظم کی اولاد میں بھی اپنے باپ کی متعدد خوبیاں تھیں۔

عمر عبدالعزیز کے نانا محترم

سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی والدہ ام عاصم سیدنا فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ ان کی شخصیت میں بھی اپنے دادا کی کتنی ہی خوبیاں پائی جاتی تھیں جو ان کے ہونہار بیٹے میں منتقل ہوئیں۔ ام عاصم اپنے دادا کی طرح مستقل مزاج تھیں جب کسی کام کا ارادہ کر لیتیں تو اسے کر کے ہی چھوڑتیں۔ اولاد عمر فاروق جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں ان کے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کی ذمہ داریاں منتقل ہوئیں تو ان کے سامنے امت اور نظام حکومت کی اصلاح کے بے شمار پہلو تھے۔ انہوں نے کچھ ایسے فیصلے کیے جو امت کے لیے بڑے مفید تھے۔ ان کی راہ میں بے پناہ رکاوٹیں آئیں، بہت سارے پیچیدہ مسائل تھے، مگر انہوں نے نہایت ثابت قدمی سے ان مصائب و مشکلات کا سامنا کیا۔ اپنے فیصلوں کو پوری ہمت و جرأت سے نافذ کیا۔ عدل انصاف کے میزان کو سختی سے قائم کیا۔ تیرہ سو سال گزر چکے ہیں؛ تاریخ آج تک ان کے عمدہ او بروقت فیصلوں کی تحسین کرتی چلی آ رہی ہے۔

فتح افریقہ کی ایک خیالی تصویر

سیدنا عاصم بن عمر بن خطاب اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی سے آپ ﷺ کی احادیث کی سماعت کی اور انہیں آگے روایت بھی کیا۔ مدینہ منورہ اس زمانے میں علم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خوب علم سیکھا جب جوان ہوئے تو آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں افریقہ فتح کیا تھا۔ یہ سیدنا عثمان بن عفان کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے جو سیدنا عثمان بن عفان کے ماں جائے بھائی تھے۔ اسلامی لشکر 27 ہجری میں مصر کی طرف روانہ ہوا اور فتح کے پھریرے لہراتا ہوا واپس آیا۔ عاصم بن عمر نے اس جنگ میں شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ مجاہدین نے دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ حق تعالیٰ کی خاص مدد آئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جناب عاصم بخیریت مدینہ منورہ واپس تشریف لاتے ہیں۔ عاصم کی بقیہ زندگی مدینہ منورہ ہی میں گزرتی ہے۔

> عاصم بن عمر بن خطاب عمر بن عبدالعزیز کے نانا محترم تھے۔ ان کے رگ و پے میں فاروقی، انصاری اور قریشی خون تھا۔ ان کی والدہ جمیلہ بنت ثابت انصاریہ تھیں۔

عاصم بن عمر بن خطاب عمر بن عبدالعزیز کے نانا محترم تھے۔ ان کے رگ و پے میں فاروقی، انصاری اور قریشی خون تھا۔ ان کی والدہ جمیلہ بنت ثابت انصاریہ تھیں۔ پہلے ان کا نام عاصیہ تھا جس کا معنی ہوتا ہے ''نافرمان'' اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ باپ کی کتنی ہی خوبیاں عظیم بیٹے میں موجود تھیں۔ لوگوں کے کام آتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو احادیث اور تواریخ سناتے رہے۔ جب آپ کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ کا انتقال ہوا تو اپنے بھائی عبداللہ بن عمر کے ساتھ عاصم بھی قبر میں اترے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی عظیم ہمشیرہ کی تدفین کے مراحل طے کیے۔

ام عاصم ان کی لاڈلی اور پیاری صاحبزادی تھیں۔ یہ گھرانہ بڑا غیور تھا۔ یہاں نیکی تھی، تقویٰ تھا۔ دنیا سے بے رغبتی تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ نہایت درجہ معاملہ فہمی اور معاملات کو سدھارنے کی صلاحیت بھی پائی جاتی تھی۔

عاصم بن عمر فاروق کی چند نمایاں صفات

عقلمند اور ذہین شخص پوری زندگی فضول و بے کار باتوں اور بے ہودہ کاموں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ سیدنا عاصم بن عمر بھی انہی شخصیات میں سے تھے جنہوں نے نیکی اور تقویٰ سے بھرپور زندگی گزاری۔ آپ شرم وحیاء، پاکدامنی اور سلامتی کی طرف رجحان کی وجہ سے بڑے کم گو اور خاموش طبع تھے۔ کسی سے اختلاف ہوا تو انہیں ڈر ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا غصہ بھڑک اٹھے اور جھگڑا زور پکڑ لے۔ چنانچہ وہ اپنی دلیل اور حجت پیش کیے بغیر مجلس کو چھوڑ کر گھر چلے آتے؛ حتیٰ کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ پھر اگر ضرورت محسوس کرتے کہ مجھے واپس مجلس میں جانا چاہیے تو واپس چلے جاتے۔

ان کے بیٹوں اور اولاد میں یہ مخصوص خوبی پائی جاتی تھی کہ ان کے والد نے افراد خانہ کے مزاج کی سختی اور غیظ وغضب کے شعلے بجھا دیے تھے۔

معزز قارئین! تاریخ نے اپنے سینے میں عاصم بن عمر کے حوالے سے بڑا خوبصورت واقعہ محفوظ کر رکھا ہے۔ آیئے اسے پڑھ کر لطف بھی اٹھاتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ بڑے لوگ کیسے ہوا کرتے ہیں۔

عاصم بن عمر فاروق کا ایک مرتبہ کسی قریشی کے ساتھ زمین کے سلسلہ میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں ہی قریشی تھے اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قریشی نے ایک دن عاصم کو خوب زجر وتوبیخ کی اور برا بھلا کہا۔ ڈرانے اور دھمکانے کے انداز میں کہنے لگا: اگر آپ سچے ہیں تو پھر اس زمین میں داخل ہو کر دکھائیں اور قبضہ کر لیں۔

عاصم بڑے اطمینان کے ساتھ اس قریشی کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس سے کہا: دیکھیے میرے بھائی! آپ کو غصہ نے اس حالت پر پہنچایا ہے۔ اچھا چلو! جھگڑا چھوڑیں، یہ زمین تمہاری ہوگئی؛ میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں۔

عاصم کا جواب سن کر وہ قریشی شرمسار ہو گیا، کہنے لگا: نہیں! یہ زمین آپ کی ہے۔ عاصم نے کہا:

نہیں! یہ تمہاری ہے۔اب دونوں فریق اپنے اپنے دعویٰ سے پیچھے ہٹ گئے۔زمین پر کسی نے بھی قبضہ نہیں کیا۔حتیٰ کہ دونوں وفات پا گئے۔دونوں کی اولادیں بھی کیا خوب تھیں، انہوں نے بھی زمین کو تقسیم کیا نہ اس پر قبضہ کیا بلکہ باہمی اتفاق سے اسے فقراء و مساکین کے لیے وقف کر دیا۔

بنو ہلال کی دوشیزہ کے ساتھ عاصم کی شادی

بچی کا نام ام عمارہ بنت سفیان تھا اور وہ طائف کے ثقفی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔بچی کا ایک جملہ: ''مجھ سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں دودھ میں پانی ملاؤں۔امیر المؤمنین کے سامنے تو آپ کی اطاعت کروں اور چھپ کر نافرمانی کروں۔'' سیدنا عمر فاروق کے دل میں اتر گیا۔آپ اس بچی کی باتیں سن کر حیران رہ گئے۔آپکو اس نادار دوشیزہ کی فطانت اور ذکاوت پر سخت حیرت ہوئی کہ کچے گھر میں رہ کر وہ خیر و بھلائی کی آواز پر لبیک کہہ رہی ہے۔

سیدنا عمر نے اپنے بیٹے عاصم سے فرمایا: بیٹا! جاؤ اور اس سے نکاح کرلو کیونکہ یہ لڑکی اس لائق ہے کہ اس سے ایک ایسا شہسوار پیدا ہو جو عرب کا سردار بنے۔چنانچہ اپنے والد کے رغبت دلانے پر عاصم ام عمارہ سے نکاح کر لیتے ہیں۔شادی کے کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے، جس کا نام لیلیٰ اور کنیت ام عاصم رکھی جاتی ہے۔

ام عاصم کی خوبیاں

ام عاصم لیلیٰ بچپن ہی سے بڑی زیرک اور سمجھدار تھیں ۔ فاروقی گھرانہ تھا۔ مزاج میں حدت تھی، مگر قوت فیصلہ مضبوط تھی ۔ خوبصورت تھیں، عاقل اور دانا تھیں ۔ شرعی علم حاصل کرتی رہیں ۔ اپنے والد عاصم سے حدیث کا علم سیکھا تو اپنے والد سے اور پھر دادا سے احادیث کی روایت شروع کی ۔ ان کی روایت کردہ ایک حدیث بڑی مشہور ہے ۔ حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ) ''سرکہ بہترین سالن ہے۔'' چنانچہ آپ کثرت سے سرکہ اور زیتون والی حدیث پر عمل پیرا رہتی تھیں ۔ ام عاصم طبعی طور پر پارسائی اور تقویٰ کی طرف راغب تھیں ۔

قارئین کرام! اوپر آپ نے سرکہ والی حدیث پڑھی تو مجھے اسی گھرانے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر بڑے مشہور صحابی ہیں ۔ ان کی شادی ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی ۔ جب ایران فتح ہوا تو یزدگرد کی تین شہزادیاں لونڈیاں بنا کر مدینہ طیبہ لائی جاتی ہیں ۔ یہ شاہی گھرانے کی خواتین تھیں ؛ چنانچہ سیدنا عمر فاروق نے ان کی خاندانی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے ان میں سے ایک کی شادی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد کے ساتھ کر دی جس سے قاسم پیدا ہوئے ۔

دوسری بہن کی شادی اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ کی جس سے سالم پیدا ہوئے ۔ تیسری بہن کی شادی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نواسہ رسول حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ کر دی ۔ جن سے بیٹا پیدا ہوا تو ان کا نام اپنے والد کے نام پر علی رکھتے ہیں، مگر وہ اپنی کنیت زین العابدین سے زیادہ مشہور ہوئے ۔

اس طرح محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما تینوں آپس میں ہم زلف بنتے ہیں۔ ان تینوں کے فرزندان قاسم، سالم اور زین العابدین آپس میں خالہ زاد ہوئے۔ یہ تینوں خالہ زاد بڑے ہی پارسا، متقی اور اپنے زمانے کے بہادر ترین افراد تھے۔ تینوں ہی بہت بڑے عالم اور مفتی بھی تھے۔ اپنی عبادت اور پارسائی کی وجہ سے یہ دنیا کے سردار بن گئے۔

ام عاصم سے منسوب ایک ضرب المثل

ام عاصم فاروقی گھرانے کی نور چشم تھیں۔ والدین نے اعلیٰ تربیت کی، یہی وجہ ہے کہ وہ خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے والی تھیں۔ ان کے سسرال میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ ان کے خاوند عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے۔ ان کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے خاوند کے پاس مصر جا رہی تھیں تو فلسطین کے مشہور شہر ''ایلہ'' سے ان کا گزر ہوا۔ ایک شخص نے ان کا راستہ روک لیا۔ اس نے ام عاصم کو ہدیہ پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ اب سیدہ ام عاصم کی باری تھی انہوں نے اس شخص کو اتنا دیا اتنا زیادہ دیا کہ وہ خوش ہو گیا۔

کئی سال کے بعد جب ام عاصم کی وفات ہو گئی تو عبدالعزیز بن مروان نے ان کی ہمشیرہ حفصہ سے شادی کر لی۔ حفصہ اپنے خاوند کے پاس جانے کے لیے ''ایلہ'' سے گزرتی ہیں تو وہی شخص ان کی خدمت میں بھی ہدیہ پیش کرتا ہے۔ حفصہ نے ہدیہ قبول کر لیا، مگر ہدیہ پیش کرنے والے کو کچھ نہ دیا۔ اس شخص کو امید تھی کہ جس طرح ام عاصم نے اسے خاصا مال عطا کیا تھا؛ حفصہ بھی ویسا ہی سلوک کرے گی۔ وہ خاصا مایوس ہوتا ہے۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلتا ہے: (لَيْسَتْ حَفْصَةُ مِنْ رِجَالِ أُمِّ عَاصِمٍ) ''یہ حفصہ ام عاصم کے خاندان سے تو نہیں لگتی۔'' اس کا یہ قول لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتا ہے۔ لوگوں

فلسطین کے مشہور شہر ایلہ کے کھنڈرات کی ایک تصویر

میں کہاوت کے طور پر ضرب المثل بن جاتا ہے۔ آج بھی تاریخ کی کتابوں میں یہ مقولہ موجود ہے۔ جب بھی کسی شخص یا عورت میں متوقع خوبی نہ پائی جائے اس موقع پر یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

خاندان فاروقی میں عبدالعزیز کی شادی

شرفاء عموماً شادی کے لیے اعلیٰ خاندان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بڑی مشہور ہے:

(تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِينِهَا؛ فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)

''کسی بھی عورت سے چار خوبیوں کی بنا پر شادی کی جاتی ہے: اس کے مال، جمال، حسب ونسب اور دین کی وجہ سے، مگر تم دین کو باقی تمام خوبیوں پر فوقیت دینا، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔''

عبدالعزیز بن مروان کا بچپن مدینہ طیبہ میں گزرا تھا۔ اس مقدس شہر کا ایک خاص پاکیزہ ماحول ہے۔ اس لیے حکمران خاندان سے ہونے کے باوجود ان میں شرافت اور دین داری پائی جاتی تھی۔ جب شادی کرنے کا عزم کیا تو بھی انہوں نے شریف گھرانے کی نہایت دیندار عورت پسند فرمائی۔ بعض رذیل خاندانوں کی عورتیں عموماً شادی کے بعد تنگ ہی کیا کرتی ہیں۔ بنو مروان کے بعض افراد نے حسین وجمیل عورتیں پسند کیں۔ ان کے نزدیک پہلی ترجیح خوبصورتی کو حاصل تھی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالعزیز بن مروان نے شادی کا ارادہ کیا تو اپنے لیے دین دار اور معزز گھرانے کی خاتون کا انتخاب کیا۔ حق مہر میں اپنی اہلیہ کو وہ مال دیا جو حلال اور طیب تھا اس میں حرام کا شائبہ تک نہ تھا۔ حکمرانوں کے پاس بعض اوقات ایسے اموال بھی آجاتے ہیں جن کے حلال وحرام ہونے میں شک ہوتا ہے۔

عبدالعزیز نے اپنے خاص سیکرٹری کو حکم دیا: میرے حلال مال سے چار سو دینار جمع کرو، کیونکہ میں ایک نیک اور پاکیزہ گھرانے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے مالی امور کے منتظم نے چار سو دینار حلال مال سے جمع کر کے آپ کے حوالے کیے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق کی پوتی ام عاصم سے چار سو دینار مہر پر نکاح کر لیا۔

اس نکاح سے بنو امیہ کے گھرانے کو بڑی خوشی ہوئی۔ فاروقی گھرانے سے رشتہ جوڑنا بلاشبہ بڑے شرف کی بات تھی۔ خاندان والوں نے اس موقع پر عبدالعزیز کو بڑے قیمتی تحائف بھی پیش کیے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ شادی والی شب کو روغن زیتون کے بدلے چراغوں میں ''غالیہ'' خوشبو جلائی گئی۔ غالیہ خوشبو کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ خوشبو مشک اور عنبر کا مرکب ہوتی ہے۔ اسے موم بتی کی طرح چراغوں میں جلایا جاتا ہے۔

جب ام عاصم سے عبدالعزیز کی شادی ہوئی تو ان سے چار بیٹے ابوبکر، عمر، محمد اور عاصم پیدا ہوئے۔ ان چاروں میں صرف جناب عمر ہی ایسے تھے جن میں والدین کی خوبیاں نظر آتی تھیں۔ انہیں بہت ساری صفات ورثے میں ملی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز کی والدہ لیلیٰ ام عاصم فاروقی النسل تھیں اس لیے ان میں تقویٰ اور عدل وانصاف کی خوبیاں نمایاں تھیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ام عاصم کے والد سیدنا عاصم بن عمر بن خطاب نہایت نرم مزاج تھے، مگر سیدنا عمر فاروق اللہ کے دین کے معاملے میں کسی تعلق کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ عبدالعزیز بن مروان نے اپنی اہلیہ ام عاصم کو خط لکھا کہ وہ ان کے پاس مصر آجائیں اور چھوٹے عمر کو بھی ہمراہ لیتی آئیں۔ سیدہ نے اپنے چچا سیدنا عبداللہ بن عمر سے مشورہ کیا۔ عبداللہ بن عمر نے مشورہ دیا کہ تم اکیلی اپنے خاوند کے پاس چلی جاؤ۔ عمر کو اپنے ہمراہ نہ لے جاؤ۔ مدینہ طیبہ کا ماحول بڑا اچھا ہے۔ یہاں پر اسے علمی ماحول میسر آئے گا اور عمدہ انداز میں اس کی تربیت ہو سکے گی۔

آل خطاب کے سبھی لوگ اپنے اس نواسے کے ساتھ بے حد محبت کرتے تھے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی شکل وصورت اپنے نانا جان فاروق اعظم سے بہت مشابہ تھی۔ ام عاصم مصر جاتی ہیں تو اپنے لخت جگر عمر کو مدینہ میں اپنے میکے میں چھوڑ جاتی ہیں۔ جب مصر پہنچیں تو ان کے خاوند عبدالعزیز بن مروان نے پوچھا: عمر کدھر ہے؟ کہنے لگیں: میں اسے تعلیم وتربیت کے لیے مدینہ ہی چھوڑ آئی ہوں۔ یہ سن کر عبدالعزیز بہت خوش ہوئے کہ عمر اپنے ننھیال میں تربیت پائے گا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خود بھی خصوصی توجہ دی۔ اپنے بھائی عبدالملک بن مروان کو دمشق میں خط لکھا جس میں انہیں بتایا کہ آپ کا بھتیجا عمر مدینہ میں پڑھ رہا ہے تو عبدالملک نے ایک ہزار دینار ماہانہ وظیفہ جاری کر دیا۔

اشج بنی امیہ کا لقب

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میری اولاد میں ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا، وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

سیدنا عمر فاروق کے اس خواب کی تعبیر بڑی واضح تھی کہ ان کی اولاد میں سے کوئی حاکم وقت ہو گا، مگر انہوں نے تو اپنی اولاد کو خلافت کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد پر خلافت کا بوجھ پڑے۔

ادھر ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر اپنے والد کے قول کو دہراتے رہتے تھے۔ کہتے: کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ اولادِ عمر میں وہ کون ہے جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ ان کا یہ قول اور سیدنا عمر فاروق کا خواب ان کی اولاد، ماہرین نسب اور بنو امیہ کے لوگوں میں معروف تھا۔ سب لوگ اس نشان والے چہرے کے منتظر تھے جو عدل کرنے والا حاکم ہوگا۔ سبھی کو سیدنا فاروق اعظم کے خواب کی صداقت کا یقین تھا۔

عمر بن عبدالعزیز ابھی چھوٹی عمر کے تھے کہ اپنے والد سے ملنے کے لیے مصر جاتے ہیں۔ وہاں ایک روز اپنے سوتیلے بڑے بھائی اصبغ کے ساتھ سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ چلتے چلتے دونوں بھائی گھوڑوں کے اصطبل تک پہنچ جاتے ہیں۔ عمر بے خبر ہو کر گھوڑوں کے پیچھے سے گزر رہے تھے کہ ایک خچر نے ان کو لات ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی۔ لات کی ضرب سے ان کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ ان کے بھائی اصبغ نے اپنے بھائی کو زخمی دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا: اللہ اکبر! یہ تو بنو مروان کا ''اشج'' ہے جو حکمران بنے گا۔

عمر بن عبدالعزیز کے زخمی ہونے کی خبر جب محل میں پہنچی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ نوکر' چاکر' اطباء سب کی دوڑیں لگ گئیں۔ ان کی والدہ سیدہ ام عاصم دیوانہ وار اپنے بیٹے کی طرف بھاگیں۔ اپنے نورِ نظر کو سینے سے چمٹا لیا اور اپنے ہاتھوں سے خون کو صاف کرنا شروع کیا، جب

انہیں معلوم ہوا کہ میرے بچے کی چوٹ پر اصبغ نے خوشی کا اظہار کیا تھا تو فطری بات ہے انہیں کوفت ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کے شوہر عبدالعزیز بھی پہنچ گئے تو انہوں نے شوہر سے اصبغ کی شکایت کی۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی، عمر کی مرہم پٹی ہو رہی تھی کہ ''اصبغ'' بھی آ پہنچے۔ عبدالعزیز نے اپنے بیٹے سے پوچھا: تمہارے بھائی کو چوٹ لگتی ہے، وہ زخمی ہوکر گر جاتا ہے اور تم اس کی تکلیف پر خوش ہوکر ہنستے ہو؟!

اصبغ کہنے لگے: جناب امیر! ایسی بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں اپنے بھائی میں چہرے کے زخم کے سوا بنو امیہ کے اشج کی تمام علامتیں دیکھتا تھا۔ جب یہ زخمی ہوکر گرے تو مجھے اس زخم سے مسرت ہوئی، کیونکہ اب ان میں وہ تمام علامتیں مکمل ہوگئیں جو آئندہ کے حکمران میں ہونا لازم تھیں، اسی مسرت نے مجھے ہنسنے پر مجبور کیا۔ اللہ کی قسم! یہ بنو امیہ کے اشج ہیں۔

قارئین کرام! عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں بنو امیہ کے اشج ہونے کی یہ خبر فوراً امراء کے حلقے میں پھیل جاتی ہے۔ بعض لوگ اس وقت سے عمر کو اشج بنی مروان کہنے لگے۔ بنو امیہ کے بعض امراء آپ سے حسد بھی کرنے لگے، مگر امیر المومنین عبدالملک بن مروان ان کو بچپن ہی سے دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کے سر پر دست شفقت پھیرتے۔ جب کبھی وہ عبدالملک کے پاس جاتے تو سوائے ولید کے سب سے اونچی کرسی انہی کو پیش کی جاتی۔

ایک دن عبدالملک کے کسی بیٹے نے اپنے باپ سے شکوہ کیا کہ آپ ہمارے والد ہیں، مگر عمر کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں اونچی کرسی اور ہمیں نیچی کرسی ملتی ہے۔

عبدالملک نے اپنے بیٹے سے کہا: جان پدر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں ایسا کیوں کرتا ہوں؟ کہنے لگا: نہیں مجھے تو معلوم نہیں۔

فرمایا: ایک وقت آنے والا ہے جب عمر کو خلافت ملے گی۔ کیونکہ یہ بنو مروان کے اشج ہیں۔ جب زمین ظلم وتشدد سے بھر جائے گی تب یہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔ میں ایسی شخصیت کو اپنا محبوب کیوں نہ جانوں اور انہیں اپنا مقرب کیوں نہ بناؤں۔

آل عمر فاروق سے محبت

سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو بچپن ہی سے اولاد عمر سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ننھیالی رشتہ کی وجہ سے وہ سیدنا عبداللہ بن عمر کو اپنا آئیڈیل سمجھتے تھے۔ وہ بھی ان سے شدید محبت کرتے تھے۔ جب وہ ان سے ملاقات کر کے آتے تو ان کا دل انہی کی طرف اٹکا رہتا۔ ایک دن اپنی والدہ سے کہنے لگے: امی جان! مجھے اپنے نانا جان عبداللہ کی طرح بن جانا بڑا محبوب ہے۔ والدہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا: میرے بیٹے! کاش تم ان کی طرح نیک اور پرہیزگار بن جاؤ، مگر ان کی طرح بننا نہایت مشکل کام ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اولاد عمر فاروق میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور خیر و صلاح کے پیکر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی تھے؛ انہیں دنیا سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

> والدہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا: میرے بیٹے! کاش تم ان کی طرح نیک اور پرہیزگار بن جاؤ، مگر ان کی طرح بننا نہایت مشکل کام ہے۔

سید التابعین سعید بن المسیب کا قول بڑا مشہور ہے۔ "اگر میں کسی کے جنتی ہونے کی خبر دے سکتا تو عبداللہ بن عمر کے جنتی ہونے کی خبر دیتا۔"

سیدنا عمر بن عبدالعزیز اپنی تیزی طبع کے باوجود اپنے بھائیوں، رشتہ داروں اور عزیزوں کے مقابلے میں غلاموں اور نوکروں کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کرتے تھے۔ ان کے بچوں اور بنوامیہ کے بچوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ کرتے۔ ان کے ہمجولی بچوں سے بھی آپ برابری کا معاملہ کرتے۔

عمر بن عبدالعزیز چوٹ لگنے کے بعد مدینہ طیبہ آ جاتے ہیں۔ یہاں انہوں نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا اور صحابہ کرام سے علوم حدیث میں مہارت حاصل کرنے لگے۔

حصول علم کا شوق

مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ بچپن ہی سے علم کے حریص اور ادب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ ان کے والد نے انہیں اپنے ہمراہ مصر لے جانا چاہا تو انہوں نے نہایت ادب سے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ جو کچھ سوچ رہے ہیں وہ ٹھیک ہی ہوگا، لیکن جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ میرے اور

آپ کے لیے زیادہ مفید رہے گا۔ آپ مجھے مدینہ طیبہ ہی میں رہنے دیجیے۔ میں یہاں فقہائے اعلام' علمائے کرام اور محدثین عظام کی صحبت میں علوم کے حصول کے ساتھ آداب زندگی سے متعلق بھی بہت سی باتیں سیکھ جاؤں گا۔

باپ نے بیٹے کی اس عمدہ تجویز سے اتفاق کیا اور انہیں مدینہ طیبہ ہی میں رہنے دیا جہاں وہ بزرگوں' علماء اور محدثین کی صحبت میں رہے۔ اس زمانہ طالب علمی کے دوران آپ ہم عمر نوجوانوں کی صحبت سے زیادہ تر گریزاں ہی رہے۔

قرآن کریم سے تعلق

عمر بن عبدالعزیز بالکل چھوٹی عمر میں تو مصر میں اپنے والد کے پاس ہی رہے۔ جب ذرا سے بڑے ہوئے تو مدینہ منورہ آ گئے۔ اس زمانے میں مسجد نبوی کا علمی ماحول بڑا خوبصورت تھا۔ انہوں نے بلوغت سے پہلے ہی قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ حفظ قرآن کے بعد انہوں نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت پاکدامن، فرمانبردار، بے داغ اور سلیم الفطرت تھے۔ جن لوگوں نے بڑے ہو کر بڑی شخصیت بننا ہوتا ہے وہ بچپن ہی سے سلیم الفطرت ہوتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز بھی انہی شخصیات میں سے تھے۔ مشہور مثال ہے: ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔''

عمر بن عبدالعزیز بڑی خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ وہاں امام سعید بن المسیب کے قریب نفل نماز میں بلند آواز سے تلاوت کرنا شروع کی۔ سعید بن المسیب امام التابعین تھے۔ وہ ذکر واذکار میں مصروف تھے۔ مسجد نبوی میں

ان کی جگہ مقرر تھی۔ مدتوں سے ایک ہی جگہ بیٹھتے چلے آ رہے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کی بلند آواز سے انہیں اذکار میں خلل محسوس ہوا۔ انہوں نے اپنے غلام کو آواز دی، کہا: اس قاری سے کہو کہ وہ ہم سے دور مسجد کے کسی دوسرے کونے میں چلا جائے۔ یہ اپنی نماز سے ہمارے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز برابر اپنی نماز میں مشغول تھے، وہ بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے۔

سعید بن المسیب نے ایک بار پھر اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام آیا تو اس سے کہا: اللہ تجھ پر رحم کرے! میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اس قاری کو یہاں سے ہٹا دو؟

غلام عمر بن عبدالعزیز سے بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اس نے بلند آواز سے شیخ سعید کو مخاطب کیا اور کہا: شیخ! یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، ہماری ملکیت تو نہیں ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے غلام کی بات سنی تو معاملہ سمجھ گئے۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں اور مسجد کے ایک گوشے میں چلے جاتے ہیں، وہاں جا کر اپنے نوافل مکمل کرتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز خوبصورت قاری تھے۔ بہت عمدہ اور درست تلفظ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے۔ اس کے باوجود وہ پسند کرتے تھے کہ ان کے سامنے کوئی شخص عمدہ آواز میں تلاوت کرنے والا ہو اور وہ اس کی تلاوت سنیں۔

مسلم بن جندب مسجد نبوی کے واعظ اور قاری تھے۔ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کی تلاوت سنی تو بہت اچھی معلوم ہوئی۔ فرمایا: اگر کوئی قرآن کو تر و تازہ انداز میں سننا چاہتا ہے تو مسلم بن جندب کی قراءت سنے۔

عوام میں عموماً یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جو لوگ متقی اور عبادت گزار ہوتے ہیں وہ خوش طبعی نہیں کرتے، نہ ہی کسی سے مذاق وغیرہ کرتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز میں یہ خوبی تھی کہ وہ نہ تو قہقہے لگاتے رہتے تھے اور نہ ہی ہر وقت چہرے پر ناراضگی سجا کر بیٹھے رہتے تھے۔ سنت کے مطابق وہ اعتدال کے اندر رہ کر ہنسی مذاق بھی کر لیتے تھے؛ تاہم اپنے شخصی وقار کو قائم رکھتے تھے۔

عبدالعزیز بن مروان کا سفر آخرت

یہ 87 ہجری کا سال تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کا خاص مال ان کے پاس لایا گیا۔

(وَإِذَا هُوَ ثَلَاثُمِائَةِ مُدْيٍ مِنْ ذَهَبٍ)

''انہوں نے دیکھا تو وہ سونے کے تین سو ٹکڑے تھے۔''

(فَقَالَ وَاللّٰهِ! لَوَدِدْتُ أَنَّهُ بَعْرٌ حَائِلٌ بِنَجْدٍ)

'' کہنے لگے: اللہ کی قسم! کاش! یہ نجد میں پڑی اونٹوں کی گلی سڑی مینگنیاں ہوتیں۔''

(وَ قَالَ: وَاللّٰهِ! لَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا)

'' اللہ کی قسم! میری خواہش تھی کاش! میں کوئی قابل ذکر چیز نہ ہوتا۔''

(وَلَوَدِدْتُ أَنْ أَكُونَ هٰذَا الْمَاءَ الْجَارِيَ أَوْ نَبَاتَةً بِأَرْضِ الْحِجَازِ)

''میں نے اس بات کی بھی تمنا کی کہ کاش! میں بہتا ہوا پانی ہوتا یا سرزمین حجاز میں اگنے والا کوئی پودا ہوتا۔''

(وَقَالَ: ائْتُونِي بِكَفَنِي الَّذِي تُكَفِّنُونِي فِيهِ)

''پھر کہا: میرا کفن لے کر آؤ جس میں تم مجھے دفناؤ گے۔'' پھر کہنے لگے:

(أُفٍّ لَكَ مَا أَقْصَرَ طَوِيلَكَ وَأَقَلَّ كَثِيرَكَ)

"افسوس ہے تم پر (اے عبد العزیز) تمہارا (دنیا کا) طویل سفر کتنا چھوٹا نکلا اور تمہارا کثیر (مال) کتنا قلیل ثابت ہوا۔"

جب ان کا انتقال ہو گیا تو عمر بن عبد العزیز کے چچا امیر المؤمنین عبد الملک بن مروان نے انہیں اپنی اولاد کی طرح زیر تربیت رکھا۔ بہت سارے معاملات میں ان سے مشورہ کرتے اور ان کی بات کو اہمیت دیتے۔ دو قابل رشک چیزیں انہیں بچپن ہی میں عطا ہو گئی تھیں۔ ایک ان کی دولت، دوسری ان کے چلنے کا انوکھا انداز۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مال و دولت، گھوڑے، اونٹ وغیرہ کی شکل میں اتنا کچھ باپ کے ترکہ میں سے حاصل کیا جو کم ہی لوگوں کو ملتا ہے۔

عمر بن عبد العزیز کی املاک کا تذکرہ

سیرت نگاروں کے مطابق جب بنو امیہ کا دور حکومت آیا تو ان کے خلفاء نے بہت سارے لوگوں کو اراضی اور جاگیریں عطا کیں۔ جاگیریں لینے والوں میں عمر بن عبد العزیز بھی شامل تھے۔ انہیں کچھ جائیداد تو اپنے والد سے ورثہ میں ملتی ہے۔ جب ان کی شادی امیر المؤمنین کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ بنت عبد الملک سے ہوتی ہے اور وہ خلیفہ کے داماد بن جاتے ہیں تو بنو امیہ کے امراء نے انہیں بہت سی جائیدادوں کا تحفہ پیش کیا۔ یہ عطیات بے شمار تھے۔ لوگوں نے اپنی خوشی سے سیدنا عمر بن عبد العزیز کو جو کچھ دیا' وہ انہوں نے خوش دلی سے قبول کیا۔

حجاز میں آپ کے قبضہ میں سویداء، خیبر اور فدک تھا۔ یمن میں بھی وسیع اراضی تھی۔ شام میں بعلبک کا علاقہ اور صیدا میں بھی زمینیں تھیں۔ علاوہ ازیں ان کی جائیداد مصر اور بحرین کے علاقے میں بھی تھی۔ ان تمام علاقوں سے آپ کو سالانہ چالیس ہزار دینار سے زیادہ کی آمدنی ہوتی تھی۔

شادی
خانہ آبادی

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کے بڑے قریب تھے۔ ان کی بیٹی سیدہ فاطمہ اپنے وقت کی نہایت خوبصورت' نہایت عقلمند' عالمہ' فاضلہ اور شاعرہ خاتون تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز کی خواہش تھی کہ ان کی شادی ان کے چچا کی بیٹی کے ساتھ ہو جائے۔ ادھر عبدالملک ان سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ انہیں داماد بنائیں۔

قارئین کرام! آیئے وہ مکالمہ پڑھتے ہیں جو خلیفہ عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز کے درمیان ہوتا ہے۔ اس سوال وجواب کا سبب غالباً یہ تھا کہ مؤرخین کے مطابق امیر المؤمنین کے بعض بیٹے نہیں چاہتے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز ان کے بہنوئی بنیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایک دن عبدالملک نے اپنے بیٹوں کے سامنے ہی عمر بن عبدالعزیز سے اس خواہش کا اظہار کیا' کہنے لگے: عمر میری بات غور سے سنو:

امیر المؤمنین اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتے ہیں۔

عمر اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ سے اپنا صلہ قائم رکھے۔

بلاشبہ آپ نے مجھے اتنا کچھ دے رکھا ہے کہ آپ نے مزید کچھ سوال کرنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

قارئین ذرا الفاظ پر غور کیجیے۔

’وَصَلَکَ اللّٰہُ یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ‘ فَقَدْ أَجْزَیْتَ الْعَطِیَّةَ وَ کَفَیْتَ الْمَسْئَلَةَ‘

’’امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا قرب نصیب فرمائے، آپ نے مجھے بہت زیادہ عطا کیا اور سوال کرنے سے بے نیاز کر دیا۔‘‘

عبدالملک نے یہ جواب سنا تو مسرت سے کھل اٹھا، اس خوبصورت جواب پر اس نے عمر کی بڑی تعریفیں کیں۔ ادھر عبدالملک کے بیٹوں کا تبصرہ تھا کہ یہ جملہ عمر کا رٹا رٹایا ہے جو ہر وقت ان کی نوک زبان پر رہتا ہے‘ لہٰذا انہوں نے وہی جملہ دہرا دیا ہے۔

> اللہ کے بندے خرچ کرتے وقت اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہیں؟

عبدالملک اس وقت مصلحت کے تحت خاموش رہتے ہیں۔ وہ مناسب وقت کے انتظار میں ہیں کہ اپنے بچوں کے سامنے عمر کی ذکاوت اور ذہانت ثابت کر سکیں؛ تا کہ ان کا حسد اور حقد ختم ہو جائے۔

کچھ ہی عرصے بعد یہ موقع میسر آ گیا۔ ایک دن عمر بن عبدالعزیز عبدالملک کے ساتھ تھے۔ عبدالملک کے بیٹے بھی موجود تھے یا انہیں بطور خاص خلیفہ نے بلوا رکھا تھا۔

عبدالملک سوال کرتے ہیں: عمر آپ کے اخراجات کی صورت حال کیا ہے؟ مراد یہ تھی کہ آپ کی معیشت کیسی ہے؟ یہ سوال دراصل ایک بیٹی کے باپ کا تھا جو شادی سے پہلے یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرے داماد کی آمدنی کیسی ہے‘ اس کے گھر کے اخراجات کیسے ہیں اور وہ گھر میں کیسے گزارا کرتا ہے؟

اب ذرا ان کے جواب پر غور کیجیے‘ عمر کتنا عمدہ اور شافی جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگے:

(هِيَ حَسَنَةٌ بَيْنَ السَّيِّئَتَيْنِ) ’’امیر المؤمنین! یہ دو برائیوں کے درمیان نیکی ہے‘‘۔

عبدالملک پوچھتا ہے: یہ برائیاں اور نیکی کونسی ہیں؟

عمر اس کے جواب میں سورۃ الفرقان کی آیت پڑھ دیتے ہیں:

وَالَّذِینَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ یُسْرِفُوا وَلَمْ یَقْتُرُوا وَکَانَ بَیْنَ ذَٰلِکَ قَوَامًا

''اللہ کے بندے خرچ کرتے وقت اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہیں؟''

عبدالملک اس جواب سے نہایت خوش ہوتے ہیں اور بے اختیار کہتے ہیں: (عَمَّنْ عَلِمَهُ هَذَا؟) یہ جواب آپ کو کس نے سکھایا ہے؟ مگر عمر کو یہ جواب کسی نے سکھلایا نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی علمی لیاقت کا نتیجہ تھا۔ امیر المؤمنین نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ بیٹی کے رشتہ کے لیے ان سے بہتر کوئی نوجوان نہیں۔

ازدواجی زندگی

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کے داماد بن گئے۔ ان کی اہلیہ اپنے زمانے کی نامور اور خوبصورت ترین خواتین میں سے تھیں۔ ذرا غور کریں وہ ایک ایسی خاتون کے شوہر بنتے ہیں جس کا دادا خلیفہ تھا۔ باپ بھی خلیفہ تھا۔ پھر جس کے چار بھائی ولید' سلیمان' یزیدؔ اور ہشام خلفاء بنے۔ ان کے بعد ان میں سے بعض کے بیٹے بھی خلفاء بنے۔ ان کا اپنا خاوند عمر بن عبدالعزیز بھی آگے چل کر خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین بنا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سعادت آج تک کسی خاتون کے حصے میں نہیں آئی کہ اس کے گھرانے کے سات محرم افراد مسند خلافت پر براجمان ہوئے ہوں۔

یہ جوڑا بڑا مبارک تھا۔ عمر بن عبدالعزیز ناز ونعم میں پرورش پانے کے باوجود ہمیشہ کبائر سے مجتنب رہے۔ عبادات میں اس پاکیزہ صفت نوجوان کا ایک خاص امتیازی مقام رہا۔

خناصرہ کی امارت

ملک شام کا ایک مشہور شہر حلب بھی ہے۔ اس کے قرب و جوار میں ''خناصرہ'' نامی ایک شہر تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کی بہت ساری خوبیاں دیکھیں تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ اگر عمر کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو وہ اسے بطریق احسن پورا کر سکتے ہیں؛ چنانچہ انہوں نے عمر کو خناصرہ کا گورنر بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ سرکاری آرڈر جاری ہوتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کو جب خناصرہ کا گورنر بنایا گیا تو عمر صرف بیس سال تھی۔ خلیفہ چاہتا تھا کہ ان کی تربیت ہو اور وہ امارت کے رنگ ڈھنگ سیکھ لیں۔ اپنے تجربات اور معلومات میں اضافہ کر لیں۔ انہیں معلوم ہو جائے کہ لوگوں پر حکمرانی کیسے کی جاتی ہے۔ لوگوں کے معاملات، مشکلات اور پریشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ مظلوموں کے ساتھ کھڑے ہوں، ان کی مدد کریں اور مجرموں کی سرکوبی کریں۔ عمر بن عبدالعزیز خناصرہ منتقل ہو گئے۔ آپ وہاں عبدالملک بن مروان کی وفات تک گورنر رہے۔ بعد میں انہیں مدینہ طیبہ کا گورنر بنانے کا فرمان جاری ہوا۔ مدینۃ الرسول ﷺ کا گورنر بننا بہت بڑی سعادت کی بات تھی؛ چنانچہ وہ شام کے علاقے خناصرہ کو چھوڑتے ہیں اور حجاز میں آ کر مدینۃ الرسول کے باسی بن جاتے ہیں۔

خناصرہ، حلب کے قلعے کے آثار
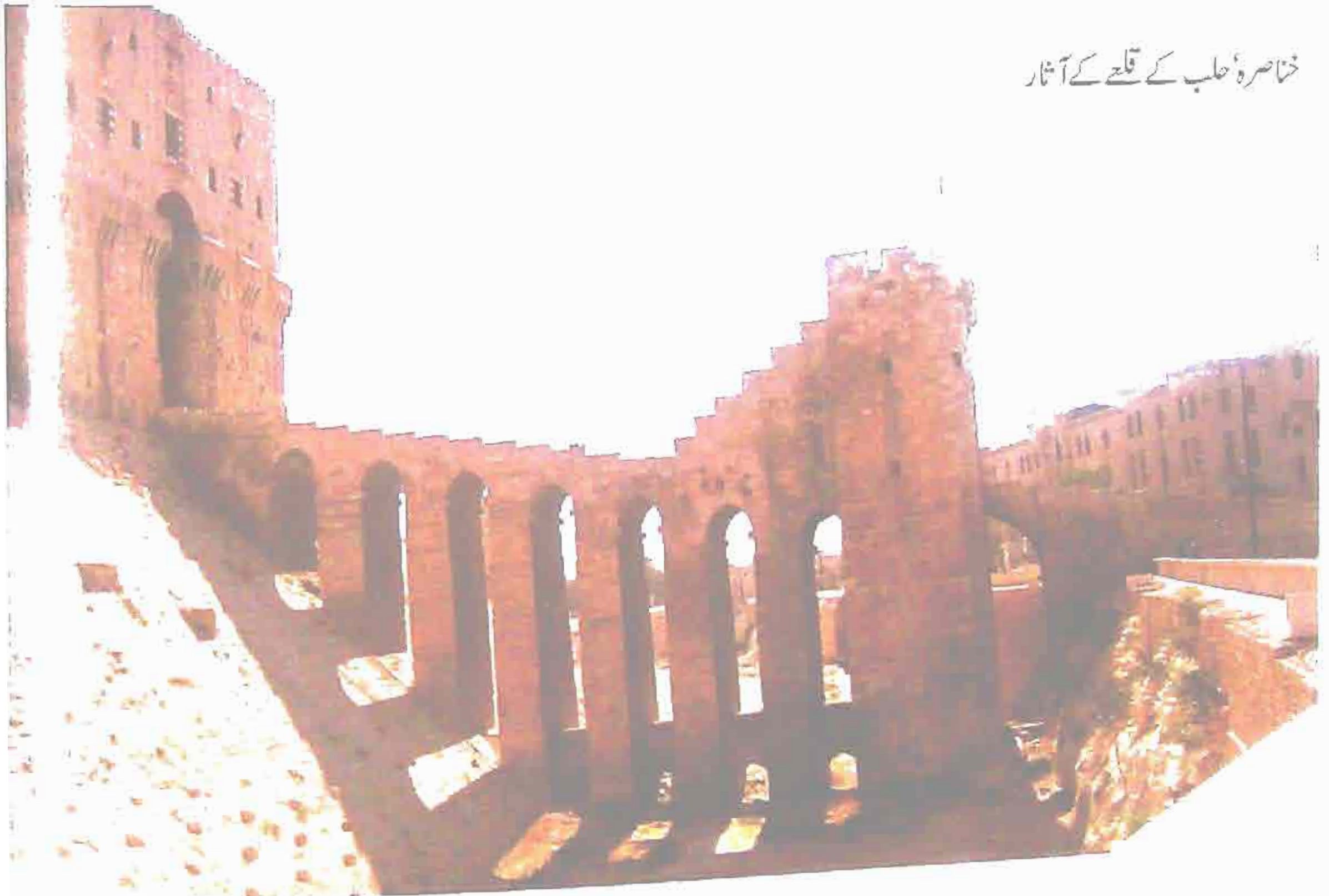
مدینہ منورہ کی گورنری

عبدالملک نے وفات پائی تو خلافت ان کا بیٹا ولید سنبھالتا ہے۔ ولید شروع سے دیکھتا چلا آ رہا تھا کہ کس طرح اس کے والد عمر بن عبدالعزیز کی عزت کرتے ہیں۔ مدینہ کا گورنر ہشام بن اسماعیل مخزومی کا اہل مدینہ سے رویہ اچھا نہ تھا۔ ولید بن عبدالملک نے سب سے پہلے جو کام کیے، ان میں مدینہ کے گورنر کو سبکدوش کرنا شامل تھا۔ ولید بن عبدالملک نے مدینہ کے نئے گورنر کے طور پر عمر بن عبدالعزیز کا انتخاب کیا۔ سابقہ گورنر ہشام بن اسماعیل اہل بیت کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ اس کی یہ حرکات ولید کو قطعاً پسند نہ تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنا بچپن مدینہ میں گزارا تھا۔ یہ اسی شہر کے باسی تھے۔ اس کی گلیاں اور ماحول ان کے لیے نیا نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کو 87 ہجری کے ربیع الاول میں مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کرنے کا فرمان جاری کیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ کے سامنے تین شرائط پیش کیں کہ اگر ان شرائط کو قبول کر لیا جائے تو میں گورنر بننے کے لیے تیار ہوں ورنہ نہیں۔

پہلی شرط: میں لوگوں پر عدل و انصاف سے حکمرانی کرنا چاہتا ہوں اور کسی بھی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ بیت المال کی آمدنی میں اضافے کے لیے کسی شخص پر ناروا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ یہ تب ممکن ہے کہ خلیفہ مدینہ کے بیت المال سے زیادہ رقم ملنے کی توقع نہ رکھیں۔

دوسری شرط: میں ابھی تک حج بیت اللہ کے فریضے کی ادائیگی نہیں کر سکا۔ میں اپنی گورنری کے پہلے ہی سال میں حج بیت اللہ شریف کرنا چاہوں گا۔

تیسری شرط: مجھے اجازت ہونی چاہیے کہ میں اچھے کاموں پر لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں بیت المال سے کچھ عطیات دے سکوں۔

خلیفہ کو عمر بن عبدالعزیز کی شرائط سے آگاہی ہوئی تو اس نے انہیں ملاقات کے لیے بلا بھیجا۔ ملاقات ہوئی تو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے تحفظات سے آگاہ کیا۔ خلیفہ نے کہا: آپ پوری آزادی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیجیے۔ خلیفہ نے ہدایات دیں کہ آپ اہل مدینہ کے ساتھ حق و انصاف سے

کام لیں؛ خواہ آپ ہمیں بیت المال کے لیے ایک درہم بھی ارسال نہ کریں۔

عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے نئے حاکم بن کر آتے ہیں۔ وہ ایک بڑے جلوس کی شکل میں مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جلوس کے ساتھ تیس اونٹ تھے۔ مدینہ میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ آپ نے اپنے قیام کے لیے اپنے دادا مروان کے گھر کا انتخاب کیا۔ مروان نے اپنے دور خلافت میں بہت بڑا گھر بنوایا تھا، یہ گھر کھلا اور وسیع تھا۔ اہل مدینہ خوشیاں مناتے ہوئے ان کے پاس آتے ہیں۔ عہدہ امارت آپ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ آپ کے حق میں نیک خواہشات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

انقلاب کا نقطہ آغاز

شروع شروع میں آپ کی طبیعت میں بہت تیزی اور غصہ تھا۔ لوگ جب کبھی باتیں کرتے، عمر بن عبدالعزیز کا تذکرہ ان کے نام سے نہیں بلکہ امیر کہہ کر کیا کرتے تھے۔ جب بھی کوئی شخص آپ کے بارے میں اطلاع دیتا تو آپ کو امیر ہی کے لقب سے یاد کرتا۔ حتیٰ کہ ان کا اصل نام دب کر رہ گیا اور آپ پر امیر کا لقب غالب آ گیا۔

مزاحم بن ابی مزاحم عمر بن عبدالعزیز کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ بہت نیک سیرت، نہایت سمجھدار اور متقی شخص تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کے نہایت معتمد اور خیر خواہ تھے۔ یوں کہہ لیجیے کہ یہ ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

مزاحم کا دل یہ سوچ سوچ کر پریشان رہنے لگا کہ اس غلو کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ وہ مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا تا کہ اس غلو کا خاتمہ کیا جا سکے۔

قارئین کرام! جلد ہی یہ مناسب وقت آ جاتا ہے۔ عمر نے ایک شخص کو قید کر دیا تھا۔ اسے واجبی سزا سے زیادہ دنوں تک بند رکھا گیا۔ مزاحم نے عمر سے اس کی رہائی کے متعلق بات چیت کی تو کہنے لگے: میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ گزری ہوئی مدت سے زیادہ اس کو قید میں نہ رکھوں۔ مزاحم نے یہ موقع غنیمت جانا اور دیکھا کہ معاملہ حد سے تجاوز کرتا جا رہا ہے۔ عمر اس وقت

شدید غصہ کی حالت میں تھے۔ کہنے لگا: عمر! میں آپ کو اس رات سے ڈراتا ہوں جس کی صبح کو قیامت آئے گی۔

مزاحم نے کہا: عمر ایسا لگتا ہے کہ میں تو آپ کا نام ہی شاید بھول گیا ہوں، کیونکہ لوگ آپ کو کثرت سے امیر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: اس سلسلے میں مجھے سب سے پہلے مزاحم نے ہی خبردار کیا۔ انہوں نے یہ بات کہی تو ایسا معلوم ہوا کہ انہوں نے میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا ہے۔

عمر ایسا لگتا ہے کہ میں تو آپ کا نام ہی شاید بھول گیا ہوں، کیونکہ لوگ آپ کو کثرت سے امیر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان کے مزاج میں بہت نرمی اور خوف الٰہی شامل ہو گیا۔ انہوں نے اس طرح حکومت کی کہ بلاشبہ ان کی امارت کا دور نہایت بہترین اور پرسکون دور ثابت ہوا۔ 706 عیسوی سے 713 عیسوی تک کم و بیش چھ سالہ دور امارت مدینہ منورہ میں انہوں نے عدل وانصاف کے ساتھ گورنری کر کے اور اہل مدینہ سے مہمانوں جیسا برتاؤ کر کے رعایا کے دل جیت لیے۔ آپ سے پہلے مدینہ کے گورنروں کا جو طرز حکومت تھا اور رعایا کے ساتھ جس طرح کا سلوک تھا آپ نے اس کی تاریخ ہی بدل ڈالی۔

مجلس شوریٰ کا قیام

عمر بن عبدالعزیز مدینہ طیبہ کے گورنر بنے تو اہل مدینہ کے لیے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ وہ کچھ عرصہ شام کے علاقہ خناصرہ میں ان کی امارت کا تجربہ کر چکے تھے۔ وہاں ان کا دائرہ کار بڑا مختصر اور محدود تھا۔ جہاں تک مدینہ طیبہ کا تعلق ہے، یہ مدینۃ الرسول ﷺ تھا۔ یہاں پر بڑے بڑے علماء، محدثین، عباد اور صلحاء موجود تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو صحابہ کرام کی اولاد تھے۔ انہوں نے آتے ہی علمائے مدینہ سے رابطہ کیا، ان کو عزت و احترام دیا۔ مدینہ میں اس وقت دس بڑے علماء مشہور تھے۔ یہ سب علماء محدث اور فقیہ تھے۔ صحابہ کرام کے بعد انہی سے لوگ علم دین حاصل کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ علمائے ربانی تھے۔ تاریخ نے ان کے نام محفوظ کیے ہیں۔ یہ لوگ تابعین تھے۔ حق پر چلتے تھے۔

مدینہ منورہ کی ایک پرانی تصویر
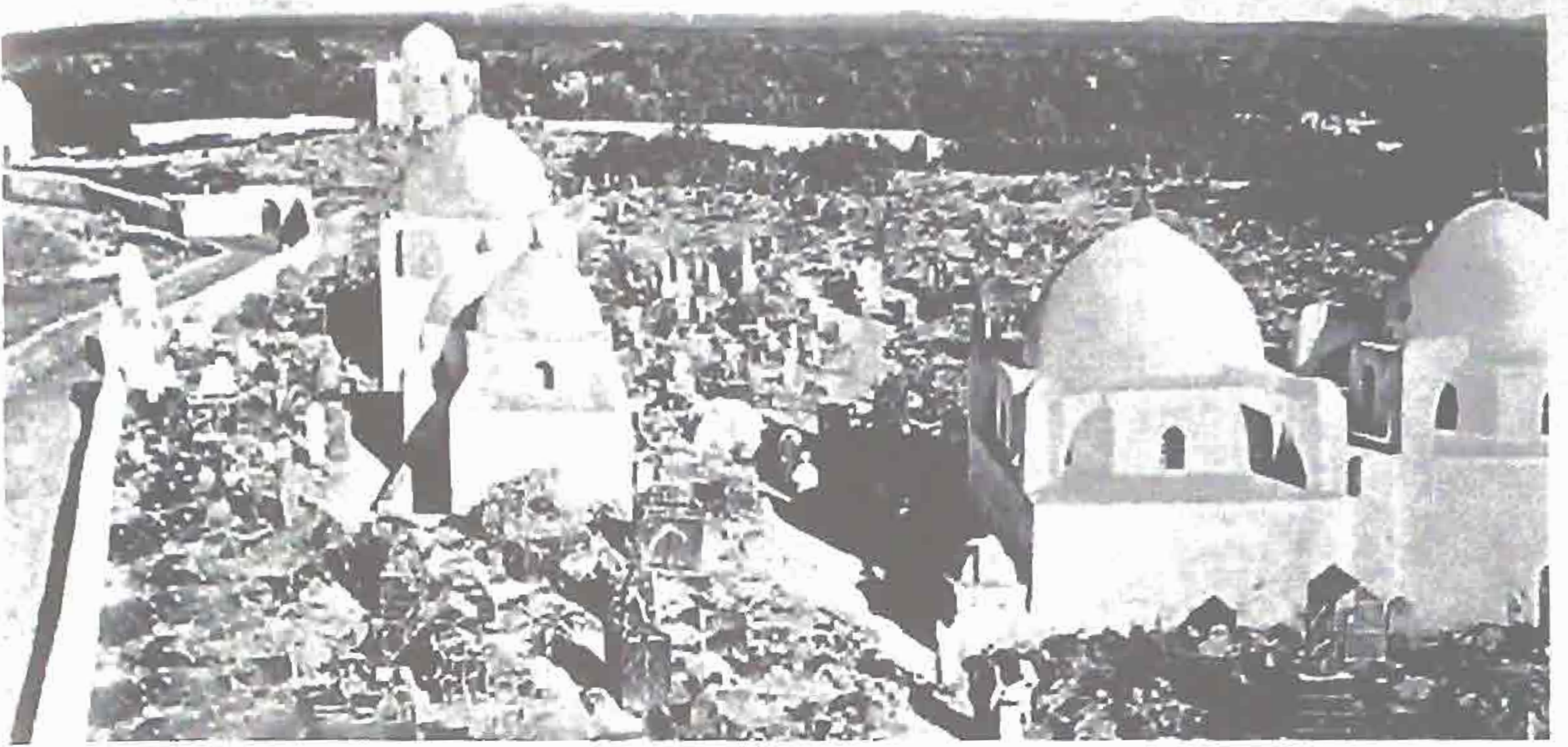
لوگوں کی درست رہنمائی کرتے تھے۔

قارئین کرام! میں اتنا ہی کہوں گا یہ سبھی علم وعمل کے روشن ستارے تھے۔ انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کے اقوال وافعال صحابہ کرام سے سیکھے تھے۔ یہ حق وانصاف پر مبنی سنت کے مطابق لوگوں کو مسئلے بیان کرتے۔ اتنا زیادہ علم ہونے کے باوجود امام التابعین سعید بن المسیب سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو وہ مسئلہ بیان کر کے فرماتے: اسے سلیمان بن یسار سے بھی پوچھ لو۔

ان مذکورہ شخصیات میں ایک عالم عبیداللہ بن عتبہ کے بارے میں امام زہری فرماتے ہیں: میں نے علم حاصل کیا، سوچا کہ جو کچھ پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے۔ مگر پھر میں نے قریش کے عالم ربانی اور مشہور عابد ابن عتبہ سے ملاقات کی اور ان سے حدیث پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب ان سے حدیث پڑھی تو میں نے کہا: ان سے ملاقات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میرے پاس تو علم بہت ہی محدود ہے۔

ان علمائے ربانی کو عمر بن عبدالعزیز اپنے مشیران کرام مقرر کرتے ہیں۔ ان کے مشوروں کی روشنی ہی میں انتظامی امور چلاتے ہیں۔

قارئین کرام! ذرا تھوڑی دیر کے لیے مدینہ منورہ کے اس خوبصورت ماحول میں چلتے ہیں۔ وہ مدینہ جو اللہ کے رسول کا شہر ہے۔ اس شہر سے اللہ کے رسول محبت کرتے تھے۔ آپ نے ہجرت کے بعد وہیں

قیام فرمایا۔ اسی شہر میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی قبر مبارک ہے۔ بلاشبہ یہ شہر اللہ کی رسول ﷺ کی دعاؤں سے بڑا برکت والا ہے۔ اب مدینۃ الرسول کے گورنر عمر بن عبدالعزیز ہیں جو علماء کے قدردان ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسجد نبوی علماء اور طلبہ سے بھری رہتی تھی۔ علم کے مختلف حلقہ جات قائم تھے۔ علم کے پیاسے ان علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے علوم حدیث حاصل کرتے۔ فتویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اب یہی علماء ان کے مشیر ہیں۔ آیئے ایک نظر ان قابل قدر مشیروں پر ڈالتے ہیں۔

1- سعید بن المسیب کو سید التابعین کہا جاتا ہے۔ مسجد نبوی کی پہلی صف میں ان کی ایک مخصوص جگہ تھی۔ یہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی چالیس سال سے کبھی جماعت ضائع نہیں ہوئی۔ زندگی میں تیس سال ایسے گزرے کہ اذان ہونے سے پہلے وہ مسجد میں تشریف رکھے ہوتے۔ پندرہ ہجری میں سیدنا عمر فاروق کی خلافت کے دور میں مدینہ شریف میں پیدا ہوئے اور 94 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہی وفات پاتے ہیں۔ یہ قریشی تھے، بنو مخزوم سے تعلق تھا۔ ان کے والد مسیب مخزومی ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی۔ ان کے دادا حزن معرکہ یمامہ میں ختم نبوت کا تحفظ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ معرکہ یمامہ کے بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ یہ معرکہ سیدنا ابوبکر صدیق کے دور میں ختم نبوت کے ایک ڈاکو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑا گیا تھا۔ کم و بیش چودہ سو صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان شہداء کی قبریں آج سعودی دارالحکومت ریاض کے شمال مغرب میں موجود ہیں۔
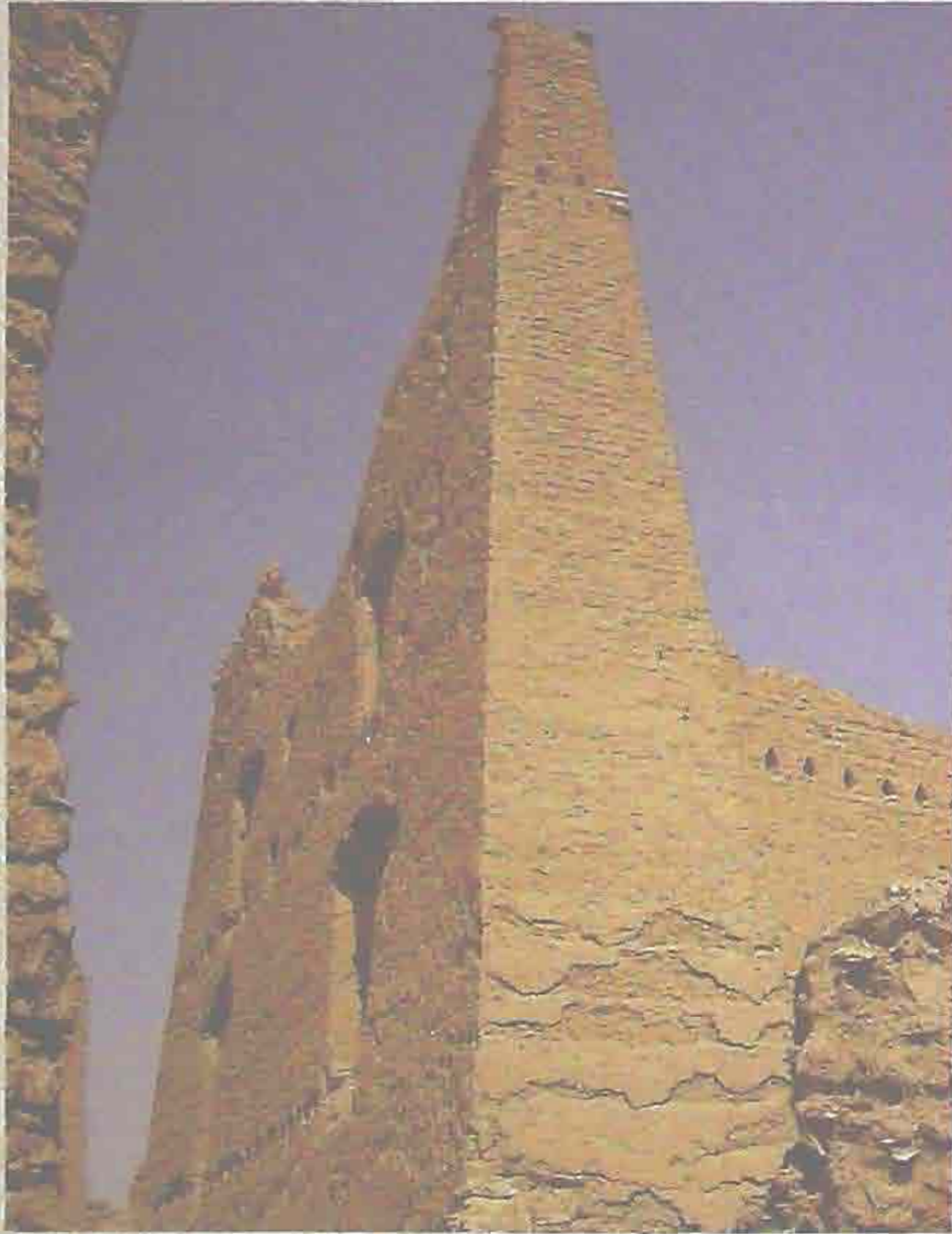
ریاض کے علاقے درعیہ کے کچھ آثار اسی علاقے میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ معرکہ یمامہ پیش آیا تھا۔

امام سعید بن المسیب نے صحابہ کرام سے براہ راست حدیث کا علم حاصل کیا۔ سیدنا ابو ہریرہ کے شاگرد خاص تھے۔ ان کی بیٹی سے شادی بھی ہوئی۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمٰی سے علم حاصل کیا۔ صحابہ کرام ان کی بے حد عزت کرتے اور ان کے علم کے قدر دان تھے۔ سعید کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ صحابہ کرام کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لمبی عمر پائی۔ خلفائے راشدین کے بعد کے حکمرانوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ غیور اس قدر تھے کہ ان کی بیٹی کا رشتہ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کے لیے طلب کیا، مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا اور بیٹی کا رشتہ اپنے ایک شاگرد ابن ابی وداعہ سے کر دیا۔ ابن ابی وداعہ مالی طور پر مفلس تھے؛ ہاں دین کے طالب علم تھے۔ سعید بن المسیب کی وفات ولید بن عبدالملک کے دور میں 94 ہجری میں ہوتی ہے۔

قارئین کرام! سعید بن مسیب جیسے مستشار ہوں تو پھر گورنر اچھے فیصلے کیسے نہیں کریں گے۔ یہ علمائے کرام مشیر ضرور تھے، مگر حکومت سے کوئی تنخواہ یا مراعات نہیں لیتے تھے۔

2- ہم ایک اور اہم شخصیت کا تذکرہ کرتے ہیں جو فقہائے مدینہ میں سے تھے اور عمر بن عبدالعزیز کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ آیئے ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ ان کا نام عروہ بن زبیر بن عوام تھا۔ سیدنا زبیر بن عوام کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو حواری رسول کا لقب دیا تھا۔ زبیر بن عوام بڑے ہی بہادر اور شجاع تھے۔ عروہ ان کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق تھیں۔ عروہ بن زبیر اپنے زمانے کی یکتائے روزگار شخصیت تھے۔ 23 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور 94 ہجری میں مدینہ شریف میں ہی وفات پائی۔ ان کی خالہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیق تھیں۔ بچپن میں زیادہ تر علم اپنی خالہ سے حاصل کیا۔ بہت سے صحابہ کرام ابھی زندہ تھے، ان کی صحبت اختیار کی اور خوب علم حاصل کیا۔ ان کی تمنا اور خواہش کیا تھی آیئے اسے پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں۔

حطیم میں ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر، مصعب بن زبیر، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین اکٹھے

بیٹھے تھے۔شرکائے مجلس میں سے ایک نے کہا: اس مبارک جگہ اپنی اپنی تمنا بیان کرو۔عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر نے خلافت اور امارت کی خواہش ظاہر کی۔عروہ بن زبیر نے تمنا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قابل کرے کہ لوگ مجھ سے علم سیکھیں۔عبداللہ بن عمر نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا: میری تمنا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دے۔یہ قبولیت کا وقت تھا،سب کی خواہشات پوری ہوتی ہیں۔عبداللہ بن زبیر کو خلافت مل جاتی ہے۔مصعب بن زبیر عراق کے گورنر بنتے ہیں۔عروہ بن زبیر مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک بڑے عالم بنتے ہیں۔راوی کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ عبداللہ بن عمر کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی مغفرت بھی کر ہی دی ہو گی۔
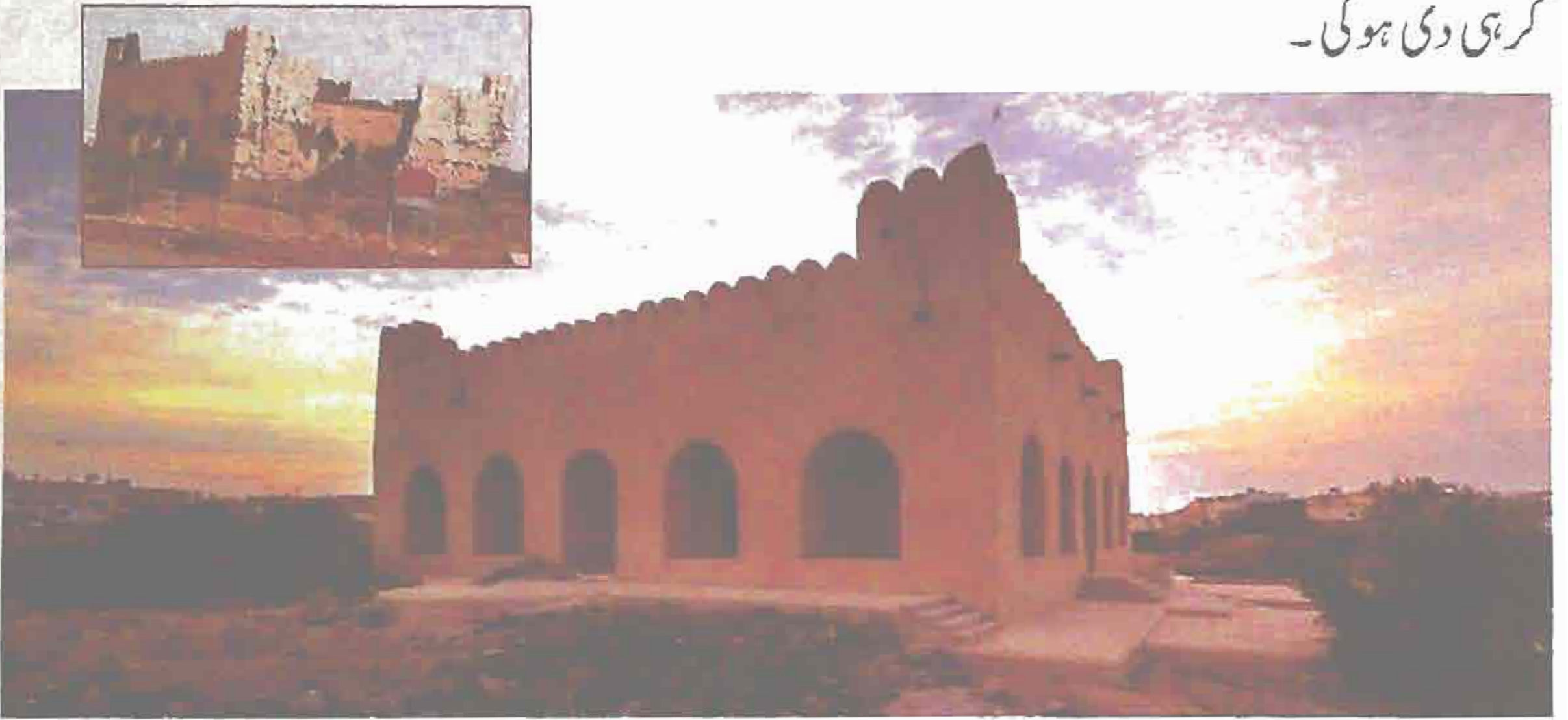
مدینہ منورہ میں واقع سیدنا عروہ بن زبیر کے محل کی دو تصاویر پہلی تصویر میں محل کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں جبکہ دوسری تصویر میں ان آثار کو محفوظ کرنے کی غرض سے اسی حالت میں گارے اور مٹی سے لیپ کر کے محفوظ کیا گیا ہے

عروہ بن زبیر کثرت سے روزے رکھنے والے اور تلاوت قرآن پاک کرنے والے تھے۔وفات کے وقت بھی روزے سے تھے۔نہایت سخی تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب مال و دولت سے نوازا ہوا تھا۔فتنوں سے محفوظ رہے،صحابہ کرام کے تنازعات میں سے کسی لڑائی میں حصہ نہ لیا۔مدینہ منورہ سے دور شمال کی طرف انہوں اپنا خوبصورت گھر بنایا۔جس کے کھنڈرات آج بھی باقی ہیں۔عروہ بن زبیر کا کھجوروں کا بڑا ہی قیمتی باغ تھا جس میں اعلیٰ درجے کی کھجوروں کے درخت تھے۔باغ کے چاروں طرف دیواریں تھیں۔ہر سال جب کھجوریں پک جاتیں تو باغ کے ایک طرف سے پوری دیوار کو توڑ

دیا جاتا۔ لوگوں کو عام اجازت دے دی جاتی کہ جس کا جتنا جی چاہے جی بھر کر کھجوریں کھائے۔

اپنی خالہ محترمہ سیدہ عائشہ کے علاوہ ام المؤمنین ام سلمہ اور ام حبیبہ اور بعض صحابہ سے غزوات کے واقعات سنے اور انہیں اپنے دل و دماغ میں جگہ دی۔ انہی کے بیان کردہ واقعات کو سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ اس طرح ان کی یہ خواہش پوری ہوگئی کہ مجھ سے علم سیکھا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کو عروہ بن زبیر جیسا مشیر بھی میسر رہا۔
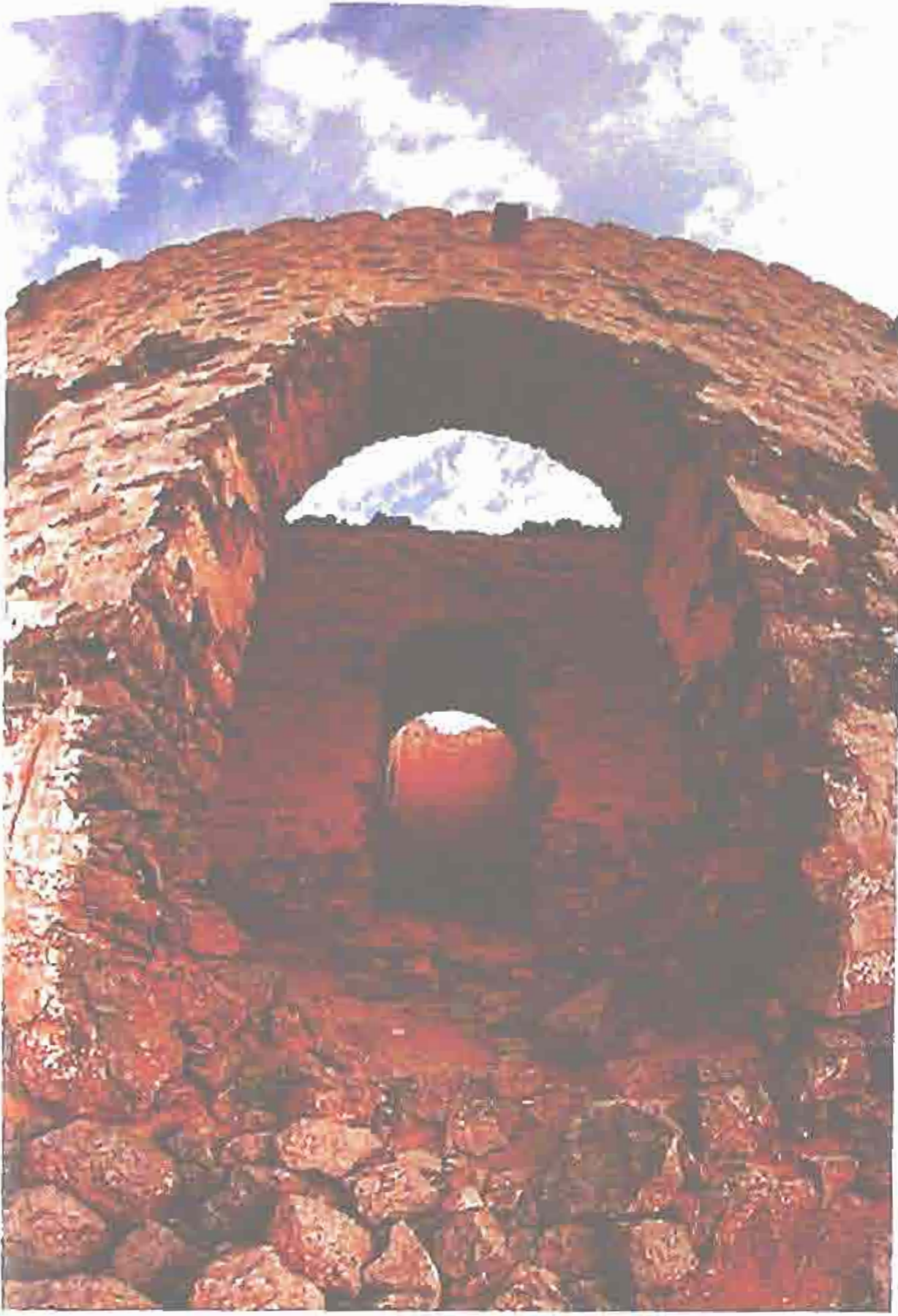
عروہ بن زبیر کے محل کے اندرونی حصے کی ایک تصویر

3- تیسرے مشیر: مدینہ کے سات فقہاء میں ایک شخصیت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تھے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ ان کی والدہ یزدگرد کی بیٹی تھیں۔ ایران کی یہ شہزادی اپنی دو اور بہنوں کے ساتھ سیدنا عمر فاروق کے دور میں لونڈی بن کر آئی تھی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان تینوں بہنوں کو آزادی دے کر ان کی شادی اپنی نگرانی میں کروائی۔ ان میں ایک بہن کی شادی محمد بن ابوبکر صدیق سے ہوتی ہے جو فقیہ مدینہ قاسم کے والد تھے۔ قاسم بڑے رعب دار اور پر وقار شخص تھے۔ 35 ہجری میں سیدنا علی بن ابی طالب کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ والدہ ایران کی شہزادی تھیں، جن کا نام سودہ تھا۔ ان کے والد محمد بن ابوبکر صدیق ان کی ولادت کے ایک سال بعد وفات پا جاتے ہیں۔ شکل وصورت میں اپنے دادا ابوبکر صدیق سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان کی پرورش ان کی پھوپھی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کرتی ہیں۔ انہی سے علم سیکھا اور لوگوں تک پہنچایا۔ حدیث کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ اپنے زمانے میں ان سے زیادہ سنت کو جاننے

والا کوئی نہ تھا۔آپ ہمیشہ وہی بات کہتے جسے جانتے ہوتے تھے۔عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: اگر مجھے ذرا سا بھی اختیار ہوتا تو میں قاسم بن محمد کو خلیفہ بنا دیتا۔ان کے ایک معاصر ایوب کا کہنا ہے کہ میں نے ان سے افضل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔انہوں نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم چھوڑا، یہ سارا پیسہ حلال کی کمائی تھی۔

علم وعمل کے پیکر یہ عظیم عالم اور محدث 107 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہی وفات پاتے ہیں۔

قارئین کرام! اگر حاکم وقت کو قاسم جیسا مشیر مل جائے تو وہ ہر حال میں قرآن وسنت پر مبنی بہترین فتاویٰ اور مشورے ہی دے گا۔

4- مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے عمر بن عبدالعزیز کے ایک اور مشیر عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود تھے۔ہمارے قارئین کرام نے مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود کا نام یقیناً سن رکھا ہے۔ان کے ایک بھائی کا نام عتبہ بن مسعود تھا۔عتبہ بھی صحابی رسول ﷺ تھے۔ عبیداللہ انہی صحابی رسول ﷺ عتبہ کے پوتے تھے۔ انکا تعلق الہذلی قبیلہ سے تھا جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔عبیداللہ سیدنا عمر فاروق کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔مدینہ کے علماء سے علم حاصل کیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ خود مسند علم وفتویٰ پر تشریف رکھتے ہیں۔جس علم کو خود پڑھا تھا اسے لوگوں تک پہنچانا شروع کیا۔اس گھرانے کی اسلام کے لیے خدمات بڑی نمایاں ہیں۔ان کے دادا کے بھائی عبداللہ بن مسعود اسلام میں پہلی شخصیت تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں قریش کے سامنے قرآن کریم اونچی آواز میں پڑھا اور اس کی پاداش میں خوب مار کھائی۔ بدر کے میدان میں ابوجہل کا سر اتارنے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہوا۔اب اس گھرانے کا پوتا جب لوگوں کو پڑھانا شروع کرتا ہے تو علم وفضل میں اس حد تک آگے نکل

عبداللہ بن مسعود اسلام میں پہلی شخصیت تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں قریش کے سامنے قرآن کریم اونچی آواز میں پڑھا اور اس کی پاداش میں خوب مار کھائی۔بدر کے میدان میں ابوجہل کا سر اتارنے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہوا۔

جاتا ہے کہ مدینہ کے سات عظیم القدر فقہاء میں شمار کیا جاتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے بچپن میں جن علماء سے علم حاصل کیا ان میں عبیداللہ بن عبداللہ بھی شامل تھے۔ عمر بن عبدالعزیز گورنر مدینہ بن کر آئے تو اپنے استاد کا بے حد عزت واحترام کیا، انہیں اپنے مشیروں میں شامل کرلیا۔ عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے: عبیداللہ کی مجلس میں بیٹھنا مجھے دنیا جہاں کی نعمتوں سے زیادہ پسند ہے۔ عبیداللہ نے عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ اور سیدہ عائشہ سے احادیث سنیں اور انہیں یاد کیا۔ پھر آپ سے امام زہری روایت کرتے ہیں۔ امام زہری جناب عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے عبیداللہ سے ملاقات کی۔ ان کے دروس میں شرکت کرنے کے بعد کہا: میں نے علم میں بہت کچھ سنا، یعنی علم حاصل کیا۔ میرا خیال تھا کہ جو کچھ میں سیکھ چکا ہوں یا سن چکا ہوں یہ میرے لیے کافی ہے، مگر جب میں نے عبیداللہ الھذلی سے ملاقات کی تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے پاس تو کچھ بھی علم نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز مدینہ کا گورنر بننے سے پہلے بھی انہیں دیگر لوگوں پر ترجیح دیتے اور ان کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے تھے؛ کیونکہ آپ علم کا ایک بے پایاں سمندر تھے۔ آپ صائب الرائے، بے مثل فقیہ، پاک دامن اور باوقار تھے۔ اپنے شاگردوں پر جس طرح چاہتے علم کی بارش فرماتے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو شاگردوں کو اندر آنے کی اجازت دے دیتے۔ شاگرد اندر آتے اور ادب واحترام سے بیٹھ جاتے۔ آپ اگر کسی وقت انہیں اندر آنے کی اجازت نہ دیتے تو شاگرد خاموشی سے واپس چلے جاتے۔ عمر بن عبدالعزیز بھی علماء کا پورا پورا احترام کرتے تھے اور آپ خود بھی عبیداللہ بن عتبہ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

عمر بن عبدالعزیز ان کے پاس جاتے تو کبھی تو وہ انہیں اجازت دے کر اندر بلوا لیا کرتے اور تعلیم دیا کرتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ اندر آنے کی اجازت ہی نہ دیتے۔ ایسی صورت میں عمر خوشی خوشی واپس آ جایا کرتے تھے۔ ابن عتبہ کی عمر کے دل میں بڑی عظمت وشان تھی۔ وہ نہ صرف خود کو بلکہ تمام دنیا کو ان کے مقابلے میں ہیچ خیال کرتے تھے۔ خلیفہ بننے کے بعد بھی ابن عتبہ ہر وقت ان کے تصور وخیال پر

چھائے رہتے تھے۔ ایک دن اپنی اہلیہ سے کہنے لگے: فاطمہ جب مجھے غصہ آتا ہے تو گویا میں عبیداللہ کو اپنے سامنے کھڑا پاتا ہوں کہ وہ مجھے نصیحت کررہے ہیں اور غصہ سے منع فرما رہے ہیں۔ یہ اس لیے تھا کہ عمر بن عبدالعزیز عبیداللہ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ آپ کی روح ان کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ان کی عظمت وجلالت آپ کے رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ قریب تھا کہ عمر خود بھی ابن عتبہ کی طرح ہو جائیں گے۔

آپ فرمایا کرتے تھے: اگر مجھے عبیداللہ کی ایک مجلس نصیب ہو جائے تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے پیاری ہے۔

وہ فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں عبیداللہ کی ایک رات سرکاری خزانہ سے ایک ہزار دینار میں خرید لوں گا۔ لوگ بولے: امیر المؤمنین! یہ کیا آپ فرما رہے ہیں، جب کہ آپ سرکاری خزانہ میں بڑے محتاط ہیں اور اس کی شدت سے حفاظت کرتے ہیں۔ فرمایا: تمہاری عقلیں کہاں گئیں۔

عبیداللہ بن عبداللہ الھذلی ابن عتبہ کی وفات 98 ہجری میں مدینہ منورہ ہی میں ہوتی ہے۔

5- فقہائے مدینہ میں ایک شخصیت خارجہ بن زید بن ثابت بھی تھے۔ یہ بھی عمر بن عبدالعزیز کی شوریٰ کے رکن تھے۔ یہ انصاری تھے اور ان کا تعلق بنونجار سے تھا۔ بہت ہی عظیم باپ کے بیٹے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت وہ شخصیت ہیں جن کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ اس گھرانے کی اسلام کے لیے بے حد خدمات ہیں۔ قرآن کریم کو جمع کرنے کا فریضہ انہوں نے ہی انجام دیا۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ اس گھرانے کی اسلام کے لیے بے حد خدمات ہیں۔ قرآن کریم کو جمع کرنے کا فریضہ انہوں نے ہی انجام دیا۔

خارجہ نے سیدنا عثمان بن عفان کا دور خلافت دیکھا۔ علمائے مدینہ سے علم حاصل کیا۔ ان کے والد زید بن ثابت بہت بڑے عالم اور کاتب وحی تھے۔ والدہ ام سعد بنت سعد بن ربیع عظیم صحابیہ تھیں۔

خارجہ بڑے خوبصورت اور سفید رنگ کے تھے۔ بڑا عمدہ لباس پہنتے۔ قارئین کرام کے علم میں ہوگا کہ سب سے مشکل علم وراثت کا علم ہے۔ خارجہ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ علم مواریث پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے والد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی اس علم میں یکتا تھے اور اس کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی۔

خارجہ محدث تھے اور کتنے ہی طالب علموں نے ان سے علم سیکھا۔ ان کی وفات عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے دور میں ہوئی۔ وفات کے وقت عمر ستر سال تھی۔ ان کی وفات پر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تھا: یہ امت اسلامیہ کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔

6- گورنر مدینہ عمر بن عبدالعزیز کی شوریٰ میں ایک نام سلیمان بن یسار کا بھی تھا۔ یہ فقہائے مدینہ منورہ میں ایک زبردست شخصیت تھے۔ سلیمان کے والد یسار فارس یعنی ایران کے رہنے والے اور ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت الحارث کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھے۔ سلیمان سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 34 ہجری میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنا بچپن اور جوانی مدینہ میں گزاری۔ علمائے مدینہ سے علم حاصل کیا۔ بڑے ذہین وفطین اور نہایت سمجھ دار تھے۔ جلد ہی ان کا شمار مدینہ کے بڑے علماء میں ہونے لگا۔ انہیں یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کاتب مقرر ہوتے ہیں۔ سید التابعین امام سعید بن المسیب سے بعض اوقات اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: سلیمان بن یسار کے پاس چلے جاؤ، ان سے یہ مسئلہ پوچھو اس لیے کہ وہ اس دور کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

امام مالک نے ان کے بارے میں اس طرح گواہی دی کہ وہ سعید بن المسیب کے بعد سب سے بڑے عالم ہیں۔ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ سلیمان بن یسار امام سعید بن المسیب کے مسئلہ کے خلاف جواب دیتے، مگر امام سعید بن المسیب اس پر اعتراض نہ کرتے۔ ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والے علماء نے ان کے علم وتقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ کثرت سے روزے رکھنے والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صائم الدہر تھے۔ ان کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں بڑا عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے متقی اور اللہ کا

خوف رکھنے والے تھے۔ آیئے اختصار سے یہ واقعہ پڑھتے ہیں۔

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ راستہ میں جب ابواء کے مقام پر پہنچے تو آرام کرنے کی غرض سے خیمہ نصب کیا۔ کھانے کا وقت تھا کچھ چیزیں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان کا دوست کچھ دوسری چیزیں لانے کے لیے ابواء کے بازار میں چلا گیا۔ خیمہ میں اکیلے تھے۔

سلیمان بن یسار نہایت خوبصورت تھے جو بھی انہیں دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ خیمہ کی دوسری طرف پہاڑ کی چوٹی پر ایک نہایت خوبصورت عورت نے سلیمان بن یسار کو خیمہ میں بیٹھے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اتنا خوبصورت انسان اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود بھی نہایت خوبصورت تھی۔ شیطان نے اسے پھسلایا کہ خیمہ میں بیٹھا شخص اکیلا ہے۔ وہ ان کے خیمہ میں چلی آئی۔ اس نے سلیمان کے سامنے آکر اپنی چادر اتار دی۔ بدو عورت گویا چاند کا ٹکڑا تھی۔ سلیمان بن یسار سے مخاطب ہوئی، کہنے لگی: ''میری حاجت پوری کیجیے۔'' سلیمان نے سمجھا کہ اسے کھانے کی ضرورت ہے، انہوں نے کھانے میں کچھ چیزیں اس کے حوالے کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو عورت کہنے لگی: مجھے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت نہیں، بلکہ میں تو آپ سے میاں بیوی والا تعلق قائم کرنا چاہتی ہوں۔

فرمانے لگے: ایسا لگتا ہے کہ شیطان نے تمہیں تیار کر کے میری طرف بھجوا دیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو دبایا سر کو اپنی ٹانگوں میں رکھا اور اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اب یہ اونچی اونچی آواز میں مسلسل رو رہے ہیں۔ عورت نے کچھ دیر تو انتظار کیا پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص میری بات ماننے اور سننے والا نہیں ہے۔ تو اس نے چادر سنبھالی اور واپس چلی گئی۔

ان کے دوست بازار سے چیزیں لے کر آئے دیکھا سلیمان کی آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ وجہ پوچھی تو نہ بتائی، ٹال دیا۔ پھر اس نے اصرار کر کے آہستہ آہستہ جب پوچھا تو پھر خود بھی رونے لگے۔

قارئین کرام! عمر بن عبدالعزیز کی شوریٰ میں اسی طرح کے لوگ تھے جو متقی اور پرہیزگار تھے۔

7- آپ کی اس مجلس کے اراکین میں ایک اور بہت بڑے عالم سالم بن عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ سالم بن عبداللہ بن عمر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ انکی

والدہ شاہ ایران یزدگرد کی بیٹی تھیں۔ والد عبداللہ بن عمر بڑے مشہور صحابی ہیں۔ دادا محترم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک عبقری شخصیت تھے۔

جناب سالم کا نام مشہور صحابی سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام پر رکھا گیا۔ ان کا رنگ سانولا تھا؛ تاہم بڑے خوبصورت اور اپنے دادا عمر فاروق سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان کا شمار مدینہ کے سات بڑے فقہاء میں ہوتا تھا۔ اپنے والد محترم اور مدینہ کے علماء سے علم حاصل کیا۔ سالم بڑے قوی اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر میدان عرفات میں ہشام بن عبدالملک کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ہشام نے اپنی انگلی سے دبا کر ان کے جسم کی مضبوطی چیک کی تو آپ کا جسم بڑا سخت تھا۔ تعجب سے کہنے لگا: سالم! آپ کیا کھاتے ہیں کہ آپ کا جسم اتنا مضبوط ہے؟ کہنے لگے: جو کی روٹی زیتون کے ساتھ کھاتا ہوں۔ اسے اور بھی تعجب ہوا، کہنے لگا: آپ زیتون اور روٹی کیسے کھا لیتے ہیں۔

ایرانی شاہ یزدگرد کی ایک تصویر

قارئین کرام! اس دور میں زیتون اور روٹی بڑی سستی اور عام لوگوں کی دسترس میں تھی۔ اس قسم کی سادہ غذا کھا کر اتنے قوی جسم کا مالک ہونا ہشام کے لیے باعث تعجب تھا۔ سالم جواب میں فرماتے ہیں: ہم اس وقت کھاتے ہیں جب ہمیں خوب بھوک لگی ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں کوئی بھی کھانے کی چیز مل جائے، وہ مزیدار لگتی ہے۔

سالم نہایت متقی اور پرہیزگار شخصیت تھے۔ وہ آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔ اتنے بڑے آدمی اور گھر میں اثاثہ جات کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ میمون بن مہران ان کے گھر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے گھر کا چکر لگایا ایک ایک چیز کا حساب لیا کہ اس کی قیمت کتنی ہے۔ قارئین کو تعجب ہوگا کہ گھر میں تمام اشیاء کی قیمت سو درہم کے برابر بھی نہ تھی۔

جہاں تک ان کے زہد، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کا تعلق تھا تو وہ دنیاوی اشیاء سے بالکل دور تھے۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک حج کرنے کے لیے مدینہ گیا۔ اس نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا ہاتھوں میں جوتے پکڑے ہوئے دنیا سے بے نیاز اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ جسم پر لباس کی قیمت یہی کوئی دس بارہ درہم ہوگی۔ ہشام نے ان کا راستہ روک لیا، کہنے لگا: سالم! کچھ مانگنا ہے تو مانگ لو، کوئی ضرورت، کوئی خواہش جس کو میں پورا کرسکوں۔ جواب میں فرمایا:

(إِنِّي لأَسْتَحِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أَسْأَلَ فِي بَيْتِهِ غَيْرَهُ)

''اللہ کے گھر میں غیر اللہ سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

ہشام کھسیانا ہوکر خاموش ہوگیا اور بیت اللہ کے دروازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سالم طواف کر کے بیت اللہ سے باہر نکلے تو ہشام نے پھر راستہ روک لیا۔ کہنے لگا: اب تو آپ بیت اللہ سے باہر آ گئے ہیں؛ اب آپ مجھ سے اپنی ضرورت کی کوئی چیز طلب کریں۔ سالم کہنے لگے: (مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا أَمْ مِنْ حَوَائِجِ الآخِرَةِ) ''کیا دنیاوی ضرورت کی چیزیں مانگوں یا آخرت کی ضرورت کی چیزیں مانگوں؟ ہشام کہنے لگا: (مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا) ''دنیا کی چیزیں مانگو، آخرت کی چیزیں تو میرے بس میں نہیں۔''

سالم نے کہا: (إِنِّي مَا سَأَلْتُ الدُّنْيَا مَنْ يَمْلِكُهَا) ''دنیا تو میں اس سے بھی نہیں مانگتا جو ساری دنیا کا مالک ہے۔'' (فَكَيْفَ أَسْأَلُهَا مَنْ لَا يَمْلِكُهَا) ''بھلا میں اس سے کیسے مانگوں جو اس کا مالک بھی نہیں۔'' ہشام یہ سن کر لاجواب ہوگیا۔ قارئین کرام! یہ تھے ہمارے سلف صالحین اور ان کا اجلا اجلا کردار۔

جہاں تک سالم بن عبداللہ بن عمر کے علم کا تعلق ہے تو اس دور میں اہل مدینہ ان کے فتویٰ پر ہی مطمئن ہوتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے بعد ازاں جب خلافت سنبھالی تو اس وقت بھی وہ علماء کو خط لکھ کر ان سے رہنمائی طلب کیا کرتے تھے۔ علمائے کرام نے ہمیشہ انہیں بیش قیمت مشوروں سے نوازا۔ قارئین

کرام! جس خلیفہ کو سالم بن عبداللہ جیسے مشیر اور علماء مل جائیں تو وہ حکمرانوں کو ہمیشہ درست مشورے دیتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز اس لحاظ سے خوش قسمت حاکم تھے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے تھے، اور پھر ان کو مشیر بھی ایسے ملے جو اصحاب علم، اصحاب بصیرت اور علمائے ربانی تھے، متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کے سامنے دنیا نہیں بلکہ ہمہ وقت آخرت رہتی تھی۔

مذکورہ بالا علمائے کرام کے علاوہ آپ کی شوریٰ میں ابوبکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ (یہ سالم کے بھائی تھے) اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی بھی شامل تھے۔ یہ تمام حضرات بھی مدینہ کے چوٹی کے علماء وفقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس سے خطاب

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے گورنری کا چارج سنبھالنے کے بعد اس مجلس کا پہلا اجلاس طلب کیا۔ جب یہ تمام اکابر آپ کی مجلس میں تشریف لے آئے تو آپ نے ان سب کو عزت واحترام سے بٹھایا اور ان سے نہایت مؤثر خطاب فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت کے مطابق اس کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

آج میں نے آپ تمام علمائے کرام کو ایک ایسے مقصد کے لیے بلایا ہے جس میں حصہ لینے پر آپ عند اللہ ماجور بھی ہوں گے اور اپنی جد وجہد کے باعث آپ لوگ حق کی نصرت وحمایت کا ذریعہ بھی بنیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی بھی اہم کام کا فیصلہ آپ سب اہل علم کی رائے کی روشنی میں یا آپ میں سے جو احباب اُس وقت موجود ہوں ان کے مشورہ کے ساتھ ہی کیا کروں۔ براہ کرم! اگر آپ کسی شخص کو زیادتی کرتے دیکھیں یا میرے کسی عہدیدار کی طرف سے لوگوں پر ظلم ہو رہا ہو تو مجھے آگاہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ مظلوم کی آواز حاکم تک پہنچائی جائے۔

اگر ہم جناب عمر بن عبدالعزیز کے مذکورہ خطاب پر غور کریں تو چند چیزیں بہت وضاحت سے سامنے آتی ہیں:

1- خلیفہ راشد ثانی سیدنا عمر بن خطاب نے جو مجلس شوریٰ بنائی تھی اس کے ارکان کو وہ بوقت

ضرورت ہی طلب فرماتے تھے، مگر عمر بن عبدالعزیز کی شوریٰ کو اس لحاظ سے خاص اہمیت دی گئی کہ تمام فیصلے ان کی آراء کی روشنی میں ہوں گے اور کوئی بھی فیصلہ ان کے مشورے کے بغیر نہیں ہوگا۔

2- دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ ان تمام ارکین مجلس شوریٰ کو بلا معاوضہ اس کام پر مامور کیا گیا تھا کیونکہ سب ماشاء اللہ خوشحال اور اپنی جیب سے لوگوں کو عطا کرنے والے تھے۔

3- تیسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ ہر ایک میٹنگ میں ان سب کی حاضری کو ضروری قرار نہیں دیا تھا بلکہ فرمایا: آپ میں سے جو حضرات موجود ہوں گے، ان سے مشورہ کیا جائے گا۔ گویا اگر کوئی رکن کسی عذر کے باعث اجلاس میں شامل نہ ہوسکتا ہوتو اسے ایسا کرنے کی اجازت تھی۔

4- اس مجلس شوریٰ کے پاس وسیع انتظامی وعدالتی اختیارات بھی تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان سب کو اپنی بیوروکریسی پر محاسب اور نگران مقرر کر دیا تھا۔ ارکان مجلس نے انہیں بہترین مشوروں سے نوازا اور ہر طرف امن وامان اور اطمینان کا دور دورہ ہوگیا۔

اس سارے معاملے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ربانی علماء اور فقہاء ایک عظیم شان رکھتے ہیں۔ اہل اقتدار پر لازم ہے کہ وہ علمائے وقت اور فقہائے کرام کو اپنے قریب رکھا کریں، ان سے رہنمائی حاصل کریں اور ان کے مشوروں کی روشنی میں امور حکومت انجام دیا کریں۔ اس طریق کار پر عمل کرنے سے ان کی رعایا میں فلاح وبہبود کے کام کثرت سے ہوں گے اور حکام کی طرف سے ناروا ظلم وستم کی کاروائیاں ماند پڑ جائیں گی۔ اسی طرح علمائے کرام کو بھی چاہیے کہ وہ اصحاب حکومت سے لاتعلق نہ رہیں بلکہ ان کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ صرف ان دس علماء کی مجلس سے ہی مشورہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے علاوہ دیگر علماء اور اہل خیر سے بھی مشورہ کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ امام محمد بن شہاب زہری اور حسن بصری رحمہما اللہ اور ان جیسے دیگر اہل علم تھے۔ حسن بصری آپ کو اکثر وبیشتر پرخلوص ومؤثر نصیحتوں سے گرمائے رکھتے تھے۔ آپ کسی بھی مقدمے کا فیصلہ کرنے سے پہلے سعید بن المسیب سے مشورہ کرلیا کرتے تھے۔

مسجد نبوی کی توسیع

جس زمانے میں عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے آپ کے پاس خلیفہ ولید بن عبدالملک کا ایک خط پہنچتا ہے کہ مسجد نبوی کی توسیع کی جائے کیونکہ نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا۔ حج کے موقع پر بھی حجاج کثرت سے آتے تھے۔ محراب نبوی کے پیچھے امہات المؤمنین کے حجرے تھے یہ حجرے کچی اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ امہات المؤمنین کی وفات کے بعد سے یہ خالی تھے۔ ان میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ دمشق سے خلیفہ کا حکم اور تجویز ملی کہ ان حجروں کو گرا کر مسجد نبوی میں شامل کر لیا جائے۔

اس سے پہلے عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں چاہا تھا کہ ان حجروں کو گرا کر اس جگہ کو مسجد نبوی میں شامل کیا جائے، مگر جب اہل مدینہ کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے شور مچا دیا۔ ان کا ردعمل بڑا سخت تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان حجروں کو اپنی اصلی حالت میں ہی رہنے دیا جائے۔ عبدالملک نے بڑی سمجھداری کا ثبوت دیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

حکومت ولید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی اور مدینہ کے گورنر بھی عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اہل

مدینہ آل خطاب کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔ چونکہ آل خطاب عمر بن عبدالعزیز کے اخوال یعنی ماموں تھے اس لیے اب مسجد کی توسیع کرنا اور حجروں کو گرانا آسان تھا۔ ویسے بھی علمائے مدینہ کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز کا خاص تعلق تھا وہ ان کے پاس آتے جاتے اور بیٹھتے تھے۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز کو انہیں مسجد کی توسیع پر قائل کرنا آسان تھا۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن علماء کی مجلس میں مسجد توسیع کے حوالے خلیفہ کا حکم سنا دیا۔ ویسے بھی اس میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں تھی۔

امہات المومنین کے نو حجرے تھے۔ کچی مٹی کی اینٹوں سے بنے ہوئے یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے۔ بعض حجروں کی چھتیں اس طرح بنائی گئیں کہ کھجور کی ٹہنیوں پر مٹی ڈالی ہوئی تھی۔ یہ بڑے ہی متواضع گھر تھے۔ بعض کی چھت پر بالوں والے کمبل کو استعمال کیا گیا تھا۔ ان گھروں کو دیکھ کر خوب معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس قدر سادگی سے اپنی زندگی گزاری ہے۔ اللہ کے رسول حاکم وقت تھے، ایک ریاست کے حکمران تھے۔ صحابہ کرام آپ کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ اشارہ بھی کرتے تو وہ ہر چیز آپ ﷺ پر نچھاور کر دیتے۔ اللہ کے رسول ﷺ اگر چاہتے تو آپ کے لیے احد پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جاتا، مگر اللہ کے رسول ﷺ نے اختیاری طور پر فقر کو پسند

فرمایا اور اپنی امت کو بھی سادگی کا درس دیا۔ اس لیے آپ کے حجرے بالکل معمولی اور چھوٹے تھے۔ یوں بھی آپ کی صفت تھی کہ آپ بادشاہ حاکم نہ تھے بلکہ اللہ کے بندے اور رسول تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے علمائے کرام کو مطمئن کر لیا کہ مسجد کی توسیع وقت کی ضرورت ہے اور پوری امت کے مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ اس لیے ان حجروں کو مسجد نبوی میں شامل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ بلکہ لوگوں کے لیے اس میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

عمر بن عبدالعزیز نے صرف امہات المؤمنین کے حجرے ہی نہیں بلکہ مسجد نبوی کے چاروں طرف کی زمین بھی خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔ مسجد نبوی کو اس کے شایان شان وسیع اور خوبصورت بنایا جاتا ہے۔ محراب نبوی کو آگے بڑھا دیا گیا۔ اذان کے مینارہ کو بلند کر دیا گیا۔ عمر بن عبدالعزیز اسلام کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مسجد میں محراب کی جدت پیدا کی اور اذان دینے کے لیے اونچا مینار شام کے میناروں کی طرز پر بنوایا۔ مسجد نبوی کے مینار کو دیکھ کر دیگر کئی شہروں میں بھی مسجد کے میناروں کو بلند کیا گیا۔

اس عظیم کام کی نگرانی کے لیے عمر بن عبدالعزیز نے اپنے معلم، عالم اور محدث صالح بن کیسان کو منتخب فرمایا۔ بلاشبہ ان کے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات تھی۔ مسجد کی تعمیر کے ابتدائی کام میں مدینہ منورہ کے کاریگر اور مزدور تعمیر کے کام میں لگائے جاتے ہیں۔ بعد میں شام اور مصر سے بھی معماروں اور کاریگروں کی مدد آ جاتی ہے۔ روم کے علاقوں پر قابض مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے علاقوں سے ماہر کاریگر ارسال کیے؛ نیز نقد مال بھی ارسال کیا۔ روم سے سنگ مرمر کے پتھر بھی بھجوائے جاتے ہیں۔ اس طرح نہایت محبت وعقیدت کے ساتھ مضبوط بنیادوں پر مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کی جاتی ہے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کے لوگ امہات المؤمنین کے حجرات کو مسجد نبوی کا حصہ بنتے ہوئے دیکھ کر روتے تھے۔ ان کا کہنا تھا: کاش! ان حجرات کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تاکہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کتنی سادگی سے گزری؛ نیز آپ کی رہائش کیسی تھی، مگر ایسا کرنا کسی بھی حکمران کے لیے ممکن نہ تھا کیونکہ عالم اسلام سے حجاج کرام اور زائرین مسجد کا سلسلہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا، اس لیے مسجد کو وسیع کرنا نہایت ضروری معاملہ تھا۔

دمشق میں واقع اموی مسجد کی ایک خوبصورت تصویر

متفرق اصلاحات

ولید بن عبدالملک کو عمارتیں اور سڑکیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ مسجد اموی اسی کے زمانے میں بنائی گئی۔ اس نے ایک اور خط میں گورنر مدینہ عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ حاجیوں کے راستے میں سرائیں تعمیر کروائی جائیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانیوالے راستوں کو کشادہ اور آسان بنایا جائے۔ جگہ جگہ کنویں کھدوائے جائیں۔ اسی طرح خراسان جانے والے راستے پر بھی سرائیں بنائی جائیں۔

قارئین کرام! اس زمانے میں راستوں میں جگہ جگہ سرائیں بنائی جاتی تھیں۔ سرائے میں مسافروں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں دستیاب ہوتی تھیں۔ یہاں پر مسافر رات کو آرام کر سکتے تھے۔ ان کو کھانا، بینا، چارپائی، جانوروں کا چارہ اور پانی قیمتاً مل جاتا تھا۔ بعض مقامات پر یہ چیزیں مفت بھی مل جاتی تھیں۔ سراؤں میں انہیں راہ دکھانے والے گائیڈ بھی مل جاتے تھے۔ گائیڈ راستوں کے ماہر ہوتے تھے۔ ان کے پاس ایک ایک پہاڑ اور وادی کے بارے میں معلومات ہوتی تھیں۔ وہ آسان اور پرامن راستوں سے مسافروں کو گزارتے اور اس کے بدلے میں مناسب انعام یا معاوضہ

پاتے تھے۔ کسی بھی حکومت کی کامیابی کا معیار یہ تھا کہ راستے کتنے پر امن ہیں۔ چنانچہ فوج کے نوجوان گھوڑوں پر شہروں کے ارد گرد چکر لگاتے رہتے تھے۔ چوروں، ڈاکوؤں کا تعاقب کرتے اور ان کو سزا دیتے۔ اگر کوئی اجنبی شخص مل جاتا، اسے مدد کی ضرورت ہوتی تو مہیا کرتے۔ اس کو روک کر پوچھ گچھ بھی کرتے کہ کہیں دشمن کا آدمی یا جاسوس نہ ہو۔ امن وامان اور مسافروں کی سہولتوں پر ہر دور میں اضافہ ہوا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کا دور حکومت اس قسم کے انتظامات کے لحاظ سے مثالی تھا۔

ولید بن عبدالملک نے اپنے ایک فرمان میں گورنر مدینہ کو لکھا کہ مدینہ منورہ میں فوارہ بنایا جائے۔ حکم کی تعمیل کی جاتی ہے اور مدینہ منورہ میں بڑا خوبصورت فوارہ بنا کر اس میں پانی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس فوارہ کا منظر بڑا خوش کن تھا، لوگ اسے بڑے تعجب اور دلچسپی سے دیکھتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے بڑی محنت اور تیزی سے ان تمام کاموں کو سرانجام دیا۔ اس وقت کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو آپ کے کاموں کی بروقت اطلاع ملتی رہتی تھی۔ وہ عمر بن عبدالعزیز کے کاموں سے بڑا مطمئن اور خوش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے انہیں مکہ مکرمہ اور طائف کا بھی گورنر بنا دیا۔ کچھ عرصہ گزرتا ہے تو نوے ہجری میں انہیں پورے حجاز کا گورنر بنا دیا جاتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان ذمہ داریوں سے بہت کچھ سیکھا، انہیں حکمرانی کے گر آ گئے۔ لوگوں کے مسائل سے براہ راست واسطہ پڑا۔ انہوں نے عمدہ انداز میں ان کو حل کیا۔

ولید کی مدینہ منورہ آمد اور استقبال

91 ہجری میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے گورنر مدینہ عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع بھیجی کہ وہ حج کے لیے آنے والے ہیں اور حج سے پہلے مدینہ منورہ آئیں گے اور عمر بن عبدالعزیز کے انجام دیے ہوئے کاموں کا جائزہ بھی لیں گے۔

عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ کے اس نیک ارادے پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر جب خلیفہ حج کے سفر کے لیے چل پڑے تو عمر بن عبدالعزیز اہل مدینہ کا ایک بڑا جلوس لے کر ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ اس جلوس میں مدینہ کے اکابر وخواص میں سے بیس لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ سویداء تک گئے

مدینہ منورہ کے نواح میں واقع ذی خشب میں موجود اموی قلعے کے آثار کی ایک تصویر

جہاں عمر بن عبد العزیز کی ذاتی زمین تھی۔ اس جلوس کے ہمراہ گھوڑوں اور اونٹوں پر لدا ہوا کافی سارا سامان بھی تھا۔

ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبد العزیز کو اپنے پاس بلوایا اور ان کے ساتھ چلتے رہے حتی کہ ذی خشب میں اتر گئے۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے ایک دن کے فاصلے پر ہے۔ پھر عمر بن عبد العزیز نے اپنے رفقاء کو بھی بلا لیا۔ خلیفہ نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ فردا فردا ملاقات کی۔ ولید نے ان سب کو دوپہر کا کھانا بھی کھلایا۔

سعید بن المسیب اور ولید بن عبدالملک

ولید مدینہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں گئے تاکہ نو تعمیر کردہ عمارت کا جائزہ لے سکیں۔ مسجد ان کے جانے سے پہلے خالی کروالی گئی تھی۔ تمام لوگوں نے مسجد خالی کر دی، مگر عالم ربانی امام سعید بن المسیب اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ امام سعید پہلی صف میں قبلہ رخ ہو کر محراب کے قریب اپنی عادت کے مطابق لا پروائی سے بیٹھے رہے۔ کسی پہریدار کو بھی انہیں مسجد سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ امام سعید بن المسیب دو معمولی چادروں میں لپٹے ہوئے تھے جن کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ

نہ تھی۔ وہ اپنی جگہ نہایت سکون و آرام سے بیٹھے رہے۔ بعض لوگ ان کے پاس آ کر ان سے کہتے: امام سعید! تھوڑی دیر کے لیے مسجد خالی کر دیں۔ جب خلیفہ مسجد کا دورہ مکمل کر لے تو پھر واپس تشریف لے آئیں، مگر انہوں نے جواب دیا: جب تک میرے اٹھنے کا وقت نہیں ہوگا میں نہیں اٹھوں گا۔

سعید بن المسیب بن حزن مخزومی مدنی اس وقت دنیا کے چوٹی کے علماء میں سے ایک تھے۔ ان کا لقب سید التابعین تھا۔ آپ کی رائے تھی کہ ایک انسان کو پوری زندگی آرام سے گزارنے کے لیے چار سو دینار کافی ہوتے ہیں۔ آپ نے جوانی میں 400 دینار جمع کر لیے تھے۔ انہی سے زیتون کی تجارت کی جس سے آپ کا خرچ چلتا رہا۔ آپ نے اپنے علم کے ذریعے مال نہیں کمایا۔ نہ ہی کبھی کسی کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ جب عبادلہ کی وفات ہوگئی تو تمام علاقوں میں علم آزاد کردہ غلاموں کے پاس چلا گیا؛ البتہ مدینہ کے سب سے بڑے عالم سعید بن المسیب ہی تھے۔ آپ حدیث، تفسیر، فقہ، تقویٰ میں جامع علم و عمل تھے۔

لوگ سعید بن المسیب کے پاس آ کر ان سے کہتے: امام سعید! تھوڑی دیر کے لیے مسجد خالی کر دیں۔ جب خلیفہ مسجد کا دورہ مکمل کر لے تو پھر واپس تشریف لے آئیں، مگر انہوں نے جواب دیا: جب تک میرے اٹھنے کا وقت نہیں ہوگا میں نہیں اٹھوں گا۔

عبادلہ سے مراد عبداللہ نام کے چار مشہور صحابہ ہیں جو علم و عمل میں نور کے مینار تھے۔ ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

خلیفہ ولید امام سعید بن المسیب کو بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ وہی ہیں جو میری بیعت کا بھی شروع میں انکار کر چکے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ مسجد میں تمام لوگ موجود ہوتے مگر امام سعید نہ ہوتے۔ اسی لیے عمر بن عبدالعزیز کی خواہش تھی کہ کاش! سعید ولید کے راستے سے ہٹ جاتے حتیٰ کہ خلیفہ اپنا دورہ مکمل کر کے چلا جاتا۔ مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ سعید عرصہ دراز سے اسی معمول پر عامل چلے آ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سعید سے اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

ولید مسجد نبوی میں

خلیفہ مسجد میں داخل ہوا اور دیکھا کہ مسجد اس کی آمد کے پیش نظر غالباً حفاظتی نقطہ نظر سے خالی کروائی گئی ہے۔ مسجد میں کوئی بھی متنفس دکھائی نہیں دے رہا، مگر اچانک اس کی نگاہ امام سعید پر پڑ جاتی ہے۔ ولید سمجھ گیا کہ انہوں نے اپنی جگہ سے ہٹنے سے انکار کردیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کی خواہش تھی کہ بات آئی گئی ہو جائے، مگر مشکل یہ آن پڑی کہ سعید قبلہ رخ محراب کے قریب بیٹھے تھے اور ولید خصوصی طور پر محراب ہی کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ محراب اور مینار عمر بن عبدالعزیز کی جدت کا نتیجہ تھا۔ یہ مینار شام کے میناروں کی طرز پر بنایا گیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں: میں خلیفہ ولید کو مسجد کے ایک گوشے کی طرف لے جانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ وہ امام سعید کو نہ دیکھ پائیں۔ لیکن ولید نے محراب کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا: یہ شیخ کون ہیں؟ کیا یہ سعید بن المسیب ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں! یہ وہی ہیں۔ ان کا معمول یہ ہے کہ یہ ہر نماز سے قبل مسجد میں موجود رہتے ہیں۔ میں سعید کی جانب سے عذر پیش کرنے لگا۔ میں نے کہا: اگر انہیں آپ کی جگہ معلوم ہوتی تو یہ اٹھ کر آتے اور آپ کو سلام کرتے، مگر ان کی نگاہ کمزور ہو چکی ہے۔ ولید نے کہا: ہمیں ان کا حال معلوم ہے۔ کوئی بات نہیں، اگر وہ نہیں آئے تو ہم ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ولید مسجد کا چکر لگا کر امام سعید کے پاس آجاتا ہے اور کہتا ہے: شیخ! آپ کا کیا حال ہے؟ عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں: اللہ کی قسم! سعید نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی؛ ہاں! ولید کو جواب دیا اور کہا: الحمدللہ! میں خیریت سے ہوں، امیر المؤمنین کا کیا حال ہے؟ ولید یہ کہتے ہوئے واپس آگئے: ہاں! اللہ والے لوگوں میں یہ ابھی تک باقی ہیں۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین درست کہتے ہیں۔

عمر کے کارناموں پر ولید کی پسندیدگی

ولید نے آج کے دورہ میں مدینہ منورہ میں جو کچھ دیکھا تھا اس پر بہت محظوظ اور شاداں ہوا۔ اس نے خوش ہو کر مدینہ کے لوگوں میں بہت سے عطیات تقسیم کیے جن میں سونے اور چاندی کے برتن اور دیگر قیمتی اشیاء تھیں۔ خلیفہ نے کافی دیر رک کر وہ فوارہ دیکھا جو عمر بن عبدالعزیز کے ذہن رسا کی فکر وتدبیر کا نتیجہ تھا۔ اس نے فوارے کے پانی کا حوض دیکھا اور اس سے پانی اچھلنے کا منظر اسے بہت بھلا لگا۔ ولید نے حکم دیا کہ اس فوارے کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے ملازم بھرتی کیے جائیں اور مسجد والوں کو وضو وغیرہ کے لیے پانی یہیں سے مہیا کیا جائے۔

ولید نے عمر بن عبدالعزیز کے کارنامے اور اصلاحات دیکھ کر انہیں مدینہ کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ اور طائف پر بھی گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح حجاز کا پورا علاقہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی حاکمیت میں آ گیا۔ آپ کے والد عبدالعزیز بھی ان علاقوں کے گورنر رہ چکے تھے؛ تاہم ولید کے اس دورہ نے مدینہ کے لوگوں پر کوئی خوشگوار اثرات مرتب نہیں کیے۔ کیونکہ اس نے مدینہ والوں کو سواریوں سے اتروایا تھا۔ پھر انہیں اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کیا اور مسجد کے دورے کے وقت لوگوں کو مسجد سے نکلوا دیا، تحائف اور عطیات میں غریبوں اور محتاجوں کو نظر انداز کیا اور آخر میں جمعہ کا خطبہ منبر پر بیٹھ کر دیا جس سے مدینہ والے سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ البتہ امام سعید بن المسیب کے مسجد سے نہ نکلنے کو لوگوں نے خوب سراہا۔

ولید اور عمر بن عبدالعزیز

ولید بن عبدالملک 46 ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا زمانہ خلافت 86 ہجری سے 96 ہجری تک دس برس کا ہے۔ 87 ہجری میں اس نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا والی مقرر کیا اور آپ سات برس تک مدینہ کے گورنر رہے۔ پھر ولید نے حجاج بن یوسف کے اکسانے پر آپ کو 93 ہجری میں امارت مدینہ سے معزول کر دیا۔ ولید کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز کا معاملہ ہمیشہ ایک ناصح عالم دین اور مخلص مشیر کا رہا۔

قدیم دمشق کی ایک تصویر

سوئے دمشق روانگی

ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو معزول تو کر دیا، مگر ان سے تعلقات ختم نہیں کیے۔ آپ مدینہ سے اپنی ذاتی زمین سویداء میں آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے پھر وہاں سے دمشق جا کر ولید کی مجلس شوریٰ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ اسے اچھے مشوروں سے نواز سکیں اور اسے عدل و انصاف کی راہ سے ہٹنے نہ دیں۔ آپ کا خیال تھا کہ جب وہ دمشق میں ہوں گے تو قریبی عزیز اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے ولید کو انہیں اپنا مقرب بنانا ہی پڑے گا۔ اس طرح بعض نازک مسائل کے فیصلے کرتے وقت اسے چار و ناچار آپ سے مشورہ بھی لینا ہی پڑے گا۔ چونکہ آپ فقیہ، محدث اور مجتہد بھی تھے اس لیے ولید نے آپ کو مشیر اور مفتی کی حیثیت سے اپنا مقرب بنا لیا۔

عمر بن عبدالعزیز کو جب کبھی موقعہ ملتا تھا تو آپ اسے اس کے حکام اور گورنروں کے سلسلے میں آڑے ہاتھوں لیا کرتے تھے اور ناراض ہو کر بطور خیر خواہی کے نصیحت کیا کرتے تھے۔ کبھی نصیحت میں اسے ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے۔ اور اس کے غصہ کی بلکہ حد سے زیادہ غصہ کی بھی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔

ولید کو نصیحت اور حجاج کی سازش

عمر بن عبدالعزیز ایک روز خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس گئے تو ان سے کہا: میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں جب آپ کے پاس وقت ہو گا مجھے بلوا لیجیے گا۔ خلیفہ نے کہا: بہتر، پھر چند دن گزرے تو عمر بن عبدالعزیز کسی کام سے خلیفہ سے ملنے کے لیے گئے۔

ولید نے دربان سے پوچھا کہ دروازے پر کون کون ہیں؟ اس نے چند آدمیوں کا نام لیا۔ انہی میں عمر بن عبدالعزیز بھی تھے۔ ولید نے کہا: عمر بن عبدالعزیز کو اندر بلالو۔ آپ اندر تشریف لائے، ولید نے کہا: ہاں! ابوحفص! آپ کچھ نصیحت کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے فرمایا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کے بعد خونریزی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ آپ کے حکام لوگوں کو بے دریغ قتل کر دیتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ اس مقتول کا جرم یہ تھا۔

اس سلسلہ میں قیامت کے روز آپ ہی سے مسؤلیت ہوگی اور آپ ہی کی گرفت ہوگی۔ اس لیے حکام کو لکھ دیجیے کہ کوئی کسی کو از خود سزائے موت نہ دے، بلکہ اس کا جرم آپ کو لکھ بھیجے اور اس پر گواہ بھی لائے، پھر آپ خود غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کریں۔

ولید نے کہا: ابوحفص! اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں برکت دے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے، کاغذ قلم لایا جائے، میں ابھی لکھ دیتا ہوں۔ کاغذ قلم لایا گیا۔ خلیفہ نے تمام گورنروں کو یہ حکم لکھ بھیجا، سوائے حجاج کے کسی نے اس حکم سے تنگی محسوس نہیں کی۔ اس کو یہ حکم بڑا شاق گزرا اور اس پر بڑا تلملایا، اس کا خیال تھا کہ یہ حکم میرے سوا کسی اور کو نہیں بھیجا گیا۔ اس نے تفتیش کرائی تو معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں، حجاج نے کہا: یہ آفت ہم پر کہاں سے پڑی؟ امیر المؤمنین کو یہ مشورہ کس نے دیا؟

اسے بتایا گیا کہ یہ کارنامہ عمر بن عبدالعزیز نے انجام دیا ہے۔ سن کر بولا: آہ! اگر مشورہ دینے والا عمر ہے تو اس حکم کو رد کرنا ممکن نہیں۔

حجاج نے بکر بن وائل کے ایک دیہاتی خارجی کو بلوایا جو بڑا اکھڑ اور بدمزاج تھا۔ حجاج نے اس سے پوچھا: معاویہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے ان کی عیب جوئی کی۔

پھر پوچھا: یزید کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس نے یزید کو گالیاں سنا دیں۔ پھر پوچھا: عبدالملک کیسا تھا؟ اس نے کہا: ظالم تھا۔

پھر پوچھا: ولید موجودہ خلیفہ کیسا ہے؟ اس نے کہا: یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہے، کیونکہ اس نے تیرے جور وستم کو جانتے ہوئے بھی تجھ جیسے ظالم کو ہم پر مسلط کر دیا۔

حجاج اس پر خاموش ہو گیا، اسے ایک اچھا خاصہ بہانہ مل گیا تھا۔ اس نے اس خارجی کو ولید کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

''میں اپنے دین کے معاملے میں بے حد محتاط ہوں۔ جس رعایا پر آپ نے مجھے حاکم بنایا ہے ان کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہوں اور میں اس بات سے بچتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو قتل کر دوں جو اس کا حقدار نہ ہو۔ لیجیے! میں آپ کے پاس ایک شخص کو بھیج رہا ہوں، میں اسی قسم کے لوگوں کو ان کے خیالات فاسدہ کی بنا پر قتل کیا کرتا تھا۔ اب آپ جانیں اور یہ جانے۔''

خلفاء کو گالیاں دینے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ کی رائے میں انہیں قتل کر دیا جائے۔

ولید نے عین دوپہر کے وقت آدمی بھیج کر خلاف معمول عمر بن عبدالعزیز کو بلوایا۔ عمر بن عبدالعزیز تشریف لائے تو ولید کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا۔ یہاں! اور اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں عموماً مجرمین کو بٹھایا جاتا تھا، بیٹھ جائیے۔ عمر بن عبدالعزیز بیٹھ گئے۔ اس وقت ولید کے پاس سوائے ایک بے رحم جلاد خالد بن ریان کے جو ننگی تلوار لیے کھڑا تھا، کوئی اور نہ تھا۔

پھر ولید عمر بن عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: خلفاء کو گالیاں دینے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ کی رائے میں انہیں قتل کر دیا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز خاموش رہے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو ڈانٹا اور کہا: آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اب بھی عمر بن عبدالعزیز خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ولید نے ڈانٹ کر پوچھا، مگر عمر بن عبدالعزیز خاموش ہی رہے۔ جب بار بار ولید پوچھتا ہی رہا تو عمر بن عبدالعزیز نے تنگ آ کر جواب دیا کہ اسے سزا دی

جائے۔ اس سے خلیفہ کا غصہ اور بھی بھڑکا، کیونکہ وہ عمر بن عبدالعزیز سے قتل کا فتویٰ چاہتا تھا۔

پھر ولید نے خارجی سے پوچھا کہ فلاں فلاں خلیفہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ خارجی نے اس کی مذمت کی اور اس پر لعنت و ملامت کی۔ پھر پوچھا: اور میرے بارے میں کیا کہتا ہے؟ خارجی نے کہا تو ستم گر ہے ظالم ہے سخت گیر ہے۔ ولید نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ جلاد نے اس کی گردن اڑا دی۔

ولید وہاں سے اٹھ کر گھر چلا گیا اور عین دوپہر کے وقت خادم سے کہا: ذرا عمر بن عبدالعزیز کو بلا لاؤ، وہ بلا لایا۔

ولید نے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ابو حفص! کیا خیال ہے؟ ہم نے ٹھیک کیا یا غلط؟

عمر نے فرمایا: آپ نے اسے قتل کر کے ٹھیک نہیں کیا۔ اس سے بہتر اور درست اقدام یہ تھا کہ آپ اسے جیل بھجواتے، پھر یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و انابت اختیار کر لیتا یا موت اس کو آلیتی۔

ولید: اس نے مجھے اور میرے باپ عبدالملک کو گالیاں دیں اور وہ خارجی تھا، مگر پھر بھی آپ کے خیال میں میں نے اسے قتل کر کے ٹھیک نہیں کیا۔

عمر بن عبدالعزیز: جی نہیں! اللہ کی قسم! میں اسے جائز نہیں سمجھتا، آپ اسے قید بھی تو کر سکتے تھے اور اگر معاف ہی کر دیتے پھر تو کیا ہی بات تھی۔

ولید یہ سن کر غصہ سے اٹھ کر چلا گیا۔ ابن الریان نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا: ''ابو حفص! اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے تو امیر المؤمنین کو ایسے جوابات دیے کہ مجھے خطرہ ہو گیا کہ وہ مجھے آپ کی بھی گردن اڑا دینے کا حکم فرمائیں گے۔

عمر نے فرمایا: اگر وہ حکم دے دیتے تو تم یہ کام کر ڈالتے؟ اس نے کہا: یقیناً، عمر بن عبدالعزیز کو اس کمینہ جلاد کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ لیکن آپ نے اپنا غصہ ضبط کیا، مگر اس کا جملہ آپ نے اپنے دل و ماغ میں محفوظ کر لیا۔

واضح رہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے دور خلافت میں ابن الریان کو معزول کر دیا تھا۔

ولید کو ایک اور مخلصانہ مشورہ

ایک دن ولید نے عزم کیا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے سبکدوش کر کے اپنی اولاد کی طرف منتقل کر دے۔ اسے اس سلسلے میں عمر بن عبدالعزیز کے تعاون کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! ہم نے آپ دونوں بھائیوں کے لیے ایک ہی وقت میں بیعت کی تھی تو ہم کس طرح سلیمان کو الگ کر سکتے ہیں اور آپ کو بحال رکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے عمر بن عبدالعزیز اور ولید کے درمیان اختلاف کی گہری خلیج حائل ہو گئی۔

95 ہجری میں حجاج فوت ہو گیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز کو حجاج کی موت کی خبر ملی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ قرہ بن شریک عنبسی مصر کا حاکم تھا، وہ بھی حجاج کی طرح ہی ظالم اور جابر تھا۔ وہ بھی حجاج کے فوراً بعد وفات پا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز ولید پر اکثر اعتراض کرتے رہتے تھے کہ مصر پر قرہ کو کیوں عامل بنایا گیا۔ اس سلسلے میں دوسرے لوگ بھی ولید پر ایک زمانے سے معترض تھے، لیکن ولید عمر بن عبدالعزیز اور دیگر لوگوں کی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

لوگوں کی حالت زار پر اظہار تاسف

عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن خود سے مخاطب ہو کر کہا: میں قسم قسم کا ریشمی لباس استعمال کرتا ہوں اور عمدہ سے عمدہ بیش قیمت غذا کھاتا ہوں۔

خوب مالدار ہوں، کثرت سے خوشبو لگاتا ہوں اور انتہائی خوشبودار تیل استعمال کرتا ہوں؛ حتیٰ کہ میری مہر کی مٹی عنبر کی وجہ سے میلی ہو جاتی ہے۔ عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ان کے پاس پہننے کے لیے اچھے کپڑے اور کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ بعض فاقہ تک کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو وافر مقدار میں پانی تک دستیاب نہیں کہ وہ اطمینان سے غسل کر سکیں اور پی سکیں۔

اس نکتہ پر پہنچ کر کبھی کبھی عمر بن عبدالعزیز کے دل میں یہ خیال آتا کہ اگر زندگی کے کسی مرحلے پر

مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا تو میں اپنی ساری طاقت ملک سے یہ خرابیاں دور کرنے پر لگا دوں گا۔ میں اپنے تمام عیش وعشرت والے کاموں سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ بقدر ضرورت معمولی کپڑے پہنوں گا اور برائے نام رزق کھا کر گزارہ کروں گا، کبھی فاقہ بھی کروں گا۔ بقدر حاجت ضرور یہ دنیا کا مال رکھوں گا اور فقیرانہ زندگی بسر کروں گا۔

تبدیلی بتدریج ہی آتی ہے

عمر بن عبدالعزیز انتہائی پختہ رائے اور فہم کے مالک تھے آپ فوراً ہی طعام وشراب، مال ومنال اور لباس وخوشبو سے دستبردار نہیں ہوئے۔

یہ تو مشکل ہے کہ انسان دفعۃً پارسا بن جائے۔ کیونکہ نفوس بری باتوں کی طرف حریص و راغب ہوتے ہیں۔ نفس کا دبانا بڑا مشکل کام ہے۔ امراء تو عیش وعشرت کی تاک میں رہتے ہیں۔ خلفاء بظاہر پارسا ہوں۔ موٹا جھوٹا کھاتے اور پہنتے ہوں اور ہمدرد وناصح کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں۔ مگر اندر سے وہ نہ بنیں جو باہر ہیں تو پھر ہر چھپی چیز کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ جب رعایا پر حکومت کی جہالت واضح ہو جاتی ہے تو ان کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوتی ہیں اور سمجھنے والے دل ہوتے ہیں۔

ایک انصاری کا واقعہ

عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ”انصار“ کا ایک شخص آیا اور عرض کیا: امیر المؤمنین! میرے بارے میں میرے والد کا کارنامہ یاد رکھیے۔ فرمایا: تیرے باپ کا کارنامہ کیا ہے؟ عرض کیا: امیر المؤمنین! ایک مشرک عورت رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ میرے والد نے جو نابینا انصاری تھے، کہا: کوئی ایسا شخص نہیں جو آپ ﷺ کی جانب سے اس عورت سے نمٹ لے۔ اچھا! مجھے اس کے راستہ پر بٹھا دو اور جب وہ گزرے تو مجھے خبر کر دو۔“ ان کو راستہ پر بٹھا دیا گیا، جب ان کو اس عورت کے گزرنے کی خبر ہوئی تو لپک کر حملہ کیا اور اسے ٹھکانے لگا دیا۔ یہ سن کر جناب عمر نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم اس طرح ہے، فرمایا:

”یہ ایسے فضائل ہیں جو وقت کی لوح جبیں پہ ہمیشہ زندہ وتابندہ رہتے ہیں۔“

عمر بن عبدالعزیز کی علمی صلاحیت وعبادت

عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں زندگی کا ایک حصہ وہ ہے جب آپ امیر المؤمنین نہیں بنے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ابھی آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب آپ اپنی آرائش ولباس پر خوب خرچ کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ نہایت قیمتی لباس اور خوشبو استعمال کرتے تھے۔ جس جگہ سے گزر جاتے کافی دیر تک خوشبو آتی رہتی، مگر اس کے ساتھ ساتھ علمائے کرام سے رابطہ، ان کی صحبت، علمی مجالس میں شرکت، شعر وشاعری، محدثین کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور ان سے علم حاصل کرنا، یہ ایسی باتیں تھیں جو ان کو دیگر اموی شہزادوں سے ممیز کرتی تھیں۔ انہوں نے بعض احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ علماء کی مسلسل مجالس اور علمی مذاکروں کے ذریعے ان کا علم اتنا زیادہ ہو چکا تھا کہ جب آپ ملک شام جاتے تو شام کے علماء آپ سے فتاویٰ پوچھتے، آپ ان کو بالکل درست جوابات دیتے تھے۔

بعض لوگ ان کا امتحان لینے کے لیے ان سے سوالات کرتے، مگر امتحان لینے کے بعد انہیں بھی اس بات کا یقین ہو جاتا کہ آپ کا علم بہت پختہ اور راسخ ہے۔ میمون بن مہران اس دور کے مشہور عالم

تھے۔ ان کا کہنا ہے: عمر بن عبدالعزیز ہمارے پاس آئے تو ہمارا خیال تھا کہ یہ علمی معاملات میں ہمارے محتاج ہوں گے، مگر جب ان سے گفتگو ہوئی، علمی مذاکرہ ہوا تو ہماری توقع کے برعکس ہم ان کے شاگرد ہو گئے۔ ہم نے انہیں بہت بڑا عالم پایا۔

مسجد نبوی میں تعلیم دینے والے عالم زید بن اسلم کہتے ہیں: ایک مرتبہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کی امامت میں ظہر کی نماز کی، پھر ہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اس وقت کچھ بیمار تھے اور مرض کے باعث نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ کہنے لگے: کیا آپ لوگوں نے نماز ظہر ادا کر لی؟ ہم نے کہا: جی ہاں! ہم نے عمر بن عبدالعزیز کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ فرمانے لگے: میں نے اس نوجوان کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز میں جو مشابہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے پائی ہے وہ مجھے کہیں اور نہیں ملی۔

زید کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے تو قیام وقعود ہلکا اور رکوع وسجود طویل کرتے تھے۔ ایک صحیح روایت کے مطابق وہ دس دس بار تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔ میمون بن مہران کا کہنا ہے کہ ان کے علم کی کیفیت یہ تھی کہ بڑے بڑے علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاگرد دکھائی دیتے تھے۔

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے وقت کے مجدد تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا)

(سنن أبي داود: 4291 وصححه الشيخ الألباني رحمه الله)

''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے شروع میں ایک ایسی شخصیت پیدا کرے گا جو امت کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔''

ابو عمر مولیٰ اسماء بنت ابی بکر کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ جدہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوا۔ میرے پاس عمر بن عبدالعزیز کے لیے کچھ تحائف تھے۔ آپ اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی گود میں قرآن

کریم کا نسخہ تھا۔ وہ پورے خشوع وخضوع سے قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے اور ان کے آنسو زاروقطار ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ جب آپ کوئی چیز صدقہ کرنا چاہتے تو کہتے: اس کے لیے مدینے میں کوئی ضرورت مند گھرانہ تلاش کیا جائے۔

جب سے عمر بن عبدالعزیز کو خلافت ملی تھی اس وقت سے آپ ہمیشہ سہمے رہتے تھے اور آپ نے دل لگی چھوڑ دی۔ ہنسی مذاق کو رذالت سمجھتے تھے کہ اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے ہنسی مذاق بہت کم کردیا تھا۔

آپ برابر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ نیز عرفہ اور عاشورے کا بھی روزہ رکھتے۔ محرم الحرام میں بھی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔

وہ روزانہ قرآن کریم خواہ تھوڑا ہی سہی، مگر پڑھا ضرور کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کثیر العبادت نہ تھے۔ لیکن عبادت پر ہمیشگی کیا کرتے تھے۔ آپ کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بہت مشابہ تھی۔ ابو قلابہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابیوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے رکوع اور سجدے کے بارے میں کہا: آپ ﷺ جس طرح نماز پڑھتے تھے ویسی ہی نماز عمر بن عبدالعزیز بھی پڑھا کرتے تھے۔

عمر بن مورق کا واقعہ

عمر بن مورق کہتے ہیں: میں شام میں تھا اور عمر بن عبدالعزیز لوگوں میں مال بانٹ رہے تھے۔ میں بھی بڑھ کر آپ کے سامنے گیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ تم کون ہو؟

میں بولا: قریشی ہوں۔ پوچھا: قریش کے کس خاندان سے ہو؟ میں بولا: ہاشمی ہوں۔ پوچھا: ہاشم کے کس خاندان سے؟ میں خاموش ہوگیا، پھر آپ نے پوچھا۔ کس بنی ہاشم سے ہو؟ میں نے کہا۔ میں علی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں۔

پھر آپ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: علی کے غلام! مجھ سے چند حضرات نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے: میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ پھر فرمایا۔

مزاحم! ان جیسوں کو کتنا دیتے ہو؟ مزاحم نے جواب دیا۔ سو یا دو سو درہم، فرمایا انہیں پچاس دینار دو۔ کیونکہ یہ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والے ہیں۔ پھر ان سے عمر نے فرمایا: اپنے شہر چلے جاؤ، تمہارے جیسوں کا وظیفہ تمہیں بھی ملا کرے گا۔

دینی علوم

عمر بن عبدالعزیز قرآن پاک کے مشکل الفاظ کے بھی مفسر تھے۔ نیز حدیثیں بھی روایت کرتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ خصوصا فقہ کے باب زہد، باب عدل اور باب نصیحت و خیر خواہی میں وسیع معلومات رکھتے تھے۔ آپ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: حدیثیں جمع کر کے لکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ علماء کے فوت ہو جانے کے بعد علم مٹ جائے جیسا کہ آپ نے اطراف کے ممالک کے والیوں کو لکھا تھا کہ تلاش کر کر کے حدیثیں جمع کر لیں۔

آپ کے زمانے میں علم قرآن و فقہ اسلامی حکومت کے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا اور افریقہ کے مغربی علاقوں میں بربری مسلمانوں میں علم کی یہ ابتدائی ترقی تھی۔

عمر کی طرح کسی اور خلیفہ نے علم شریعت و فقہ کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ عمر رحمہ اللہ سے پہلے یہ علم مستقل دروس کے حلقوں میں ترقی کر رہا تھا جو خلفاء کی طرف سے قائم تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کی رائے میں علم کی حد یہ تھی کہ وہ قناعت کی دعوت دے اور لالچ سے روک دے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: علم سیکھو، کیونکہ علم مالدار کے لیے زینت ہے اور نادار کے لیے غیبی امداد ہے۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ میرا یہ مطلب نہیں کہ علم سے یہ چیزیں طلب کی جاتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علم نادار کو قناعت کی دعوت دیتا ہے۔ اگر آپ کسی شخص میں بقدر ضرورت علم نہ پاتے تو اس سے فرمایا کرتے تھے:

اگر ہو سکے تو عالم بنو ورنہ کم از کم متعلم بنو۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو علماء اور طلبا سے محبت ہی رکھو اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ان سے بغض نہ رکھو۔

دینی اور دنیوی علوم کی ترغیب

آپ شروع میں سب سے اعلیٰ علم حاصل کرتے تھے۔ یعنی وہ علم جو قرآن و حدیث و فقہ کے اردگرد گھومتا ہے، پھر آپ نے محسوس کیا کہ میرے لیے اس سے زیادہ علم سیکھنا ضروری ہے۔ جب آپ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو آپ نے محسوس کیا کہ اتنا علم کافی نہیں۔ اکابر کی صحبت عوام سے بے نیاز نہیں کرتی اور دینی علم دنیاوی علوم سے بے نیاز نہیں کرتا اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے:

میں اکابر علماء کی صحبت میں رہا کرتا تھا اور شریف علم طلب کیا کرتا تھا۔ پھر جب میرے ہاتھ میں خلافت آگئی تو مجھے دوسرے دنیوی علوم کی بھی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس لیے دینی اور دنیاوی ہر طرح کے علوم سیکھو۔

علوم کی نشرواشاعت کا اہتمام

آپ نے علم کی نشرواشاعت کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ آپ نے علماء کو بھی لکھ دیا تھا کہ اپنی اپنی مسجدوں میں علم پھیلاتے رہیں، کیونکہ سنتوں کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے سنتیں آہستہ آہستہ مٹ جاتی ہیں۔

ایک دن آپ نے خطبہ میں فرمایا: لوگو! طبیب سخت بیماریوں کے لیے ہی بلایا جاتا ہے۔ دیکھو! جہالت سے زیادہ شدید بیماری کوئی نہیں اور گناہوں سے زیادہ گندا مرض کوئی نہیں اور موت سے زیادہ سنگین خوف کوئی نہیں۔

> جہالت سے زیادہ
> شدید بیماری کوئی نہیں
> اور گناہوں سے زیادہ
> گندا مرض کوئی نہیں
> اور موت سے زیادہ
> سنگین خوف کوئی نہیں۔

جب آپ کو علم کے بھلائے جانے کا ڈر ہوا تو آپ نے اصول علم کو راسخ کرنے کے لیے یہ خوبصورت اور اہم قدم اٹھایا کہ یہ حکم نافذ فرما دیا: علم کی حفاظت لکھ کر کی جائے اور اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے حکومتی سطح پر احادیث کو جمع کیا۔

شادی بیاہ میں دُف بجانے کی اجازت
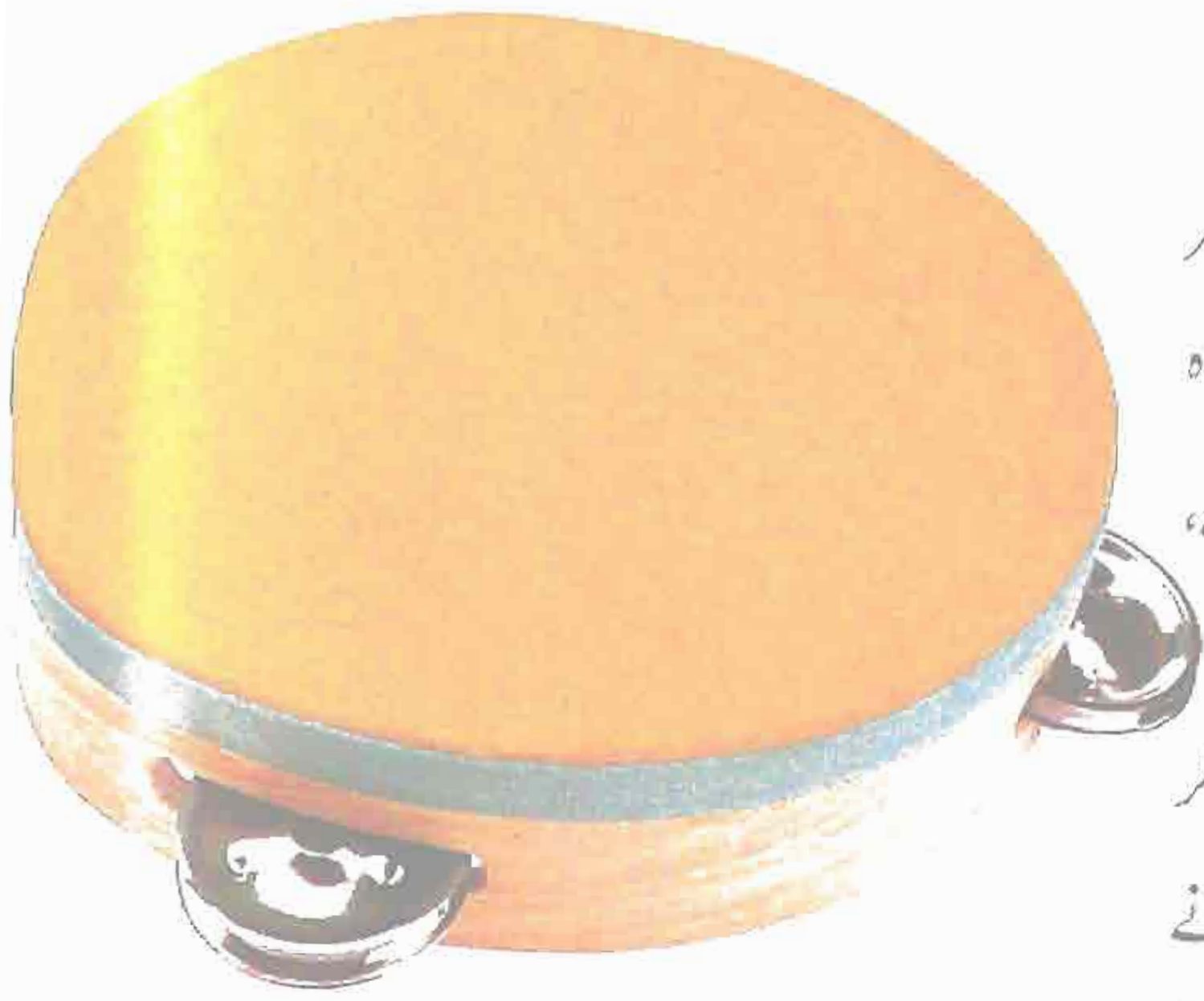
یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں: میں نے عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں لکھا کہ شادی بیاہ میں جو یہ دُف اور سارنگی وغیرہ بجائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے تحریر فرمایا: جو لوگ سارنگیاں بجاتے ہیں، انہیں تو منع کر دو؛ البتہ جو لوگ دُف بجاتے ہیں انہیں بجانے دو۔ کیونکہ اس سے نکاح وسفاح یعنی حرام کاری کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے۔

نکاح کی صحت کے لیے اعلان ضروری ہے اور دف کی آواز سے یہ مقصد خوب اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شرعاً جائز ہے۔

فصاحت وبلاغت

عمر بن عبدالعزیز اہل علم کی مجالس میں بیٹھنے کے باعث بہت فصیح اللسان ہو گئے تھے۔ ابو مقدام بیان ہے: قریش جب آپس میں رشتہ داری کرتے تو رشتہ طلب کرنے والے کی طرف سے طویل کلام کو پسند کیا جاتا اور رشتہ کی ہاں کرنے والے اولیاء الامور کی طرف سے مختصر جواب پسند کیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ میں اس مجلس میں حاضر تھا جب محمد بن ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے عمر بن عبدالعزیز سے ان کی ہمشیرہ ام عمر بنت عبدالعزیز کا رشتہ طلب کیا۔ محمد بن ولید نے نہایت جچے تلے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا اور گزارش کی کہ وہ ان کی ہمشیرہ کے رشتہ کے طلب گار ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا: تمام تعریفیں اللہ ذوالکبریاء کے لیے ہیں اور درود وسلام خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر ہو۔ اما بعد! آپ کی رغبت ہمشیرہ کے رشتہ میں ہمیں معلوم ہوئی اور ہم نے آپ کی رغبت کو قبولیت بخشی۔

ہم اپنی پیاری بہن آپ کی زوجیت میں دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم نے آپ کو چنا ہے اور آپ پر

کسی دوسرے کو فوقیت نہیں دیتے۔

ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے امام زہری سے کہا: آپ جب بھی کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو میں نے پہلے وہ سن رکھی ہوتی ہے، مگر آپ کا حافظہ مجھ سے بہتر ہے کہ آپ ان احادیث کو یاد رکھتے ہیں جبکہ میں یاد نہیں رکھ سکا۔

رجاء بن حیوہ کندی کی زوردار شخصیت

رجاء بن حیوۃ بن جرول کندی اردن کے علماء میں سے تھے اور تمام شامیوں میں اپنے زمانے میں بڑے عبادت گزار، ہردلعزیز، حکیم، فصیح و بلیغ، سنجیدہ اور پروقار تھے۔ خلفاء ان کو ان کی فضیلت کی وجہ سے پہچانتے تھے اور انہیں وزیر و مشیر اور اولاد و حکام کے نگران بنا دیا کرتے تھے۔ سلیمان کے زمانے میں تو رجاء سلیمان کے خاص الخاص آدمی تھے اور انہیں وہ مقام حاصل تھا جو کسی کو بھی نہ تھا۔ سلیمان ان پر بھروسہ کرتا تھا اور ان کے مشوروں سے راحت پاتا تھا۔

رجاء بن حیوہ کا خواب

سعید بن صفوان کہتے ہیں: عبدالملک بن ارطاۃ، رجاء بن حیوہ کندی اور عمر بن عبدالعزیز کی آپس میں گہری دوستی تھی اور یہ تینوں عبادت و طاعت میں ہم صحبت تھے۔ بنو مروان میں عمر بن عبدالعزیز کو سلیمان کے ہاں بڑا مرتبہ حاصل تھا اور اسے آپ سے خصوصی تعلق خاطر تھا۔ وہ عمر کے علم و فضل اور تقویٰ و عبادت سے بہت متاثر تھا۔ خلیفہ نے عمر کے حالات معلوم کرنے کے لیے رجاء بن حیوہ کو ان کے پاس بھیجا؛ تاکہ وہ عمر کے طور طریقوں اور سیرت و روش کی ٹھیک خبر لائے۔ دراصل سلیمان کے دل میں عمر بن عبدالعزیز کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کا خیال تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کہاں تک اس کی صلاحیت و اہلیت رکھتے ہیں۔ رجاء بن حیوہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے۔ آپ نے ان کی تعظیم و تکریم اور لطف و نوازش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ چند دن آپ کے یہاں ان کا قیام رہا۔ معمول یہ تھا کہ ہر صبح نماز فجر کے بعد وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس چلے جاتے۔ دونوں کی نجی مجلس ہوتی، جب تک رجاء بن حیوہ باہر نہ آجاتے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوتی۔

ایک دن جب رجاء عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے تو عمر تو ان سے مخاطب تھے، مگر رجاء کا ذہن غیر حاضر تھا۔ انہوں نے گزشتہ شب ایک خواب دیکھا تھا اور اسی کی سوچ میں مستغرق تھے۔ عمر نے ان سے فرمایا: کیا قصہ ہے؟ آپ کا ذہن کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: دراصل میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے، بس اسی کو سوچ سوچ کر تعجب کر رہا ہوں۔ عمر نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، بیان تو کیجیے کیا خواب دیکھا آپ نے؟ انہوں نے کہا: جی ضرور بیان کروں گا اور اس میں کچھ حصہ آپ کا بھی ہے۔

خواب یہ ہے کہ میں نے آج رات دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ میں ابھی ان کھلے دروازوں کو دیکھ ہی رہا ہوں کہ اچانک دو فرشتے اترے، ان کے ساتھ ایک تخت ہے۔ میں نے ایسا خوب صورت تخت کبھی نہیں دیکھا۔ یہ تخت انہوں نے مدینہ میں لا کر رکھا، پھر اوپر چلے گئے۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، وہ دونوں آسمان کے دروازوں میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر آئے، اس بار ان کے پاس ایسے سفید کپڑے تھے کہ میں نے ایسے بہترین کپڑے کبھی نہیں دیکھے۔ ان کی مہک میرے مشام جاں کو معطر کر رہی تھی۔ میں ان دونوں کے قریب گیا اور ان سے دریافت کیا کہ یہ کپڑے کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ سندس و استبرق ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ پھر وہ اوپر چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ ایک شخص کو لائے، جس کا حلیہ یہ تھا۔

یہ سن کر میں تو کانپ گیا اور الٹے پاؤں ہٹتے ہٹتے اتنی دور جا کھڑا ہوا جہاں سے یہ سارا منظر نظر آ رہا تھا اور گفتگو بھی سنائی دے رہی تھی۔

آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت سرخ و سفید اور سرمگیں۔ زلفیں نہایت سیاہ، کانوں کی لو تک۔ دونوں کندھوں کے درمیان کا فاصلہ اچھا خاصا، جسم سڈول، گندھا ہوا اور شخصیت سراپا ہیبت و وقار۔ دونوں فرشتوں نے ان صاحب کو اس تخت پر جو سندس و استبرق کے فرش پر بچھا ہوا تھا لا کر بٹھا دیا۔ میں نے قریب جا کر دریافت کیا، یہ کون بزرگ ہیں؟ فرشتوں نے بتایا: ”آپ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں؟ یہ سن کر میں تو کانپ گیا اور الٹے پاؤں ہٹتے ہٹتے اتنی دور جا کھڑا ہوا جہاں سے یہ سارا منظر نظر آ رہا

تھا اور گفتگو بھی سنائی دے رہی تھی۔

دریں اثنا ایک اور شخص کو لایا گیا، جسم میانہ، بدن پر گوشت، اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ اسے لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، اسلام میں اس کے کارناموں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: تو میرا رفیق غار ہے، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے مگر یہاں معاملہ میرے بس کا نہیں کسی اور کے سپرد ہے۔ میں تیرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ صاحب بدستور کھڑے رہے، کچھ دیر بعد حکم ہوا، ان کو چھوڑ دیا گیا اور تخت کے ایک طرف زمین پر بٹھا دیا گیا۔

پھر ایک اور شخص کو لایا گیا۔ جسم نہایت خوب صورت اور ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے لا کر آپ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس کے اسلامی کارناموں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: تو فاروق رضی اللہ عنہ ہے، جس کے ذریعہ اللہ عز وجل نے دین کو عزت بخشی۔ تو وہی ہے جس نے یہود کو ٹھکانے لگایا، مگر یہاں کا معاملہ میرے بس کا نہیں، کسی اور کے سپرد ہے۔ میں تیرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ صاحب کچھ دیر کھڑے رہے، پھر ان کی بھی رہائی کا حکم ہوا اور انہیں جناب ابوبکر کے پاس بٹھا دیا گیا۔

پس اسی طرح ایک ایک خلیفہ کو لایا جاتا رہا، یہاں تک کہ آپ کا نمبر آیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے جب اتنا سنا تو کانپتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ہاں! ابو المقدام! ذرا جلدی بتانا پھر میرے ساتھ کیا گزری؟

انہوں نے کہا: آپ کو لایا گیا۔ آپ کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ بڑی دیر تک آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا رکھا گیا، بالآخر رہائی کا حکم ہوا اور آپ کو سیدین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بٹھایا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز کو اس خواب سے بڑی حیرت ہوئی اور رجاء بن حیوہ سے فرمایا: اگر تمہارے ورع وتقویٰ ریاضت ومجاہدہ، صدق و وفاء اور دوستی ورفاقت پر مجھے اعتماد نہ ہوتا تو آپ کو بتاتا کہ آپ کا

خواب صحیح نہیں، کیونکہ میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ میں کبھی اس امر خلافت کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ آپ کا خواب اور آپ کی گفتگو سن کر مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں چاہوں یا نہ چاہوں مجھے اس امت کی خلافت میں مبتلا ہونا ہی پڑے گا۔ واللہ! اگر میں اس میں مبتلا ہوا تو یہ دنیا کا شرف تو ہے ہی، مگر میں اس کے ذریعہ آخرت کا شرف حاصل کروں گا۔

آپ کا خواب اور آپ کی گفتگو سن کر مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں چاہوں یا نہ چاہوں مجھے اس امت کی خلافت میں مبتلا ہونا ہی پڑے گا۔

ہاتھ بندھے ہونے سے مراد خلافت کی گراں بار ذمہ داری ہے۔ اسلام میں اقتدار کوئی انعام نہیں، بلکہ انتہائی جانگسل ذمہ داری ہے جسے نبھاتے ہوئے بڑے بڑے علماء و زعماء کانپا کرتے تھے۔

ولید کی وفات اور سلیمان کی آمد
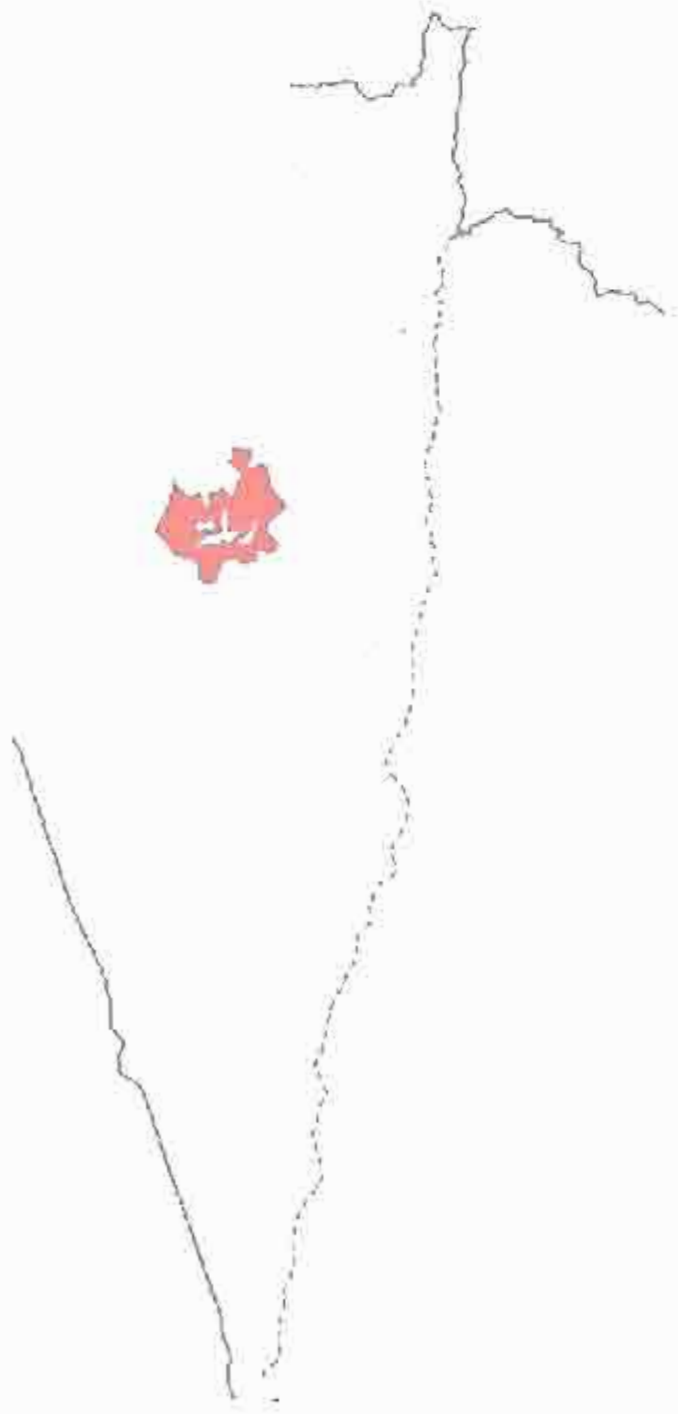
ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ ولید فلسطین کے شہر رملہ گیا۔ رملہ ایک بڑا شہر تھا اور وہاں مسلمان فوج کی چھاؤنی تھی۔ ولید وہاں رملہ کا معائنہ کرنے گیا تھا اور بیمار ہو گیا۔ آخر اسی بیماری میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی خلیفہ بنتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے دمشق میں خود کھڑے ہو کر لوگوں سے سلیمان کے لیے اسی دن بیعت لی جس دن ولید فوت ہوا۔

ولید و سلیمان کے اخلاق کا موازنہ

ولید کی بہ نسبت سلیمان نرم طبع، رحمدل، نصیحت کو سننے والا اور صحیح الرائے تھا۔ پھر سلیمان نے وزارت و مشورے کے لیے عمر بن عبدالعزیز کو منتخب کر لیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کا سلیمان کی نگاہ میں ایک مخصوص مقام اور مخصوص گوشہ تھا۔ بنو امیہ کے دیگر افراد کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں تھا۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سلیمان کے ایک خاص آدمی تھے۔

عمر بن عبدالعزیز وسلیمان کی رنجش

پھر عمر بن عبدالعزیز اور سلیمان کے درمیان ایک بحث چھڑ گئی۔ یعنی ایک شخص خود کو لوگوں کا سردار سمجھتا ہے اور بات انکل اور گمان سے کرتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ گرمی کے دنوں میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔ اتفاق سے عمر بن عبدالعزیز اور سلیمان کے غلام پانی پر آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے غلام سلیمان کے غلاموں کو پیٹ دیتے ہیں۔ سلیمان کے غلاموں نے سلیمان سے شکایت کی۔ سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا: آپ کے غلاموں نے میرے غلاموں کو مارا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز یہ کہتے ہوئے سلیمان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے: اللہ کی زمین آپ کی اس مجلس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

عمر بن عبدالعزیز بولے: مجھے معلوم نہیں۔ سلیمان نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس پر عمر بن عبدالعزیز ناراض ہو کر بولے: جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ عمر بن عبدالعزیز یہ کہتے ہوئے سلیمان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے: اللہ کی زمین آپ کی اس مجلس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

جب سلیمان کو معلوم ہو تو انہیں عمر بن عبدالعزیز کا جانا گوارا نہ ہوا۔ ان دونوں کی پھوپھی جان کو عمر بن عبدالعزیز کے جانے کی خبر لگ گئی۔ انہوں نے دونوں میں صلح کرا دی۔ سلیمان نے پھوپھی سے کہا: آپ عمر سے کہیں کہ وہ میرے پاس آ جائیں۔ آخر کار عمر بن عبدالعزیز سلیمان کے پاس چلے گئے، سلیمان نے معافی مانگ لی۔

کہنے لگا: ابوحفص! جب کبھی مجھے کوئی غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو مجھے آپ ہی یاد آتے ہیں۔ پھر عمر بن عبدالعزیز سلیمان ہی کے پاس ملک شام میں رہے اور مصر جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔

سلیمان کی بسیار خوری

عمر بن عبدالعزیز نے دیکھا کہ سلیمان کھانے کا بڑا حریص ہے اور کبھی سیر ہی نہیں ہوتا۔ آپ نے اسے حد سے زیادہ کھانے والا پایا۔ سلیمان کی حرص طعام پر عمر بن عبدالعزیز کو سخت حیرت تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ سلیمان زیادہ کھانے سے رک جائے اور کم کھائے۔ عمر بن عبدالعزیز جب سلیمان کے ساتھ ہوتے تو روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ سلیمان عمر بن عبدالعزیز کو روزہ دار سمجھ کر کھانے کو نہ کہتے تھے اور خود کھانوں پر پل پڑتے تھے اور دسترخوان کی تمام چیزیں چٹ کر جایا کرتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز و سلیمان کا ایک ساتھ حج

97 ہجری میں عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان کے ساتھ حج کیا اور سلیمان نے مدینہ کی زیارت کی سعادت حاصل کی، عمر بن عبدالعزیز ان کے ساتھ تھے۔ سلیمان نے بھی مدینہ والوں کے ساتھ ... کیا۔ جو ان سے پہلے ان کے بھائی ولید کر چکے تھے کہ لوگوں میں بہت کچھ تحائف بانٹے۔ سلیمان تحائف دینے کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے پاس تنہائی میں آئے تو ان سے پوچھا۔

ابو حفص! ان تحائف کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ابو حفص نے کہا: میں نے تو یہ دیکھا آپ نے مالداروں کی مالداری میں اضافہ کر دیا۔ اور ناداروں کو ان کی ناداری پر چھوڑ دیا۔ پھر سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز سے بات نہیں کی۔

حاجیوں کو دیکھ کر سلیمان کا اظہار مسرت

سلیمان بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز میدان عرفات پہنچے۔ سلیمان نے دیکھا کہ بہت بڑا اجتماع ہے اور لوگ پیدل اور سواریوں پر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ہیں۔ حاجیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع دیکھ کر سلیمان فرط مسرت سے کھل اٹھا۔ اس نے سوچا میرے دور خلافت میں لوگ تمام راستوں سے بھرپور سہولت کے ساتھ مکہ معظّمہ پہنچے ہیں۔ چنانچہ سلیمان عمر بن عبدالعزیز سے کہتا

پرانے وقتوں میں حج کے موقع کی ایک تصویر

ہے: ابو حفص! آپ حج میں لوگوں کی کثرت نہیں دیکھتے؟ آپ نے فرمایا: سلیمان! زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں یہ تمام لوگ قیامت کے دن اپنے حقوق کے سلسلے میں اللہ کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے۔

یہ تو اللہ کی رحمت ہے عذاب آیا تو کیا ہوگا؟

عرفات میں ابر چھا جاتا ہے اور وہ خوب زور سے گرجتا ہے، اس میں بجلی چمکتی ہے۔ جس سے حجاج گھبرا جاتے ہیں۔ سلیمان انتہائی خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے ہیں۔ وہ عمر بن عبدالعزیز کو دیکھتے ہیں؛ تاکہ ان سے ٹیک لگائیں اور تقویت حاصل کریں، مگر عمر بن عبدالعزیز ہنس رہے ہیں۔

سلیمان کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز! تم ان ہولناک مناظر کو دیکھ کر ہنس رہے ہو؟

عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں: امیر المؤمنین! یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے آپ اس قدر گھبرا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا جب اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امیر المؤمنین! یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے آپ اس قدر گھبرا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا جب اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

خلیفہ کی توہین پر مسلمان کا قتل؟

ایک شخص نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو برا بھلا کہا اور اس کی توہین کی۔

سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز سمیت لوگوں سے مشورہ کیا کہ اسے کیا سزا دی جائے۔ حاضرین نے کہا: اس کی گردن اڑا دی جائے، مگر عمر بن عبدالعزیز خاموش رہے۔ سلیمان نے کہا: عمر! آپ کچھ نہیں فرماتے؟ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''آپ اگر مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں تو سنیے: جہاں تک مجھے علم ہے نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سب وشتم پر کسی مسلمان کی خون ریزی جائز ہو۔''

لوگوں نے یہ جواب سنا تو سب اٹھ کر چلے گئے اور سلیمان بھی یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا: ''عمر! اللہ تمہارا بھلا کرے، اگر کسی قریشی کا قیمہ بنا دیا جائے تو تم تو شاید اسے پکانے لگ جاؤ گے (یعنی کسی قریشی کی عزت وحرمت کی تمہیں ذرا بھی پرواہ نہیں)۔''

سچ کے ذریعے نجات

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے زید بن حسن بن علی کو خط لکھا، جس میں زور دیا گیا تھا کہ وہ سلیمان بن عبدالملک کی (ولی عہدی کی) بیعت توڑ دیں اور خلیفہ کے بیٹے عبدالعزیز بن ولید سے بیعت کر لیں زید نے ولید کے خوف سے خط لکھ کر بیعت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ جب سلیمان خلیفہ ہوا تو زید کا یہ خط جس میں سلیمان کو معزول کر کے عبدالعزیز بن ولید کی بیعت کی بابت تحریر تھا اسے ملا۔ سلیمان نے خط مدینے کے گورنر ابوبکر ابن حزم کو بھیج دیا۔ ساتھ ہی یہ لکھا کہ زید بن حسن کو بلا کر یہ خط دکھاؤ۔ اگر وہ اس کا اقرار کر لیں کہ یہ انہوں نے ہی لکھا ہے تو یہ بات مجھے لکھ بھیجو اور اگر وہ مکر جائیں تو منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا کر کے ان سے یہ حلف لو کہ واللہ! انہوں نے یہ خط خود لکھا ہے نہ اس کا حکم کیا ہے۔

ابوبکر ابن حزم نے زید بن حسن کو بلا کر خط دکھایا، انہوں نے فرمایا: مجھے عشاء کے وقت تک مہلت

دی جائے؛ تاکہ میں استخارہ کرلوں۔
وہاں سے آکر زید بن حسن نے قاسم بن محمد اور سلام بن عبداللہ کو مشورے کے لیے بلایا۔ ان دونوں صاحبوں نے ربیعۃ الرائی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

زید نے ان علمائے کرام سے کہا: میں نے یہ خط ولید کے اصرار پر لکھا تھا۔ اگر میں اس کی فرمائش پوری نہ کرتا تو مجھے اس کی طرف سے جان کا خطرہ تھا۔ آپ حضرات کی کیا رائے ہے، کیا میں قسم کھالوں کہ یہ خط میں نے نہیں لکھا اور نیت یہ کرلوں کہ میں نے رضا و رغبت سے نہیں لکھا۔

ان فقہاء نے فرمایا: آپ منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسی قسم کھا کر اللہ سے جنگ کا خطرہ ہرگز مول نہ لیں۔ ہمیں توقع ہے کہ اللہ سچائی کے ذریعہ ہی آپ کو اس مخمصہ سے خلاصی دلائیں گے۔

چنانچہ زید نے قسم نہیں کھائی بلکہ صاف اقرار کرلیا کہ یہ خط میں نے ہی لکھا تھا۔ گورنر مدینہ ابوبکر ابن حزم نے سلیمان کو لکھ بھیجا۔ سلیمان نے ابوبکر کو لکھا کہ اسے سو درے لگائے جائیں اور ٹاٹ پہنا کر یا برہنہ گشت کرایا جائے۔

خط لکھا ہی تھا کہ سلیمان کو تکلیف شروع ہوگئی۔ عمر بن عبدالعزیز سلیمان کے پاس ہی تھے۔ انہوں نے قاصد سے فرمایا: ٹھہرو! ابھی نہ جاؤ، ہم اس حکم کے بارے میں امیر المؤمنین سے بات کریں گے۔ امید ہے کہ وہ بخوشی اس حکم کو واپس لے لیں گے۔

سلیمان کا مرض شدت اختیار کرگیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے قاصد سے فرمایا: دیکھو! امیر المؤمنین علیل ہیں؛ سردست تمہارا جانا مناسب نہیں۔ بالآخر سلیمان کا انتقال ہوگیا، خلافت جناب عمر بن عبدالعزیز کے سپرد ہوئی، آپ نے وہ تحریر منگوا کر چاک کردی۔

یزید بن ابی مسلم ثقفی کی فصاحت وبلاغت

ایک دن سلیمان نے یزید بن ابی مسلم ثقفی کو بلوایا جو حجاج بن یوسف کا آزاد کردہ غلام تھا اور اس کا کاتب و جانشین تھا۔ یہ بدصورت تھا اور توند نکلی ہوئی تھی۔ سلیمان نے پوچھا: بتاؤ! تمہاری حجاج کے بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا وہ جہنم میں گر رہا ہے؟ یزید کہنے لگا: امیر المؤمنین! ایسا نہ فرمائیے، کیونکہ حجاج نے آپ حضرات کو منبروں پر چڑھایا اور سرکشوں اور سرپھروں کو آپ لوگوں کا مطیع بنا دیا۔

ولید کے دائیں جانب اور عبدالملک کے بائیں جانب حجاج ہے۔ آپ اسے جہاں چاہیں ٹھہرا دیں۔ سلیمان اس شخص کی بلاغت سے حیران رہ گیا اور اس کی باتوں نے اس کے ہوش اڑا دیے۔ سلیمان بولا: اللہ اسے غارت کرے۔ اپنے آقا کا کتنا وفادار ہے؟ جب لوگوں کو تربیت دی جائے تو اسی جیسے لوگوں کی تربیت دی جانی چاہیے۔

سلیمان کی یزید کو سیکرٹری بنانے کی خواہش

سلیمان نے یزید کو اپنا کاتب بنانا کر اپنے معاونین اور خاص آدمیوں میں شامل کرنا چاہا، لیکن بن عبدالعزیز بولے: امیر المؤمنین! حجاج کا ذکر زندہ نہ کیجیے۔ سلیمان نے کہا: میں نے حجاج کے بارے میں تفتیش کی تو اس میں ایک دینار یا ایک درہم کی بھی خیانت نہیں پائی۔

ابلیس بھی خائن نہیں تھا مگر اللہ کے ایک حکم کی نافرمانی کے باعث راندہ درگاہ قرار پایا۔ رہا حجاج تو اس نے تو بندگان الٰہی کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: امیر المؤمنین! میں اس سے پہلے آپ کو بتا چکا ہوں کہ ابلیس بھی خائن نہیں تھا، مگر اللہ کے ایک حکم کی نافرمانی کے باعث راندہ درگاہ قرار پایا۔ رہا حجاج تو اس نے تو بندگان الٰہی کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ یہ سن کر سلیمان نے یزید کو سیکرٹری بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز سلیمان کو ابھارتے رہے، حتی کہ سلیمان حجاج کے ساتھیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سزائیں دینے لگا۔ اس سلسلے میں سلیمان بھی حد سے گزر گیا اور کئی بے گناہ بھی اس کے انتقام کی زد میں آگئے۔

کیا خلیفہ کی بیٹیاں ورثے کی حقدار نہیں

سلیمان کی رائے تھی کہ خلفاء کی بیٹیاں زمین میں ورثے کی حقدار نہیں۔ لہٰذا میراث کے معاملات میں اموی خاندان کے درمیان جھگڑے اور مسائل پیدا ہو گئے۔ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ مجھے فلاں خلیفہ کی بیٹی کی میراث ملنی چاہیے۔ سلیمان نے کہا: میرے خیال میں عورتیں وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتیں۔

عمر بن عبدالعزیز بولے: سبحان اللہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ سلیمان نے غلام کو حکم دیا: ذرا عبداللہ کی کتاب تو اٹھا لاؤ جنہوں نے یہ مسئلہ اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے: عبداللہ کی کتاب کوئی مصحف قرآنی تو نہیں ہے۔

ایوب جو سلیمان کی اولاد میں سب سے بڑا تھا اور اس وقت تک فوت نہیں ہوا تھا، کہنے لگا: اللہ کی قسم! ایک شخص اس قسم کی بات امیر المؤمنین کے پاس کرتا ہے۔ پھر اگر اس پر غور نہیں کیا جاتا تو وہ امیر المؤمنین سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس کا اشارہ عمر بن عبدالعزیز کی جانب تھا۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایوب کو دیکھ کر کہا: جب خلافت آپ کے یا آپ جیسوں کے پاس آئے تو جو چاہو کر لینا۔ ایوب نے جواب دینا چاہا، لیکن سلیمان نے ایوب کو ڈانٹ کر کہا: ہائیں! تو اس جیسی گفتگو ابو حفص سے کر رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے: امیر المؤمنین! اگر وہ ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ سنجیدگی نہ برتیں گے۔

سلیمان بہترین کپڑے پہن کر تفریح کو نکلتے ہیں

ایک جمعہ کو سلیمان کے پاس مفضل بن مہلب آتے ہیں۔ سلیمان اپنے کپڑے منگواتے ہیں اور انہیں پہنتے ہیں، مگر وہ کپڑے اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ پھر دوسرے کپڑے پہنتے ہیں اور وہ بھی پسند نہیں آتے۔ پھر ریشمی سوسی سبز کپڑے منگا کر پہنتے ہیں۔ یہ کپڑے یزید بن مہلب نے بھیجے تھے۔ سلیمان کپڑے زیب تن کرنے کے بعد عمامہ باندھتے ہیں اور آئینہ میں دیکھ کر کہتے ہیں: ابن مہلب میں

تمہیں کیسا لگ رہا ہوں؟ مفضل کہتے ہیں: بہت عمدہ! پھر سلیمان آستین چڑھا کر کہتے ہیں: میں نوجوان بادشاہ!

سلیمان کا ٹیلے پر بنی ایک قبر سے گزر

پھر اسی دن شام کو پھولے نہ سماتے ہوئے بڑے طمطراق سے سوار ہو کر وہاں کے ایک ٹیلے پر پہنچتے ہیں اور اس پر ایک قبر دیکھ کر پوچھتے ہیں: یہ کس کی قبر ہے؟ لوگ کہتے ہیں: یہ عبداللہ بن مسافع قریشی کی قبر ہے۔ فرماتے ہیں: اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اس کی قبر وطن سے دور اجنبی علاقے میں ہے۔

سلیمان کی بیماری اور موت

سلیمان تفریح کر کے اپنے گھر آ جاتے ہیں۔ وہ اسی رات بیمار ہو جاتے ہیں۔ رات کے وقت وہ اپنے کمرے میں تنہا ہوتے ہیں۔ پھر جب بیماری زور پکڑتی جاتی ہے۔ تو سوائے رجاء کے آپ کے پاس کوئی نہیں آتا جاتا۔ پھر دوسرے یا تیسرے جمعہ کو محض دو سال سات ماہ کی حکمرانی کے بعد فوت ہو جاتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی بطور خلیفہ نامزدگی

قارئین کرام! آیئے آپ کو 99 ہجری کے شروع میں لیے چلتے ہیں۔ شام کا ایک مشہور شہر جس کا نام ''حلب'' ہے۔ اس کے قریب ہی ''دابق'' نامی قصبہ ہے۔ نوجوان اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اپنی فوج کے ساتھ یہاں مقیم ہے۔ یہاں سے ترکی کی سرحد زیادہ دور نہیں ہے۔ مسلم مجاہدین قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کو فتح کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کو کامیابی نظر نہیں آ رہی۔ اسی لیے خلیفہ سلیمان دمشق کو چھوڑ کر خود یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جنگی ماہرین خلیفہ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ آپ فوجوں کو فی الحال واپس لے جائیں؛ فوری طور پر فتح مشکل ہے، مگر خلیفہ مصر ہے کہ ہمیں ہر حال میں فتح حاصل کرنی ہے۔ ادھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فوج میں بد دلی پھیلتی جا رہی ہے۔ موسم بھی کافی سرد ہے۔ بخار کی وباء پھیلنے سے کافی فوجی وفات پا چکے ہیں۔ ان میں خلیفہ کے خاص خدمت گار بھی شامل ہیں۔

حلب کے تاریخی قلعے کی ایک تصویر

خلیفہ مسجد میں داخل ہوئے۔ وہ بڑے زبردست خطیب تھے۔ دبنگ آواز کے مالک تھے، مگر آج جب منبر پر چڑھے تو ان کی آواز میں کمزوری آتی چلی گئی۔ موسم کی شدت خلیفہ پر بھی اثر انداز ہو چکی تھی، انہیں بخار نے آلیا تھا۔ اٹھا کر قصر خلافت میں لائے گئے۔ بخار میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ خلیفہ کو معلوم ہو گیا کہ آخری وقت آن پہنچا ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا چاہا، مگر ابھی اس کی عمر چھوٹی تھی۔ انہوں نے نہایت حسرت سے کہا:

جب سے میرا بیٹا ایوب فوت ہوا ہے میں اپنی اولاد میں سے کسی میں خلافت کی صلاحیت نہیں پاتا۔ کاش! میرے بیٹے بڑی عمر کے ہوتے کہ میرے بعد خلافت تو سنبھال سکتے۔ ان کے الفاظ تاریخ نے محفوظ کیے ہیں:

إِنَّ بَنِيَّ فِتْيَةٌ صِغَارٌ　　أَفْلَحَ مَنْ كَانَتْ لَهُ كِبَارٌ

''وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کی اولاد (اس کی زندگی ہی میں) جوان ہو جائے (مگر افسوس!) کہ میرے بیٹے تو ابھی کم سنی سے ہی نہیں نکلے''۔

عمر بن عبدالعزیز اس وقت خلیفہ کے پاس ہی موجود تھے۔ آپ نے ان کے یہ الفاظ سنے تو بے

اختیار فرمایا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ وہ شخص کامیاب نہیں جس کی اولاد جوان ہو، بلکہ میں آپ کو بتاتا ہوں کامیاب کون ہے۔ آپ نے سورۃ الاعلیٰ کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

''وہ شخص کامیاب وکامران ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا اور اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی''۔

بیماری کے دوران بنوامیہ کی حکومت کے چیف سیکرٹری ''رجاء بن حیوہ'' بھی خلیفہ کے پاس ہی موجود تھے۔ عملاً اس وقت وہی حکومت کے کرتا دھرتا تھے اور خلیفہ کے احکام پر عمل درآمد کروا رہے تھے۔ رجاء بڑے جید اور قابل قدر عالم دین؛ نیز مسلمانوں کے نہایت درجہ خیر خواہ تھے۔ خلیفہ ان پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ سلیمان نے رجاء سے کہا: مجھے اپنی موت نظر آرہی ہے۔ میری صحت بتدریج خراب ہوتی جا رہی ہے۔ میں اپنے جانشین کے بارے میں پریشان ہوں کہ اپنے بعد کسے خلیفہ مقرر کروں۔

رجاء کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس عظیم منصب پر عمر بن عبدالعزیز فائز ہو جائیں۔ امت کی خیر خواہی اور بھلائی اسی میں ہے۔ رجاء نہایت سمجھ دار اور دور اندیش تھے۔ انہوں نے سوچا: اگر میں عمر عبدالعزیز کا از خود نام لے لیا تو ہوسکتا ہے کہ خلیفہ اسے میری جانب داری پر محمول کرے اور قبول نہ کرے۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپ خود ہی کوئی بھلا سا نام تجویز کریں۔ خلیفہ نے متعدد نام لیے، ان پر خود ہی تبصرہ کیا اور پھر ان سب کو ایک ایک کر کے مسترد کر دیا۔

رجاء نے موقع مناسب جان کر ایک بات کہی: امیر المؤمنین! آپ دنیا کی زندگی کا سفر ختم کر کے آخرت کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ وفات سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کر جائیں۔ خلافت ایسے متقی اور صالح شخص کو سونپ جائیں جو خوف الٰہی رکھنے والا ہو۔ آپ کا عمدہ فیصلہ اور بہترین شخص کا انتخاب آپ کے لیے قبر میں روشنی کا سبب ہوگا؛ چنانچہ خلیفہ نے خود ہی عمر بن عبدالعزیز کا نام لیا۔ رجاء بن حیوہ خود بھی اسی شخصیت کا نام چاہتے تھے۔ خلیفہ نے جب ذکر کیا تو رجاء نے بھرپور تائید کر دی۔ خلیفہ نے کہا: عمر بڑا اچھا انتخاب ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہ بنوامیہ اسے قبول نہیں

کریں گے۔ کیونکہ اس طرح خلافت عبدالملک بن مروان کی اولاد سے نکل جائے گی۔ رجاء نے مشورہ دیا کہ عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبدالملک کو ولی عہد نامزد کر دیجیے؛ تاکہ بنو امیہ مطمئن ہو جائیں۔ یہ بات خلیفہ کے دل کو لگی اور اسی کے مطابق وصیت قلمبند کر لی گئی۔ پھر رئیس الدیوان

بنو امیہ کے حکمرانوں کے زیر استعمال سرکاری مہر کی ایک تصویر

ابن ابی نعیم اس پر مہر لگا دیتا ہے۔ اب خلیفہ نے تمام امراء کو بلا کر تاکید کر دی کہ اس وصیت میں جس شخص کا نام لکھا گیا ہے، سب اس کی بیعت کر لیں۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ تھی:

(أُؤْمِنُ بِاللّٰهِ مُخْلِصًا) ''میں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔''

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبد الملک پر رحم فرمائے۔ انہوں نے اپنی خلافت کا آغاز نظام صلاۃ کے احیاء سے کیا اور اختتام عمر بن عبد العزیز جیسے متقی زاہد خلیفہ کی نامزدگی سے کیا۔

رجاء کی شاندار حکمت عملی

رجاء ان کی میت پر ایک سبز چادر ڈال دیتے ہیں اور دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ ان کی بیوی آدمی بھیج کر خیریت معلوم کرتی ہے تو رجاء کہتے ہیں: منہ ڈھانپ کر سو رہے ہیں۔ وہ آدمی انہیں منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے دیکھ کر واپس جا کر کہہ دیتا ہے کہ امیر المؤمنین منہ ڈھانپے ہوئے سو رہے ہیں۔ بیوی کو یقین آجاتا ہے اور ذرا سا بھی شک نہیں گزرتا۔ رجاء کہتے ہیں کہ میں نے دروازے پر ایک معتمد

دابق کے تاریخی شہر میں موجود رومن دور کے قلعے کے آثار کی ایک تصویر

آدمی بٹھا دیا اور اسے تاکید کر دی کہ میرے آنے تک یہاں سے نہ ہٹے اور خلیفہ کے پاس کوئی آدمی نہ جائے۔ پھر رجاء ''دابق'' کی مسجد میں پہنچے۔ ان کے چاروں طرف پہرے دار تھے اور انہوں نے بنو مروان اور ان لوگوں کو جمع کیا جنہوں نے پہلے ہی سلیمان کے سامنے بعد میں آنے والے خلیفہ کی بیعت کر لی تھی۔ رجاء نے سلیمان کا دیا ہوا عہد نامہ نکالا جسے وہ لوگ پہچان گئے۔ ان سے کہا: اس کے لیے بیعت کرو جس کا نام اس خط میں لکھا ہوا ہے۔ وہ بولے کہ ہم تو ایک بار بیعت کر چکے ہیں۔ لیکن رجاء نے ان سے کہا: جس کا نام اس خط میں لکھا ہوا ہے اس کے لیے بیعت کرو اور اختلاف نہ کرو ورنہ دوسرے اس اختلاف سے فائدہ اٹھائیں گے؛ چنانچہ ایک ایک شخص نے بیعت کی، پھر جب رجاء معاملہ مضبوط کر کے فارغ ہو گئے تو کہنے لگے: امیر المؤمنین! اللہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ پھر لوگوں کو اطلاع دی کہ امیر المؤمنین فوت ہو گئے ہیں۔

> رجاء نے کہا: جس کا نام اس خط میں لکھا ہوا ہے اس کے لیے بیعت کرو اور اختلاف نہ کرو ورنہ دوسرے اس اختلاف سے فائدہ اٹھائیں گے؛ چنانچہ ایک ایک شخص نے بیعت کی۔

خلیفہ کی وفات کے بعد ان کی نماز جنازہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پڑھائی۔

بیعت کے بعد عہد نامہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے

پھر رجاء عہد نامہ کی مہر توڑتے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر سنائیں۔ لوگوں کے دل زور زور سے دھڑکنے لگتے ہیں۔ بعض سہم جاتے ہیں اور سینوں میں اتار چڑھاؤ محسوس ہونے لگتا ہے اور نظام تنفس بے ترتیب ہو جاتا ہے۔ ان کے کانوں میں سلیمان کی تحریر کا ایک لفظ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ وہ سوائے جدید خلیفہ کے نام کے کچھ اور سننا نہیں چاہتے۔ جب رجاء عمر بن عبدالعزیز کے نام پر آتے ہیں تو گویا بنو مروان پر اچانک بجلی گر جاتی ہے۔

ہشام کا بیعت سے انکار

ہشام بن عبدالملک سے صبر نہیں ہو سکا اور وہ کہتا ہے: آہ! نہیں نہیں! اللہ کی قسم ہم بیعت نہیں کریں گے۔

یہ سن کر ایک شامی سپاہی تلوار سونت کر کہتا ہے تو اس کام کے لیے جس کا فیصلہ امیر المؤمنین نے کیا ہے، آہ کہتا ہے!!

ہشام کہتا ہے:

اگر خلیفہ عبدالملک کے خاندان کا ہوگا تو ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے تو رجاء کہتے ہیں۔ اس صورت میں بھی ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ پھر لوگ ہشام کو کھینچ لیتے ہیں حتی کہ وہ زمین پر گر جاتا ہے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پھر رجاء جلد ہی عہد نامہ پڑھنے لگے: یہ بھی سن لو کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوں گے۔ تمام لوگوں نے اور ہشام نے کہا: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔ اس طرح سلیمان کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی کہ بنو مروان عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے جب تک انہیں یقین نہ ہو کہ خلافت ان سے منتقل ہو کر بنو مروان ہی میں آجائے گی۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت پر سب کا اتفاق

لوگ اختلافی گفتگو سن کر گھبرا گئے۔ جو عمر بن عبدالعزیز کو چاہتے تھے انہیں اس نا اتفاقی سے پریشانی لاحق ہوئی اور جو نہ چاہتے تھے انہیں مسرت ہوئی۔ پھوٹ پڑنے ہی والی تھی کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا:

امیر المؤمنین ! اللہ کی قسم، اس سے تو بہت جلدی ناگوار باتیں پیش آئیں گی۔ اس نے منبر کے قریب آ کر عمر بن عبدالعزیز سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس وقت سب سے پہلے انصاری تو آپ سے بیعت کر رہا تھا اور مسجد میں آپ کو پسند و ناپسند کرنے والوں میں ایک شوروغل برپا تھا۔ اکثر لوگ یہ کہہ رہے تھے: ہم نے آپ کو چن لیا اور ہم آپ سے خوش ہیں۔ آپ خیر و برکت کے ساتھ ہمارا کام سنبھالیے۔

مصر کی امامت کے لیے آدمی کی تلاش

جب آوازیں بند ہو گئیں اور کوئی جھگڑنے والا نہ رہا۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے حق تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

مجھے کوئی ایسا مصری شخص بتاؤ جو شریف و صالح ہو۔ تاکہ میں اسے مصر کا والی اور نماز کے لیے امام بنا دوں۔ آپ سے کہا گیا: مصر میں ایسے دو شخص ہیں۔ معاویہ بن عبدالرحمن بن معاویہ بن خدیج اور ایوب بن شرحبیل۔ پوچھا: ان دونوں میں نسبتاً زیادہ خیر و فلاح کس میں ہے؟ لوگوں نے کہا: ایوب میں، فرمایا: یہی میں چاہتا ہوں۔ آخر میں آپ نے ایوب بن شرحبیل کو ان کی ولایت کے بارے میں لکھا اور پیغام رساں کو تاکید کر دی کہ خط کو چھپائے اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دے۔

مصر میں ایوب بن شرحبیل کو یہ فرمان ملتا ہے اور ایوب مصر کے امام مقرر ہو گئے۔ عبدالملک بن رفاعہ کو معزول کر دیا جاتا ہے۔ شراب پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے خُم توڑ ڈالے گئے۔ شراب کی دکانیں بند کرا دی گئیں۔ ایوب کی کمزوری اور نرمی ظاہر ہوئی اور اس کی شکایت عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچی۔

آپ نے فرمایا: ایوب کی نیک عادتیں اس کے مزاحم ہوئیں اور وہ شرفاء کی طرح نرم بن گئے اور سرداری کی درمیانی راہ پر چل پڑے۔ ان کو امیر المومنین نے تنبیہ تو کر دی مگر عہدے پر بحال رہنے دیا۔

ایوب مصر کے امام مقرر ہو گئے۔ عبدالملک بن رفاعہ کو معزول کر دیا جاتا ہے۔ شراب پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے خُم توڑ ڈالے گئے۔ شراب کی دکانیں بند کرا دی گئیں۔

دوسرا حکم نامہ روم سے مسلمہ بن عبدالملک کے واپس آنے کے سلسلے میں تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں تاخیر کی ذرا بھی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے آپ نے فوراً انہیں واپس بلانے کا فرمان صادر فرمایا۔

تیسرا حکم نامہ افریقہ سے یزید بن ابی مسلم کو معزول کرنے کے سلسلے میں تھا، کیونکہ وہ بڑا سرکش تھا۔

خلیفہ بننے کے بعد پہلا خطبہ

آپ نے فرمایا: امابعد! لوگو یاد رکھو، محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ ہی اللہ کی کتاب قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو سکتی ہے۔ خبردار! جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے وہ قیامت تک حلال ہے اور جس کو حرام کیا ہے وہ قیامت تک حرام ہے۔ میں فیصلے کرنے والا قاضی نہیں ہوں بلکہ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والا ہوں۔

یاد رکھو! میں بدعتی نہیں بلکہ سنت پر عمل کرنے والا ہوں۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں، میں تمہی میں سے ایک شخص ہوں، مگر اللہ نے ایک بہت بھاری بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔

لوگو! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص ہمارے ساتھ رہنا چاہے، اسے پانچ باتوں کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص ان باتوں کا خیال نہیں رکھ سکتا تو وہ ہمارے قریب آنے کی کوشش نہ کرے:

1- ہمارے پاس ایسے لوگوں کی ضروریات اور شکایات پہنچائے جو خود اسے پہنچانے کی

تاریخی اموی مسجد کے اندرونی حصے اور ممبر کی تصویر

طاقت نہیں رکھتے۔

2- بھلائی کے کاموں میں حسب استطاعت ہماری مدد کرنا ہوگی۔

3- بھلائی اور نیکی کے کاموں کی طرف ہماری رہنمائی کرنا ہوگی تاکہ ہم رعیت کے حق میں صحیح اقدامات اٹھاسکیں۔

4- ہمارے پاس رعایا میں سے کسی بھی شخص کی غیبت نہ کی جائے۔

5- بے معنی اور لایعنی باتوں سے گریز کرنا ہوگا۔ ہماری مجلس میں صرف سنجیدہ امور پر بات چیت ہوگی۔

میں آپ سب لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ تقویٰ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے اور دنیا کی تمام اشیاء فنا ہونے والی ہیں۔ آخرت کے لیے محنت کرو، جو شخص آخرت کی محنت کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی دنیا کے تمام کام درست فرما دیتا ہے۔ اپنے باطن کو ٹھیک کرلو، اللہ کریم تمہارے ظاہر کو سنوار دے گا۔ موت کا ذکر کثرت سے کرو اور اس کے آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرو کیونکہ وہ لذتوں کو پاش پاش کردینے والی چیز ہے۔

لوگو! یہ امت اللہ کی ذات کے متعلق آپس میں نہیں لڑتی۔ یہ اللہ کی کتاب کے بارے میں بھی نہیں

جھگڑتی، نہ ہی سنت کے حوالے سے ان میں کوئی اختلاف ہے، یہ جب بھی جھگڑتی ہے درہم و دینار کے لیے جھگڑتی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو کسی کو ایک درہم بھی باطل طریقے سے عطا کروں گا اور نہ ہی ناجائز طریقے سے کسی کا حق دباؤں گا۔

پھر آپ نے اپنی آواز بلند کی حتی کہ وہ مجمع کے ہر شخص تک پہنچ گئی، فرمایا:

لوگو! یاد رکھو، آپ کا حکمران اگر اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوگا تو آپ پر بھی اس کی اطاعت واجب ہے، لیکن اگر وہ اللہ کا نافرمان ہوگا تو اس کی اطاعت کسی شخص پر واجب نہیں۔ جب تک میں اللہ کی فرمانبرداری کروں تب تک میرا کہنا مانو، جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہ ہوگی۔ تمہارے اردگرد جو شہر اور بستیاں ہیں اگر وہ لوگ میری اطاعت قبول کریں گے تو میں ان کے حقوق کی حفاظت کروں گا اور اگر وہ میری اطاعت سے انکار کریں گے تو پھر ان کی حفاظت کا میں ذمہ دار نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کے سامنے جو گفتگو کی اس میں موت اور اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرائی اور اس قدر اثر انگیز تقریر کی کہ حاضرین کے رونے کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔

اس کے بعد آپ منبر سے نیچے اتر آئے اور اس طرح آپ کی خلافت کا آغاز ہوگیا۔ یہ 99 ہجری میں ماہ صفر کی 10 تاریخ تھی اور جمعۃ المبارک کا دن تھا جس دن آپ کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی۔

رعایا کو نصیحت

ایک موقع پر آپ نے فرمایا: لوگو! قیامت کا دن دور نہ سمجھو! اس کے آنے میں کوئی طویل مدت نہیں ہے، کیونکہ جسے موت آجاتی ہے اس کے لیے قیامت آجاتی ہے۔ پھر نیک نیکیوں میں اضافہ نہیں کرسکتا اور گناہ گار گناہوں سے توبہ نہیں کرسکتا۔

کان کھول کر سن لو! خلاف سنت عمل کرنے میں سلامتی نہیں۔

اللہ کے گناہوں میں کسی شخص کی اطاعت نہیں۔ دیکھو! تم اپنے حاکم کے ظلم سے بھاگنے والے کو گنہگار کہتے ہو۔ اچھی طرح سن لو، ان دونوں میں سزا کا پہلا حقدار ظالم امام ہے۔

پروٹوکول لینے سے انکار

اس پالیسی بیان کے بعد عمر بن عبدالعزیز منبر سے اترے، مسجد سے باہر نکلے تو شاہی سواریاں انتظار میں تھیں۔ پوچھا: یہ کیا ہیں؟ جواب ملا: گزشتہ خلفاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حکومت سنبھالنے کے بعد وہ پورے پروٹوکول کے ساتھ اسی طرح شان وشوکت سے قصر میں جایا کرتے تھے۔ خلیفہ نے ان سب کو واپس کر دیا اور کہا:

(لَا، إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ غَيْرَ أَنِّي أَكْثَرُ الْمُسْلِمِينَ حِمْلًا وَ عِبْئًا وَمَسْئُولِيَةً أَمَامَ اللَّهِ، قَرِّبُو إِلَيَّ بَغْلَتِي فَحَسْبُ)

''نہیں، (میں خصوصی اہتمام کے ساتھ نہیں چلوں گا) میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے اوپر سب مسلمانوں سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ہے اور اللہ کے سامنے میں اس کا جوابدہ ہوں گا۔ میرا خچر لاؤ، وہی میری سواری کے لیے کافی ہے۔''

چنانچہ خچر پر سوار ہو کر اپنے محل میں پہنچے اور اس کے اندر کا سارا مال ومتاع اور اثاثہ مسلمان فقراء کے درمیان صدقہ وخیرات کر دیا۔

خلیفہ کے گارڈز کی تعداد چھ سو تھی۔ تین سو حفاظتی گارڈ اور تین سو پولیس کے نوجوان تھے۔ پہلا حکم یہ دیا کہ ان سب کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس فورس کو تحلیل کر کے فوج میں شامل کر دیا جائے۔ خچر پر سوار ہوئے، اپنے گھر تشریف لائے، اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کو بلوایا اور کہا: فاطمہ! مجھے امت محمد ﷺ کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔

قارئین کرام! یہ حکومت جس کے وہ خلیفہ مقرر ہوئے، کوئی معمولی حکومت نہ تھی۔ ان کی حکمرانی مشرق میں سندھ سے لے کر مغرب میں رباط (مراکش) تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف شمال میں ترکستان سے شروع ہو کر جنوب میں افریقہ تک کے علاقے ان کی حکومت میں شامل تھے۔

قصرِ خلافت میں منتقلی سے انکار

عمر بن عبدالعزیز سے کہا گیا کہ اب آپ کا گھر تبدیل کر دیا جائے گا۔ پوچھا: کیا مطلب؟ بتایا گیا: اب آپ اس قصر الخلافہ میں رہیں گے جو خصوصی طور پر خلیفہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ آپ وہاں لوگوں سے ملاقاتیں کریں گے۔ بڑا قصر ہے جس کے بڑے بڑے کمرے ہیں۔ فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس قصر میں نہیں رہوں گا۔ دمشق میں ان کا ذاتی پرانا اور چھوٹا سا گھر تھا، کہنے لگے: میں اس میں رہوں گا۔

دمشق کے قدیم بازار کا ایک منظر

چنانچہ وہ اس گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کے درمیان رہتے ہیں تاکہ مساکین وفقراء اور بیواؤں کے مسائل کو جان سکیں۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ چھوٹا سا گھر کچی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ اس گھر کی لپائی خاتون اول، خلیفہ کی بیٹی، خلفاء کی بہن اور امیر المؤمنین کی بیوی فاطمہ خود اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔

خلیفہ بننے کے بعد نیا طرزِ زندگی

عمر بن عبدالعزیز ماضی میں خوب خوشبو لگایا کرتے تھے۔ یعنی اس قدر کہ اسراف کی حد تک پہنچ جایا کرتے تھے۔ جب خوشبو دار تیل لگاتے تو عنبر نمک کی طرح آپ کی داڑھی اور سر پر بکھر جایا کرتا تھا۔ لیکن عہد خلافت میں آپ نے یہ ساری چیزیں چھوڑ دیں، بلکہ اگر کہیں خوشبو ہوتی تو آپ وہاں سے ناک بند کر کے نکل جاتے۔ چونکہ آپ نے کھانے پینے میں اور میوہ جات میں بڑی حد تک کمی کر دی تھی اس لیے خون جل کر آپ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ کھال ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی اور جسم پر گوشت برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

روٹی کپڑا اور گھر مباح چیزیں ہیں، لیکن آپ نے مباحات کو بھی اسراف میں شمار کیا۔ جب آپ سے کوئی پوچھتا: (كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟) ''آپ نے کس حال میں صبح کی؟'' تو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے: میں نے اطاعت میں دیر کر کے، گناہوں میں پھنس کر، خالی پیٹ کی حالت میں صبح کی مگر اللہ سے اچھی امید رکھتا ہوں۔

خلیفہ کے خدام کا ردعمل

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو آپ کے خادموں نے سمجھا کہ اب وہ لوگوں پر سردار بن جائیں گے اور ان کی بڑی شان وشوکت ہوگی۔ لیکن جب ان کا حال پہلے سے بدتر ہو گیا تو وہ رنجیدہ ہو کر آپ سے الگ ہو گئے۔ آپ کا ایک غلام تھا جس کا نام ''درہم'' تھا۔ یہ آپ کے لیے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ خلیفہ بنائے جانے کے چند دنوں بعد عمر بن عبدالعزیز نے درہم سے پوچھا: لوگ ہمارے بارے میں کیا تبصرے کرتے ہیں؟ کہنے لگا: جناب! لوگ کیا کہیں گے؛ آپ کے خلیفہ بننے کے بعد وہ تو مزے میں ہیں؛ البتہ میں اور آپ پہلے سے زیادہ مشقت میں ہیں۔

عبدالعزیز نے درہم سے پوچھا: لوگ ہمارے بارے میں کیا تبصرے کرتے ہیں؟ کہنے لگا: جناب! لوگ کیا کہیں گے؛ آپ کے خلیفہ بننے کے بعد وہ تو مزے میں ہیں؛ البتہ میں اور آپ پہلے سے زیادہ مشقت میں ہیں۔

آپ نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا: خلافت سنبھالنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ آپ معطر لباس میں عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتے تھے۔ آپ خوش پوش اور خوش طعام تھے۔ پھر جب آپ کو خلافت مل گئی تو میرا خیال تھا کہ اب مجھے آرام ملے گا اور میرے لیے کام کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، مگر جو ہوا اس کے الٹ ہوا۔ مجھ پر بھی کام بڑھ گیا اور آپ بھی تکلیف ومشقت میں پھنس گئے۔ عمر نے فرمایا: اچھا! درہم سنو! تم آج سے آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو؛ حتی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرے لیے بھی فراخی کا کوئی راستہ کھول دے۔

سیر و تفریح اور آج کا کام

عمر بن عبدالعزیز کے بھائیوں میں سے ایک نے آپ سے عرض کیا: امیر المؤمنین! تھوڑی دیر کے لیے سواری پر سیر و تفریح کر آیا کیجیے۔ فرمایا: ایک ہی دن کے کام نے مجھے لاچار کر رکھا ہے؛ دو دن کا جمع ہو جائے تو کیسے نپٹے گا؟ عرض کیا: آپ سے پہلے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک، سیر و تفریح کیا کرتے تھے، اس کے باوجود اپنا کام بھی پورا کر لیتے تھے۔ عمر نے فرمایا: اگر وہ اپنا کام پورا کرتے تو ملک کی یہ حالت نہ ہوتی اور اس طرح لوگوں کی حق تلفیاں نہ ہوتیں۔

سب سے پہلے اپنی ذات کا محاسبہ

کسی بھی قائد یا لیڈر میں یہ خوبی بہت اہم ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے بہترین قدوہ اور نمونہ ہو۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے جب خلافت سنبھالی تو ان کے سامنے بے شمار چیلنجز تھے۔ بنو امیہ کے امراء کے پاس خاصی بڑی جائیدادیں تھیں۔ زمینوں پر بعض امراء نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا تھا۔ ان کو واپس لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لوگوں کے حقوق واپس کرنے کا مرحلہ آیا تو انہوں نے اس نیک کام کا آغاز اپنی ذات سے کیا۔ اپنے آپ سے مخاطب ہوئے، کہنے لگے: عمر! اٹھو لوگوں کے لیے نمونہ بن جاؤ۔ غور و فکر شروع کیا۔ اپنی جائیداد، زمین، آمدن کے دیگر ذرائع سب کو نظروں کو سامنے لاتے چلے گئے۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو دیکھا، اس میں نگینہ بڑا خوبصورت اور قیمتی تھا۔ اپنے آپ سے کہنے لگے: یہ نگینہ مراکش سے آیا تھا اور ولید بن عبدالملک نے مجھے عطا کیا تھا۔ میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ انگوٹھی سے نگینہ کو نکال کر علیحدہ کر دیا۔

ان کا فلسفہ تھا کہ جس چیز میں بھی شک وشبہ ہو اسے یقین سے بدل دیا جائے۔ یہ درست ہے کہ خلیفہ وقت نے انہیں یہ نگینہ تحفتاً دیا تھا، مگر اس میں شک ہے کہ یہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اس قیمتی نگینہ کو بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔

عمر بن عبدالعزیز ورع اور تقویٰ میں اس حد تک گہرائی میں چلے گئے کہ ایک روز اپنی تلوار کو دیکھا کہ اس کے دستہ پر چاندی سے مینا کاری کی گئی ہے۔ انہوں نے یہ دستہ اتروا کر لوہے کا دستہ لگوا لیا۔

ایک دن عمر بن عبدالعزیز نے ذاتی اشیاء کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ گھر میں کتنے غلام ہیں؟ کتنی فالتو اشیاء ہیں جن کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے ان اشیاء کو فروخت کرنا شروع کیا۔ مجموعی طور پر ان فالتو اشیاء کی جن میں لباس، خوشبو، گھریلو استعمال کے برتن، فرنیچر وغیرہ تھا۔ بازار میں قیمت 23 ہزار دینار لگی۔ انہوں نے ان غیر ضروری اشیاء کو فروخت کر کے اس مبلغ کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

ذاتی جائیداد کی واپسی

اب انہوں نے اپنی ذاتی جائیدادوں کی طرف توجہ فرمائی۔ معزز قارئین! سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی ذاتی ملکیت میں موجود زمینوں اور پلاٹوں کو کیسے واپس کیا گیا؟ آیئے اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں:

سبحان اللہ! حاکم ہو تو ایسا کہ جسے آخرت کی اس قدر فکر ہو کہ دن رات اسی میں مگن رہے۔ امام ابن الجوزی اسماعیل بن ابی حکیم سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھے۔ دوپہر کا وقت ہو گیا، عرب عموماً ان اوقات میں قیلولہ کرتے ہیں۔ ہم لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھروں میں آ گئے۔ عمر بن عبدالعزیز بھی اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اچانک ہمیں آواز سنائی دی: (اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ) یعنی فوری طور پر سب لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔

قارئین کرام! عرب کے اسلامی معاشرے میں یہ الفاظ اس وقت بولے جاتے تھے جب کوئی ایمرجنسی ہوتی۔ کوئی بہت ضروری کام ہوتا تو مشورے کے لیے یا کوئی ضروری کارروائی کرنا مقصود ہوتا تو اس میں شریک کرنے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر لیا جاتا۔ واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ ہمیں بڑی تشویش ہوئی کہ ایسا کونسا حادثہ ہو گیا ہے یا ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ اللہ نہ کرے، کوئی انقلاب برپا ہو گیا کہ ہمیں پھر سے جمع ہونے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو ہم سب امیر المؤمنین کے پاس تھے۔ جب ہم نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ امیر المؤمنین نے اپنے خاص ملازم مزاحم کو بلایا ہے اور اس سے کہا ہے کہ ہماری قوم کے بہت سارے حکمرانوں نے ہمیں عطیات دیے۔ اصل میں یہ عطیات بیت المال کے اموال سے دیے گئے تھے۔ انہیں عطیات دینے کا یا ہمیں یہ عطیات لینے کا کوئی حق

نہیں تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان امور میں میرے اوپر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی محاسب نہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں، مگر مجھ پر ان اموال کے سلسلے میں بہت بھاری ذمہ داری ہے۔

مزاحم کہنے لگا: امیر المؤمنین! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ ظاہر بات ہے، انہیں معلوم تھا کہ ان کے کتنے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ پھر بھی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے مزاحم نے ہاتھوں کی انگلیوں سے گن کر ان کی تعداد بتائی۔ یہاں میں یہ بتا تا چلوں کہ ان کے تمام بیٹوں کی تعداد تیرہ تھی۔ بیٹیاں اس کے علاوہ تھیں۔ مزاحم کے بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اس بڑی فیملی کی گزراوقات کے لیے کچھ ذرائع آمدن درکار ہیں۔ اگر ساری جائیداد، زمینیں اور عطیات بیت المال کو واپس کر دیے جاتے ہیں تو گھر کے اخراجات چلانا خاصا مشکل ہو جائے گا۔ عمر بن عبدالعزیز مزاحم کی بات سمجھ گئے، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: مزاحم! (أَكِلُهُمْ إِلَى اللّٰهِ) ''میں ان سب کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔'' ان کا رزق تو اس کے سپرد ہے جس نے ان کو پیدا کیا۔

مزاحم نے ان کو روکنے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا وہ عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبدالملک کی طرف چل دیے۔ ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، قیلولہ کا وقت تھا، ایسے میں مزاحم کا دروازے پر ہونا، غیر معمولی بات تھی۔ عبدالملک نے مزاحم کو اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ خود قیلولہ کے لیے لیٹے ہی تھے۔ عبدالملک نے مزاحم سے پوچھا: مزاحم خیر ہو، اس وقت کیوں آئے ہو؟ کوئی خطرناک واقعہ تو پیش نہیں آ گیا۔

مزاحم نے جواب دیا: ہاں! بہت بڑا حادثہ، بہت بڑا واقعہ جو آپ اور آپ کے بھائیوں پر پیش آ گیا ہے۔

مزاحم سے عبدالملک نے پوچھا: بتایئے کیا واقعہ اور مسئلہ بن گیا ہے؟ مزاحم نے جواب دیا: مجھے امیر المؤمنین نے بلایا اور کہا: مزاحم ہماری قوم نے ہمیں بڑے بڑے عطیات دیے، انہیں یہ عطیات دینے کا اور ہمیں لینے کا حق نہ تھا۔ اب یہ عطیات واپس کر دینے چاہییں۔

عبدالملک نے پوچھا: مزاحم! پھر تم نے اس پر کیا کہا؟ مزاحم نے کہا: میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ جانتے ہیں آپ کی اولاد کتنی ہے؟ ان کی تعداد اتنی اور اتنی ہے۔

عبدالملک نے پوچھا: مزاحم! یہ بتاؤ کہ امیر المؤمنین نے تمہاری بات سن کر کیا کہا؟ مزاحم کہنے لگا: آنکھوں سے بہنے والے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگے: (أَكِلُهُمْ إِلَى اللّٰهِ) ''میں انہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔'' ان سب کا رزق تو اللہ کے سپرد ہے۔

عبدالملک کہنے لگے: مزاحم! تم اچھے وزیر نہیں ہو۔ عبدالملک نے چھلانگ لگائی، چارپائی سے نیچے اترے اور سیدھے اپنے والد کی طرف چل دیے۔ دروازے پر پہنچے تو چوکیدار سے کہا: والد صاحب کو اطلاع دو کہ آپ کا بیٹا عبدالملک آپ سے ملنے کی اجازت کا طلب گار ہے۔

چوکیدار کہنے لگا: آپ کو اپنے والد پر رحم نہیں آتا۔ پورا دن کام کرنے والے، رات کو بھی خاصی دیر تک کام ہی کام ہوتا ہے۔ باقی ان کے پاس لے دے کر یہی قیلولہ کا وقت ہے۔

عبدالملک کے جسم میں اموی خون تھا۔ اس کو قدرے ڈانٹا اور کہا: جاؤ! والد صاحب سے کہو کہ بیٹا ملنے کی اجازت چاہتا ہے۔

اس دوران سیدنا عمر بن عبدالعزیز چوکیدار اور عبدالملک کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکے تھے۔ انہوں نے آواز دی، چوکیدار سے پوچھا: ارے کیا ہوا بھئی، کون ہے؟ جواب ملا: دروازے پر آپ کا بیٹا عبدالملک ہے جو آپ سے ملنے کی اجازت چاہتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اسے اندر آنے دو۔ عبدالملک اپنے والد گرامی کے پاس گئے۔ عمر بن عبدالعزیز قیلولہ کرنے کے لیے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: بیٹے! اس وقت کیسے آنا ہوا؟ عبدالملک کہنے لگے: ابا جان! مزاحم نے مجھے کچھ باتیں بتائی ہیں۔ عمر نے پوچھا: ہاں بیٹے پھر تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: میری رائے یہ ہے کہ اس نیک ارادے کا فوری نفاذ کریں۔ لوگوں کے عطیات واپس کر دیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ لِي مِنْ ذُرِّيَّتِي مَنْ يُعِينُنِي عَلَى أَمْرِ دِينِي)

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی اولاد عطا فرمائی ہے جو دینی امور پر عمل کرنے میں میری مدد

گا رہے۔"

اچھا تو بیٹے نماز ظہر کی ادائیگی کرتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد میں منبر پر بیٹھ کر سرعام عطیات کی واپسی کا اعلان کروں گا۔

عبدالملک کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ ظہر تک آپ کی نیت بدل جائے۔

عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے: لوگ اس وقت گھروں میں قیلولہ کر رہے ہیں۔ عبدالملک کہنے لگے: آپ منادی کرنے والے کو حکم دیں کہ وہ منادی کرے: (الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ) "لوگ ایک ضروری معاملے میں مسجد میں جمع ہو جائیں۔"

چنانچہ امیر المؤمنین کے حکم پر اعلان کیا جاتا ہے کہ لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جائیں۔ واقعے کا راوی کہتا ہے: میں نے آواز سنی تو فورا مسجد کی طرف آیا۔ دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز مسجد کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ وہ منبر پر بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ہماری قوم کے لوگوں نے ہمیں بیت المال سے عطیات دیے۔ انہیں یہ عطیات دینے کا حق تھا نہ ہمیں قبول کرنے کا حق تھا۔ اب جبکہ معاملات اللہ کے بعد میرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ کے علاوہ میرا کوئی محاسبہ کرنے والا بھی نہیں، مگر میں یہ تمام عطیات خوش دلی سے واپس کرتا ہوں۔ سب سے پہلے میری ذاتی اور گھر والوں کی جائیدادیں اور ملکیتی زمینیں اور عطیات واپس کیے جاتے ہیں۔

مزاحم سے مخاطب ہوئے، فرمایا: مزاحم چلو پڑھو۔ مزاحم ان جائیدادوں کی رجسٹریوں کے کاغذات ایک ٹوکری میں لے کر آیا ہوا تھا۔ ٹوکری ان رجسٹریوں سے بھری ہوئی تھی۔ مزاحم نے ان میں سے ایک رجسٹری اٹھائی، اسے پڑھنا شروع کیا۔ رجسٹری کو پڑھ کر سیدنا عمر کے حوالے کیا۔ آپ منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ ہاتھ میں قینچی تھی، اس ملکیتی کاغذ کو قینچی کے ساتھ کاٹنا شروع کیا۔ اس دوران مزاحم نے دوسری رجسٹری نکال لی، اسے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھ کر اسے بھی عمر بن عبدالعزیز کے حوالے کیا جنہوں نے قینچی سے اس کے ٹکڑے کر دیے۔

قارئین کرام! ذرا تصور کریں کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کیا کر رہے ہیں!! آپ اپنے ہاتھوں سے لاکھوں کی جائیداد کے پرزے اڑا رہے ہیں۔ اسی طرح مزاحم ایک ایک کر کے رجسٹری پڑھتا چلا گیا۔ لاکھوں کی دولت ان کے گھر سے نکل کر ان کی رضاء ورغبت کے ساتھ عامۃ المسلمین کی ملکیت بنتی چلی جا رہی ہے۔ ان کی طرف سے اعلان ہی کافی تھا، مگر لوگوں کی موجودگی میں تفاصیل بیان کی جاتی ہیں کہ فلاں جگہ، فلاں زمین، جس کا طول اور عرض اتنا ہے اور فلاں شہر یا فلاں بستی میں واقع ہے۔ آج کے دن سے یہ زمین عمر بن عبدالعزیز کے قبضے میں نہیں ہے۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انہوں نے اپنی ساری زمینیں اور جائیدادیں واپس کر دیں۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا، مؤذن نے اذان دی اور عمر بن عبدالعزیز نماز کی ادائیگی کے لیے منبر سے نیچے اترتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کی زمینیں یمن کے علاقے جبل ورس اور یمامہ (جو آج کل ریاض کا علاقہ بنتا ہے، نیز فدک اور خیبر کے علاقے میں تھیں۔ ان تمام کو واپس کر دیا۔ (عمر بن عبدالعزیز وسیاستہ فی رد المظالم، ص: 207)

خیبر کی زمین کے متعلق فیصلہ

فدک کا شہر مدینہ طیبہ کے شمال میں واقع ہے۔ قارئین کرام! اس کتاب کے مؤلف کو اس شہر کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے یہاں کھجور بڑی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہاں بھی

فدک شہر کے آثار کی تصویر

فدک کی آمدنی سے امہات المؤمنین کی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ بنو ہاشم کے مسلمان ضرورت مند افراد کی مدد کی جاتی تھی جن کے لیے زکاۃ لینا جائز نہیں تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کی زمینیں تھیں، مگر یہ زمینیں انہوں نے خود نہیں خریدی تھیں، بلکہ خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے انہیں ملی تھیں۔ ان زمینوں کی سالانہ آمدن دس ہزار دینار تھی۔ یہ علاقہ بڑا وسیع و عریض ہے۔ سینکڑوں کلومیٹر مربع میں پھیلا ہوا ہے۔ فدک کے بارے میں اختلاف بڑا پرانا چلا آ رہا ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے تقویٰ کو دیکھیے کہ جب انہوں نے دیگر جائیدادیں واپس کیں تو ان میں فدک کی زمینیں بھی شامل تھیں۔ یہ کہنا بڑا آسان ہے کہ انہوں نے اپنی جائیداد حکومت کے خزانے میں لوٹا دی، مگر کسی بھی حکمران کے لیے یہ کام آسان نہیں ہوتا۔ جب حکومت سنبھالی تو فدک کے معاملے پر بھی غور و فکر کیا۔ مشورہ کیا، لوگوں کی رائے لی کہ فدک کی زمینیں کس کی ملکیت ہیں؟

''ان کی آمدن کے بارے میں علمائے کرام سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان زمینوں کی آمدن کہاں جاتی تھی؟ پتہ چلا کہ رسول کریم ﷺ نے فدک کی زمین کو اپنے لیے خاص کر رکھا تھا۔

فدک کی آمدنی سے امہات المؤمنین کی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ بنو ہاشم کے مسلمان ضرورت مند افراد کی مدد کی جاتی تھی جن کے لیے زکاۃ لینا جائز نہیں تھا۔

مگر دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آپ نے اسے مسلمانوں کے لیے مال فے کے طور پر چھوڑ دیا۔ بعد میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اس کی یہی حیثیت برقرار رہی۔ پھر جب مروان خلیفہ بنا تو اس نے یہ زمین عبدالعزیز کو دے دی۔ والد سے پھر یہ عمر بن عبدالعزیز کو ملی۔ جب سارے معاملات سامنے آئے تو آپ نے مدینہ منورہ کے گورنر ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے نام اس طرح کا خط لکھتے ہیں:

''میں نے فدک کے معاملہ پر خوب غور وفکر کیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کی آمدنی میرے لیے جائز نہیں ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ کے دور اقدس میں، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں اس علاقے کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی، اسی طرح میرے دور میں بھی تقسیم ہونی چاہیے۔ میں اس میں سے کچھ بھی وصول نہیں کروں گا۔ آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جیسے ہی میرا یہ خط آپ کو ملے تو میرا قبضہ ختم کر کے اس زمین کے معاملات اور دیکھ بھال اللہ کا خوف رکھنے والے کسی شخص کے سپرد کر دی جائے۔''

کُتیبہ کے علاقے کا فیصلہ

خیبر کے قلعوں میں سے ایک کا نام کتیبہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے خلافت سنبھالی تو مدینہ کے گورنر ابوبکر بن محمد ابن حزم کو خط لکھا کہ مجھے کُتیبہ کے معاملات سے آگاہ کرو۔ کیا یہ اللہ کے رسول ﷺ کے
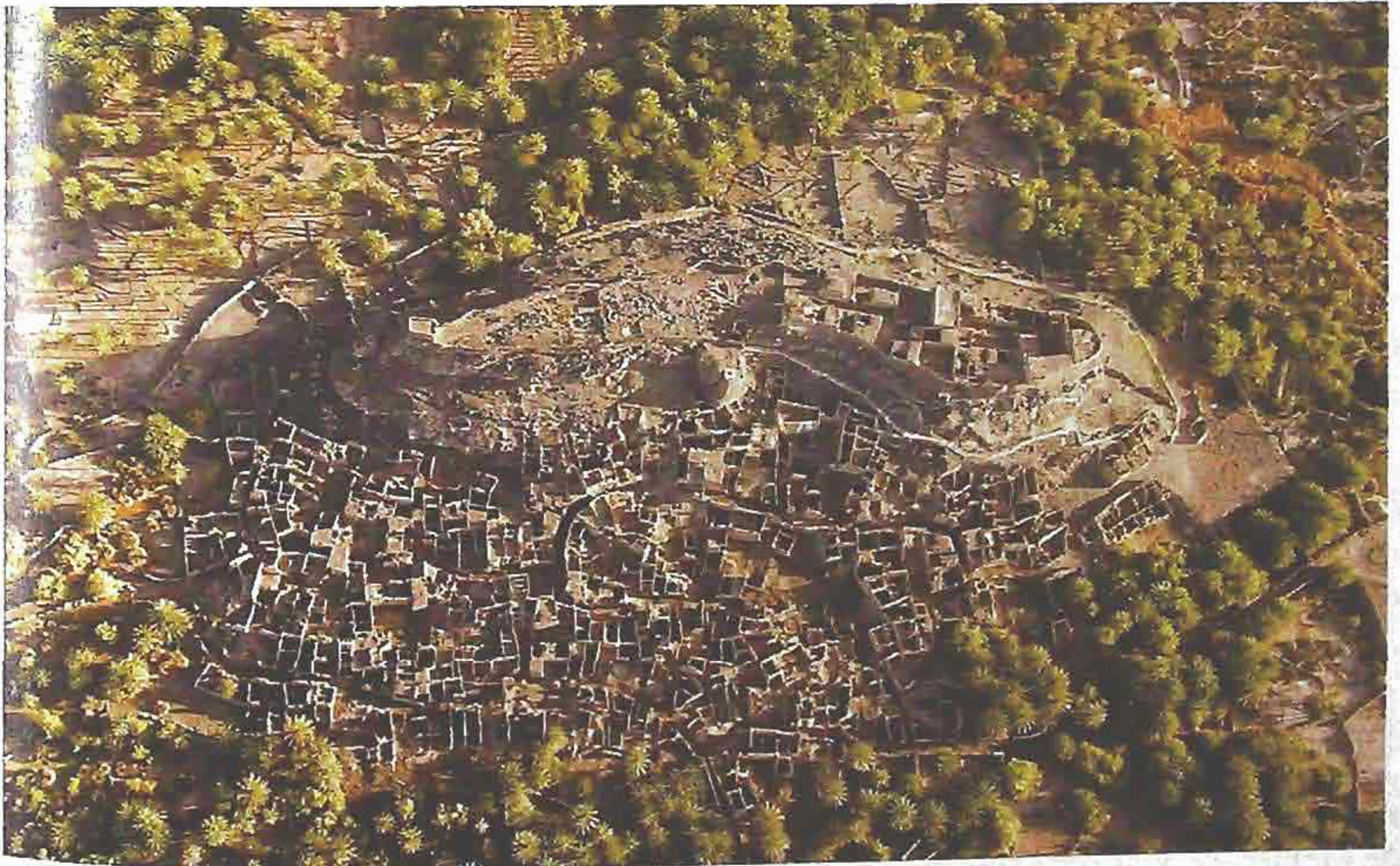
خبر کے علاقے میں واقع کتیبہ قلعے کی تصویر
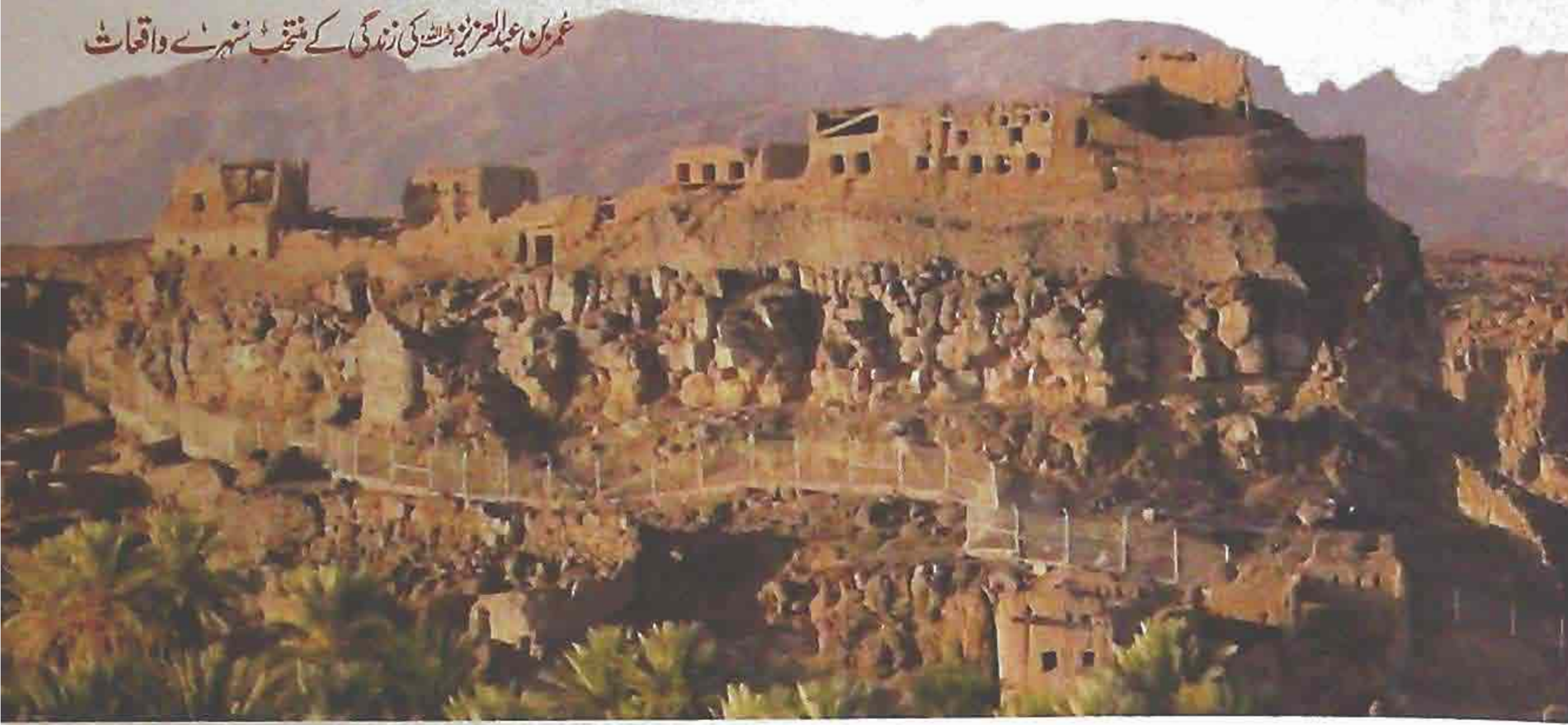
خیبر کے علاقے شق میں قلعہ کتیبہ شق کے آثار

خمس کا حصہ تھا یا اللہ کے رسول ﷺ کی خاص ملکیت تھا۔ گورنر نے عمرۃ بنت عبدالرحمن سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر ابوالحقیق کے بیٹوں کے ساتھ صلح کی تو آپ ﷺ نے ''نطاۃ'' اور ''شِق'' کے علاقوں کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ''کتیبہ'' ''شق'' کے تین قلعوں میں سے ایک تھا۔ اس علاقے میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔ یہ خمس کا مال تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی صوابدید پر تھا۔ آپ اس میں سے مساکین وغرباء اور مسافروں کو دیا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے یہ علاقہ بھی جس طرح اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں تھا اس کی وہی حیثیت بحال کر دی۔ اس میں سے جو آمدن آتی تھی اس میں سے کچھ نہ لیا۔

کتیبہ'' ''شق'' کے تین قلعوں میں سے ایک تھا۔ اس علاقے میں کھجور کے چالیس ہزار درخت تھے۔ یہ خمس کا مال تھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی صوابدید پر تھا۔ آپ اس میں سے مساکین وغرباء اور مسافروں کو دیا کرتے تھے۔

قارئین کرام! اگر آپ اوپر والے واقعات پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جس مال میں شک وشبہ نظر آیا، اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر حقدار مل گئے تو ان کو واپس کر دیا۔ بصورت دیگر بیت المال میں اس آمدن کو جمع کروانے کا حکم دے دیا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کے والد عبدالعزیز نے مصر پر

اپنی حکومت کے دوران ایک مصری پر زیادتی کر کے اس کی زمین پر قبضہ کر لیا تھا۔

یہ زمین حلوان کے علاقے میں تھی۔ اپنے دور خلافت میں انہوں نے معلوم کروایا تو پتا چلا کہ ان کے والد کا موقف درست نہ تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے اقدام کو غلط قرار دیتے ہوئے اس کے اصل مالک کو یہ زمین بھی واپس کر دی۔

ان کے والد عبدالعزیز کے گھر ایک یتیم بچہ ربیع بن خارجہ پرورش پاتا تھا۔ اس بچے کی ملکیت میں ایک گھر تھا جو عبدالعزیز بن مروان نے اس یتیم بچے سے خرید لیا تھا۔ شریعت اسلامیہ میں ممانعت ہے کہ آپ ایسے یتیم بچے سے کوئی چیز، املاک خریدیں جو آپ کے گھر پرورش پا رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے وہ گھر بھی اس یتیم بچے کو واپس کر دیا۔

جبل ورس میں واقع خاندانی زمین

انہوں نے یمن کے علاقے جبل ورس میں واقع اپنی خاندانی زمین اور اس کی آمدنی پر غور و فکر کیا۔ یہاں سے سالانہ معقول آمدن ہوتی تھی۔ ان کا اپنا کنبہ قبیلہ خاصا بڑا تھا۔ آپ ایک بڑی فیملی کے سربراہ تھے۔ انہیں وہاں کی آمدن کی شدید ضرورت تھی، مگر اس کے باوجود انہوں نے یمن کی آمدن کو بھی بیت المال میں جمع کروا کے آنے والے حکمرانوں کے لیے ایک روشن مثال قائم کر دی۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان آخرت کی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کا ہدف آخرت کی کامیابی تھا۔ اس لیے انہوں نے بلا جھجک اپنی جائیدادیں بیت المال کو لوٹا دیں۔ بحرین کے علاقے سے بھی انہیں ہر سال معقول آمدن آتی تھی۔ انہوں نے اپنے معتمد خاص مزاحم کو حکم دیا کہ مجھے بحرین کی آمدنی سے بھی کچھ نہیں چاہیے۔ جو بھی آمدن ہو گی وہ بیت المال میں داخل ہو گی۔

> مسلمان آخرت کی زندگی کو دنیاوی زندگی ترجیح دیتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کا ہدف بھی آخرت کی کامیابی تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی جائیدادیں بیت المال کو لوٹا دیں۔

سویداء کی ذاتی جاگیر

عطیات پر مبنی ساری جائیداد واپس کرنے کے بعد غور کیا کہ کیا کوئی ایسی جائیداد بھی ہے جو میری ذاتی ہو اور میں نے اپنے پیسوں سے خریدی ہو۔ اس لیے کہ گھر کے اخراجات کے لیے بھی آمدن درکار تھی۔ سوچنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مصر میں سویداء کے مقام پر ایک چشمہ ہے۔ یہ ان کی ذاتی ملکیت ہے۔ یہ جگہ ذاتی پیسوں سے خریدی ہے۔

قارئین کرام! یہ ذاتی پیسے کہاں سے آئے؟ اسے جاننے کے بعد ہم آگے بڑھیں گے۔ مسلمانوں نے جب ہر طرف فتوحات حاصل کیں تو بے پناہ مال غنیمت مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ فاروقی دور سے ہی ہر مسلمان کے لیے اس کی عام خدمات یا علمی صلاحیت کی بنا پر وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح عام مسلمانوں کو بھی حصہ ملتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز خلافت سنبھالنے سے پہلے مختلف شہروں کے گورنر بھی رہے تھے۔ اس طرح انہیں بھی وظیفہ ملتا تھا۔ اس وظیفہ میں سے پس انداز کر کے انہوں نے یہ چشمہ خریدا تھا۔ اس کی سالانہ آمدن ایک سو پچاس دینار تھی۔

عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ کیا کہ میں اسی ایک سو پچاس دینار پر گزارا کروں گا؛ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری جائیداد کی رجسٹریاں پھاڑ دیں۔ ان کے ذاتی ترکہ میں اس چشمہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

حکام اور امراء کا محاسبہ

جس طرح عمر بن عبدالعزیز نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اسی طرح تمام امراء اور ارباب اقتدار کا ان کے مراتب اور شہروں کے مطابق محاسبہ کیا۔ آپ کی نگاہ میں امراء حکام اور قاضی لوگوں کے خادم ہیں۔

آپ جب امراء کے مال کا حساب لگانے لگے تو چکرا گئے اور کانپ اٹھے۔ کیونکہ آپ نے دیکھا کہ اسلامی شہروں کے گوشہ گوشہ سے ان پر چاندی اور سونے کا سیلاب ٹوٹ پڑا ہے۔ حتی کہ لوگوں کے قبضہ میں حکومت کے مقابلے میں آدھا یا دو تہائی مال ہے اور باقی آدھا یا ایک تہائی خلیفہ اور امراء جس

پر چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز موقعہ کے منتظر رہے۔ تاکہ اس بدنصیب امت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور وہ مبارک ساعت آئے جس میں آپ اس امت کو خوش نصیب وخوش بخت ہوتے دیکھ لیں۔

عنبسہ کا واقعہ

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو آپ نے تمام ناجائز املاک اور زمینیں واپس کرائیں۔ سلیمان بن عبدالملک نے عنبسہ بن سعید بن عاص کو بیس ہزار دینار دینے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم نامہ دفتری کارروائی کے آخری مرحلہ میں تھا اور اب اس رقم کی صرف ادائیگی باقی تھی کہ سلیمان کا انتقال ہوگیا۔

عنبسہ عمر بن عبدالعزیز کا گہرا دوست تھا۔ وہ اس رقم کی وصولی کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لیے عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ کے دروازے پر بنوامیہ کے کئی لوگ اکٹھے ہیں۔ وہ اپنے اپنے معاملات میں گفتگو کرنے کے لیے حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ انہوں نے عنبسہ کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے: ہمیں خلیفہ سے بات چیت کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ عنبسہ سے کیا سلوک کیا جاتا ہے؟!

عنبسہ سے کہنے لگے: آپ امیر المؤمنین کے پاس جائیں تو ان کی خدمت میں ہمارا تذکرہ بھی کریں۔ واپسی پر ہمیں بتائیں کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔

عنبسہ اندر گئے، امیر المؤمنین سے ملاقات ہوئی تو عرض کی: امیر المؤمنین سلیمان نے مجھے ایک رقم عطا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس کی دفتری کارروائی مکمل ہوچکی تھی، صرف وصولی باقی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ میرے نزدیک آپ کو اس کی تکمیل کرنی چاہیے، کیونکہ میرا آپ کا تعلق اس سے کہیں زیادہ گہرا ہے جو میرا اور امیر المؤمنین سلیمان کا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: کتنی رقم ہے؟ عرض کیا بیس ہزار دینار!

فرمایا: بیس ہزار دینار!! اتنی رقم تو مسلمانوں کے متعدد گھرانوں کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔ ایک ہی

آدمی کو اتنا مال کس بنیاد پر دے ڈالوں؟ واللہ! میرے لیے اس کی کوئی صورت نہیں۔

آپ نے فرمایا: عنبسہ! جو مال تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے، اگر وہ حلال کا ہے تو تمہیں وہی کافی ہے اور اگر حرام کا ہے تو اس پر مزید حرام کا اضافہ نہ کرو۔ تم ہی بتاؤ کیا تم محتاج ہو؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا تمہارے ذمے قرض ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: پھر تم یہ چاہتے ہو کہ بلا ضرورت اللہ کا مال اٹھا کر تمہیں دے دوں اور فقرائے مسلمین کو یونہی چھوڑ دوں؟ اگر تم مقروض ہوتے تو میں تمہارا قرضہ ادا کر سکتا تھا۔ یا اگر محتاج ہوتے تو بقدر کفایت تمہیں دے سکتا تھا، لہٰذا جو مال تمہارے پاس موجود ہے اسی پر اکتفاء کیجیے۔ اسے کھایئے اور اللہ سے ڈرتے رہیے اور سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ یہ مال جمع کہاں سے کیا گیا۔ اپنے نفس کی خبر لیجیے قبل اس کے کہ اس ذات سے سابقہ پڑے جس کے ہاں نہ تمہارا کوئی معاہدہ ہے نہ کسی حیل و حجت کی گنجائش ہوگی۔

عنبسہ کہتے ہیں: امیر المؤمنین کی یہ بات سن کر میں نے دستاویز پھینک دی۔ جناب عمر نے فرمایا: یہ تمہارے پاس ہی رہے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ ممکن ہے میرے بعد کوئی ایسا خلیفہ آئے جو اس مال کے معاملے میں مجھ سے زیادہ جری ہو اور تمہیں یہ رقم دلوا دے۔

عنبسہ کہتے ہیں: میں نے ان کی رائے کو مناسب اور بہتر سمجھتے ہوئے یہ دستاویز اٹھا لی۔

عرض کیا: امیر المؤمنین! جبل ورس کا کیا ہوا؟ جبل ورس، عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر تھی۔ جناب عمر نے فرمایا: آپ نے خوب یاد دلایا، مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔ آواز دی: ذرا وہ ٹوکری لاؤ۔ کھجور کے تنکوں کی بنی ہوئی ٹوکری لائی گئی، اس میں عبدالعزیز کی اولاد کی جاگیروں کے کاغذات تھے۔ آپ نے خادم کو پڑھنے کا حکم دیا۔ جب جبل ورس والی جائیداد کا ذکر آیا تو اسے بھی کاٹ کر پھینک دیا۔

آئندہ تم لوگوں کو ایک درہم بھی نہیں ملے گا

عنبسہ بن سعید عمر بن عبد العزیز کے ہاں سے نکلے تو دروازے پر موجود بنو امیہ کے لوگ بے تابی سے عنبسہ کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں یزید بن عبد الملک بھی تھے جو امیر المؤمنین کے بعد خلافت سنبھالنے والے ولی عہد تھے۔ یہ لوگ عنبسہ کی آمد پر کھڑے ہو گئے اور ان سے امیر المؤمنین کی شکایت کی کہ انہوں نے ہمیں دس دس دینار بھیجے ہیں۔ ہمیں ان کی رنجش کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم یہ معمولی رقم واپس کر چکے ہوتے۔

یزید بن عبد الملک نے کہا: انہیں بتا دیجیے کہ میں اس رقم پر راضی نہیں۔ شاید ان کا خیال ہو گا کہ میں ان کے بعد خلیفہ نہیں بنوں گا۔ یہ سن کر عنبسہ دوبارہ اندر گئے اور جناب عمر سے بات کی کہ آپ کی برادری کے لوگ دروازے پر بیٹھے ہیں۔ انہیں آپ سے شکوہ ہے کہ آپ نے ان کو فی کس دس دینار پر ٹرخا دیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے بات کروں اور آپ کو بتاؤں کہ وہ اس معمولی عطیہ پر راضی نہیں ہیں۔ ولی عہد یزید نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ شاید عمر کا خیال ہو گا کہ میں ان کے بعد خلیفہ بننے والا نہیں ہوں۔

عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: ان سے میرا اسلام کہو۔ سلام کے بعد انہیں میری طرف سے بتاؤ کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! میں نے یہ ساری رات جاگتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار کرتے کاٹی ہے، اس بات پر کہ میں نے دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر تمہیں فی کس دس دینار کیوں دے ڈالے؟ اچھی طرح سن لو، واللہ العظیم! آئندہ تم لوگوں کو ایک درہم بھی نہیں دوں گا الا یہ کہ تمام مسلمانوں کو بھی ملے۔

باقی رہے اے یزید تم! میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اگر تم میری بیعت توڑ ڈالو اور مسلمان مجھے خلافت سے معزول کر دیں اور تم خلافت سنبھال لو تو تم مجھ سے اس سے زیادہ گھٹیا سلوک کیا کرو گے جو میں نے خلیفہ ہوتے ہوئے خود اپنے آپ سے کر رکھا ہے؟ جب کاروبار خلافت تمہارے سپرد ہو گا تو جو جی میں

آئے کرتے رہنا۔

عنبسہ باہر نکلے تو یہ سارا قصہ بیان کیا اور کہا: یہ قصور عمر بن عبدالعزیز کا نہیں، بلکہ بنو مروان کا ہے کہ تم لوگوں نے عمر بن خطاب کے خاندان سے عاصم کی بیٹی کا رشتہ لیا۔ اس سے عمر بن خطاب کی خوبیوں والا بیٹا پیدا ہو گیا۔

مزید کہا: بھائیو! جس کے پاس کوئی زمین ہے وہ جا کر اپنی زمین کی دیکھ بھال کرے، یہاں آپ میں سے کسی کو کچھ ملنے والا نہیں۔

بنو امیہ کے لوگ کہنے لگے: اس کے بعد اب یہاں ہمارے لیے کچھ نہیں۔ عنبسہ! ان کے پاس واپس جایئے، اور ان سے درخواست کیجیے کہ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم دوسرے علاقوں میں چلے جائیں۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ انہیں کچھ نہیں دے سکتے تو ان کی درخواست ہے کہ انہیں دوسرے علاقوں میں چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔

فرمانے لگے: جہاں جانا چاہیں انہیں اجازت ہے۔ میں نے عرض کیا: مجھے بھی؟ فرمایا: ہاں آپ کو بھی اجازت ہے، مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ آپ اچھے خاصے مالدار آدمی ہیں، میں سلیمان کا ترکہ فروخت کرنا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ آپ کوئی چیز خرید کر نفع کما لیں اور اس طرح جو رقم آپ کو نہیں مل سکی اس کا بدل ہی مل جائے۔

عنبسہ کہتے ہیں: مجھے ان کی رائے بہت مناسب لگی اور میں وہیں رک گیا۔ پھر وہ دن بھی آیا جب خلیفہ سلیمان کا ترکہ فروخت ہوا تو میں نے وہ ایک لاکھ میں خرید لیا، اور اسے عراق لے جا کر دو لاکھ میں فروخت کر دیا۔

جب عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوئی اور یزید بن عبدالملک خلیفہ بنے تو میں نے سلیمان بن عبدالملک کی تحریر لا کر ان کو دکھائی، انہوں نے رقم جاری کرنے کے احکامات جاری کر دیے۔

قریش کے ایک شخص کو قیمتی نصیحت

قریش کا ایک شخص تھا، وہ جب بھی کسی خلیفہ کے ہاں اپنی ضرورت لے کر آتا تو خلفاء اسے ناکام واپس نہیں لوٹاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو ان کے پاس بھی آیا اور کوئی ضرورت پیش کی۔ عمر نے فرمایا: یہ تو جائز نہیں۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوا تو سخت ناراض ہو کر چل دیا۔ عمر نے اسے دوبارہ بلایا، اسے خیال ہوا کہ شاید اب ان کی رائے بدل گئی ہے۔ میری ضرورت اب پوری ہو جائے گی، واپس آیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے فرمایا:

جب دنیا کی کوئی چیز دیکھو اور وہ تمہیں پسند آئے تو اس وقت موت کو یاد کر لیا کرو۔ اس سے وہ غم ہلکا ہو جائے گا جو چیز کے نہ ملنے سے پیدا ہوگا۔ جاؤ یہ نصیحت اس چیز سے بہتر ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا تھا۔

امیر المؤمنین کی تواضع اور انکساری

عمر بن عبدالعزیز ایک مرتبہ حکومت کے چیف سیکرٹری رجاء بن حیوہ کے ساتھ رات کے وقت حکومتی امور پر مشورہ کر رہے ہیں۔ رجاء کے پاس کتنے ہی معاملات کے اوراق ہیں جن پر امیر المؤمنین سے رائے لینی اور مشورہ کرنا ہے۔ گفتگو لمبی ہو گئی، اس دوران چراغ درست کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ رات گہری ہو چکی تھی، خادم کو آواز دی، مگر کوئی جواب نہ آیا، غالبا وہ سو چکا تھا۔ رجاء بن حیوہ اٹھ کر چراغ کو درست کرنا چاہتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: رجاء! آپ اپنی جگہ بیٹھے رہیں، فرمایا:
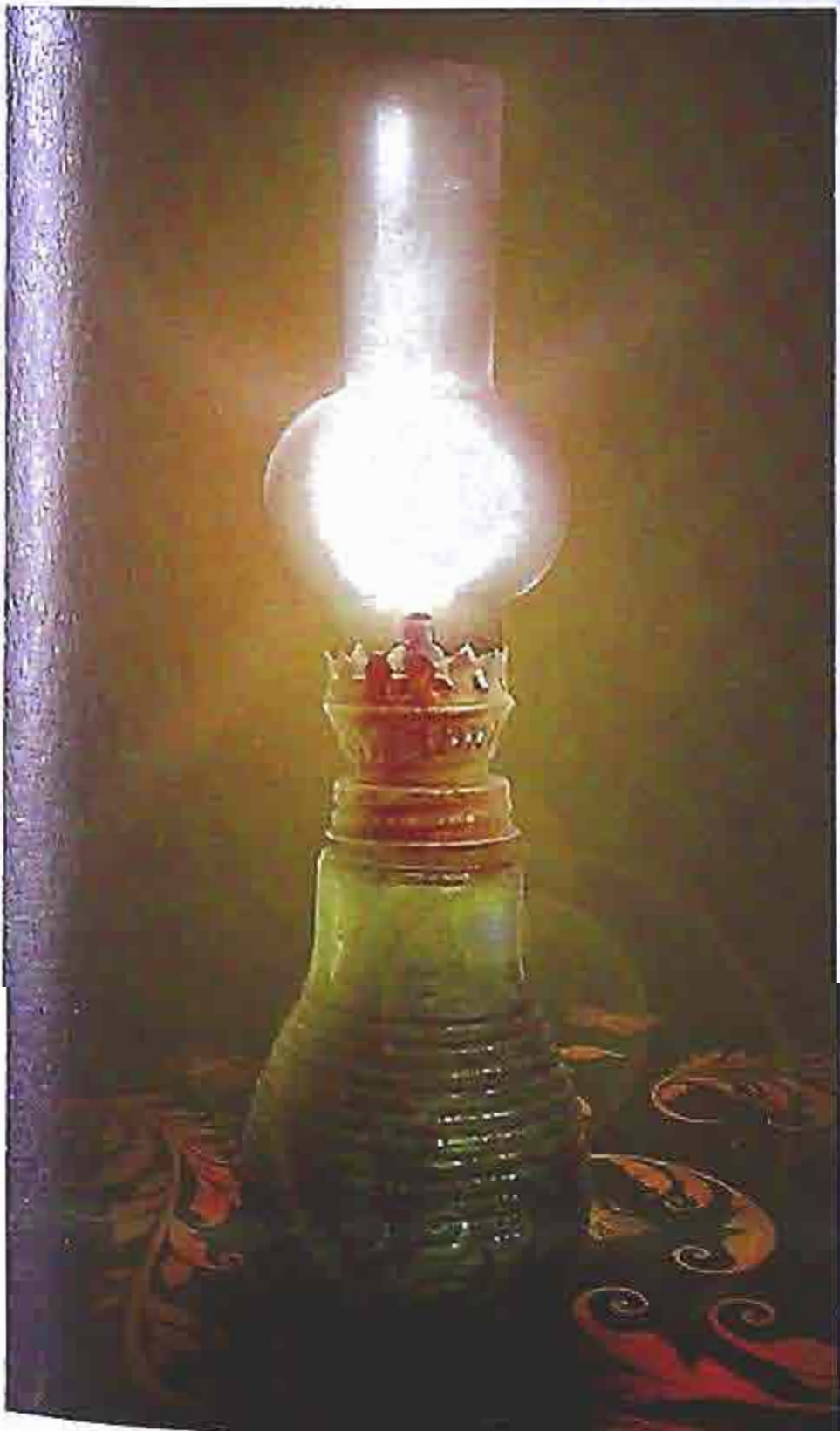
(لَيْسَ مِنَ الْكَرَمِ أَنْ يَسْتَعْمِلَ الرَّجُلُ ضَيْفَهُ)

''مہمان کو اپنے کاموں کے لیے استعمال کرنا مروت کے خلاف ہے۔''

اٹھتے ہیں اور چراغ کو درست کر دیتے ہیں۔ رجاء بن حیوہ تعجب سے کہتا ہے: آپ امیر المؤمنین ہو کر چراغ درست کر رہے ہیں!! فرمایا: (قُمْتُ وَ أَنَا عُمَرُ وَرَجَعْتُ وَأَنَا عُمَرُ)

''جب میں چراغ کو درست کرنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھا تو عمر تھا چراغ درست کر کے واپس آیا تو بھی میں عمر ہی ہوں۔''

جب میں چراغ کو درست کرنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھا تو عمر تھا چراغ درست کر کے واپس آیا تو بھی میں عمر ہی ہوں۔

گرمی کے موسم میں ان کی لونڈی انہیں پنکھے سے ہوا دے رہی تھی۔ اسی دوران لونڈی کو نیند آ گئی اور وہ پنکھا چلاتے چلاتے سو گئی۔ عمر بن عبدالعزیز نے دیکھا کہ پنکھے کی ہوا آنا بند ہو گئی ہے۔ لونڈی کی طرف دیکھا کہ وہ بھی سو رہی ہے اور اسے پسینہ آیا ہوا ہے۔ امیر المؤمنین نے سوچا یہ بھی میری طرح انسان ہے۔ اسے بھی گرمی لگتی ہے، پسینہ آتا ہے۔ یہ سوچ کر پنکھا خود پکڑ لیا اور لونڈی کو پنکھے سے ہوا دینا شروع کر دی۔ بلا شبہ (سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ) ''قوم کا خادم ہی ان کا سردار ہوتا ہے۔''

چشم فلک نے ایسے مناظر کم ہی دیکھے ہوں گے کہ عظیم اسلامی حکومت کا سربراہ ایک معمولی خادمہ کی بنفس نفیس خدمت کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رات کے وقت مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد میں گھپ اندھیرا تھا۔ ایک آدمی فرش پر سویا ہوا تھا۔ اسے ان کے پاؤں کی ٹھوکر لگی۔ اس نے کہا: (أَأَنْتَ حِمَارٌ؟) ''کیا تم گدھے ہو۔'' جواب میں فرمایا: نہیں، میں عمر ہوں۔ ان کے باڈی گارڈ نے آگے بڑھ کر اس شخص کو سزا دینی چاہی تو اسے روک دیا۔ فرمایا: تم اس پر کیوں ناراض ہوتے ہو؟ اس نے مجھ سے سوال کیا: کیا تم گدھے ہو؟ تو میں نے اسے جواب دے دیا: (لَا أَنَا عُمَرُ) ''نہیں بھئی میں تو عمر ہوں۔''

اہلیہ فاطمہ سے ایک سوال

ایک دن فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ خاتون اول جو اپنے باپ کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی جو سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھی۔ جس کے نوکروں چاکروں، خادمات کی تعداد بے شمار تھی۔ شادی ہوئی تو دمشق کو سجایا گیا۔ خوشیاں منائی گئیں، دولہا اور دلہن کو بے حد وحساب تحفے دیے گئے۔ قیمتی زیورات، لباس، سامان زیبائش و آرائش، دنیا کی ہر نعمت میسر تھی، وہ جو تمنا کرتیں پوری کر دی جاتی۔ پھر ایک دن ان کا خاوند امیر المؤمنین بن گیا۔ راتوں کو اٹھ کر عبادت کرنے والا، اللہ کے ڈر سے جاگنے والا، نجانے دن میں کتنے نوافل پڑھنے والا، فاطمہ بھی اپنے خاوند کے رنگ میں رنگی گئیں۔ وہ بھی تہجد پڑھتیں، کثرت سے نوافل ادا کرتیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے خاتون اول سے پوچھا: کبھی اپنا ماضی بھی یاد آیا؟ وہ دن یاد کرو جب ہم دنیوی نعمتوں میں تھے۔ فاطمہ کہنے لگیں: اگر آپ چاہیں تو وہ عیش عشرت کے دن واپس لوٹ سکتے ہیں۔ صرف آپ کے اشارے کی دیر ہے۔

> عمر بن عبدالعزیز نے خاتون اول سے پوچھا: کبھی اپنا ماضی بھی یاد آیا؟ جب ہم دنیوی نعمتوں میں تھے۔ فاطمہ کہنے لگیں: اگر آپ چاہیں تو وہ عیش عشرت کے دن واپس لوٹ سکتے ہیں۔ صرف آپ کے اشارے کی دیر ہے۔

کہنے لگے: فاطمہ! میرا نفس ترقی پسند ہے۔ مجھے جب بھی کوئی چیز ملی، میں نے اس سے افضل اور بہتر کی تمنا کی۔ میرے رب نے مجھے وہی عطا کر دی۔ ایک وقت تھا میرے دل میں آیا مجھے کسی شہر کا گورنر بنا دیا جائے تو میری خواہش پوری ہوگئی، مجھے مدینے کا گورنر بنا دیا گیا۔ جب مجھے گورنر بنایا گیا تو دل میں خیال آیا کہ کیا میں کبھی خلیفہ بھی بن جاؤں گا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ مجھے خلیفہ بنا دیا گیا۔ جب خلافت مل گئی تو میں نے تمنا کی......

قارئین کرام! آپ تصور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے کیا تمنا کی ہو گی؟ آدھی دنیا کے حکمران امیر المؤمنین سے بڑا عہدہ کوئی ہو سکتا ہے؟ انہیں دنیا جہان کی نعمتیں میسر تھیں۔ تو کیا دنیا جہان کی نعمتوں سے بھی کوئی

چیز افضل اور بہتر ہوسکتی ہے؟ جی ہاں! ایک چیز ہے، میں نے دنیا و مافیہا سے افضل چیز ’’جنت‘‘ کی تمنا کی ہے۔ ادھر فاطمہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ جنت کی تمنا کرتی ہیں۔

قارئین کرام! یاد رکھیے، کامیاب انسان وہی ہے جسے جنت مل جائے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ عمر بن عبدالعزیز اور فاطمہ بنت عبدالملک کو جنت میں اکٹھا کردے اور ہمیں بھی جنت میں اس نیک اور عادل خلیفہ کا ساتھ نصیب فرمائے۔

لونڈی کے حالات کی دریافت

خلیفہ بننے سے پہلے کی بات ہے ایک بار فاطمہ بنت عبدالملک کی لونڈی پر عمر بن عبدالعزیز کی نظر پڑی، فاطمہ کو محسوس ہوا کہ غالباً یہ لونڈی آپ کو پسند ہے، دریافت کیا: امیرالمؤمنین! کیا یہ آپ کو پسند ہے؟

فرمایا: وہ ہے ہی ایسی، یعنی مجھے پسند ہے۔ جب آپ خلیفہ بنے تو فاطمہ بنت عبدالملک نے لونڈی کو آراستہ و پیراستہ کرکے آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے اس لونڈی سے دریافت کیا: تو پہلے کس کے پاس تھی؟ عرض کیا: فاطمہ کے والد عبدالملک نے مجھے فاطمہ کو ہبہ کیا تھا۔ فرمایا: عبدالملک سے پہلے کس کے پاس تھی؟ اس نے بتایا کہ میں دراصل بصرہ کے فلاں خاندان کی ملکیت تھی۔ وہاں کے گورنر نے مجھے عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور عبدالملک نے فاطمہ کو ہبہ کردیا۔

یہ قصہ سن کر آپ نے قاصد کو بلایا اور بصرہ کے گورنر کو لکھا کہ یہ لونڈی اس کے اصل مالکوں کو واپس کردی جائے۔

ذمیوں کے بارے میں سالم سے مشورہ

عمر بن عبدالعزیز نے خلافت ملنے کے فوراً بعد سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کے نام یہ خط لکھا:

عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے سالم بن عبداللہ کے نام۔ اس امت کے کام یعنی امر خلافت میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے ارادے اور مشورے کے

بغیر ہوا ہے۔ آپ کو جب میرا یہ خط ملے تو مجھے لکھیے کہ اہل قبلہ اور اہل ذمہ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی تو میں اس پر عمل پیرا رہوں گا۔ والسلام

سالم بن عبداللہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

سالم بن عبداللہ کی طرف سے امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے نام......

آپ نے تحریر فرمایا کہ آپ اس امت کے کام میں بغیر ارادہ و مشورہ کے مبتلا ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر فاروق نے اہل قبلہ اور اہل ذمہ کے بارے میں جو روش اختیار کی اور جو فیصلے کیے، وہ میں آپ کو لکھ بھیجوں۔ آپ کا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی تو آپ اسی طریقہ پر چلیں گے۔

جب آپ اللہ ہی کی خاطر کسی کو معزول کریں گے اور اللہ ہی کی خاطر کسی کو ذمہ داری دیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اعوان و انصار بھی میسر کر دے گا۔

آپ نہ تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہیں، نہ آپ کو ان کے زمانے کے سے انسان ہی میسر ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک اہل عراق کا تعلق ہے تو ان کا درجہ آپ کے یہاں یہ ہونا چاہیے کہ آپ نہ تو ان سے بالکل مستغنی ہو جائیں اور نہ انہی کے محتاج ہو کر رہ جائیں۔ اگر کسی عامل کو معزول کرنے کی ضرورت پیش آئے تو محض یہ خیال کہ آپ کو اور کوئی موزوں آدمی اس کام کے لیے نہیں ملے گا، اس کی معزولی سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ اللہ ہی کی خاطر کسی کو معزول کریں گے اور اللہ ہی کی خاطر کسی کو ذمہ داری دیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اعوان و انصار بھی میسر کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کی مدد ان کی نیتوں کے بقدر ہی کی جاتی ہے۔ جس کی اچھی نیت ہو گی اس کی پوری پوری مدد کی جائے گی۔ جس کی نیت میں فتور ہوگا اور درستگی نہ ہوگی، اس کو اللہ کی پوری مدد بھی حاصل نہیں ہوگی۔ مدد تو اللہ ہی سے طلب کی جاتی ہے۔ والسلام

تنظیمی اور فلاحی اقدامات

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مبارک زندگی کے کتنے ہی درخشاں پہلو ہیں جن میں حکمرانوں اور عامۃ الناس کے لیے بہت سی نصیحتیں اور بے شمار اسباق موجود ہیں۔ سیرت نگاروں نے ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور ایسے ایسے واقعات بیان کیے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ کیا حکمران ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔

خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد انہوں نے جو سب سے پہلا سرکاری آرڈر جاری کیا وہ یہ تھا کہ مسلمہ بن عبدالملک اپنی افواج کے ساتھ دو سال سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ محاصرہ فوری طور پر ختم کر دیا جائے اور فوج کو سرحدوں سے واپس بلا لیا جائے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی فوج اس وقت سرحدوں پر نامساعد حالات کا شکار تھی۔ بظاہر فتح کے کوئی آثار نہیں تھے۔ فوج میں بد دلی پھیل چکی تھی۔ بخار کی وباء کی وجہ سے کافی اموات ہو چکی تھیں۔ خود خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک بھی اسی وباء کی نذر ہو چکا تھا۔

قسطنطنیہ کے محاصرے کی ایک خیالی تصویر

عمر بن عبدالعزیز کو اس بات کا غم رہتا تھا کہ مسلم فوج وہاں شدید نامساعد حالات کا شکار ہے؛ حتیٰ کہ وہ بھوک اور پیاس کے باعث اپنے جانوروں کو ذبح کرکے کھا رہے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کا اصول یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کے مفاد کا کوئی کام ان کے بس میں ہوتا تو وہ اس میں ایک لمحے کی بلاوجہ تاخیر کے بھی روادار نہیں تھے۔ آپ نے اس فوج کی طرف پانچ سو تازہ دم گھوڑے اور کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی ارسال کیا اور انہیں فوری واپسی کا کہا۔

فتوحات کے سلسلے میں آپ کا نظریہ

عمر بن عبدالعزیز فتوحات کی سیاست میں بنوامیہ کے خلاف تھے۔ آپ دیکھتے تھے کہ فتوحات سے جو مقصد ہے کہ اسلام کو عروج حاصل ہو، وہ پورا نہیں ہوتا۔ فتوحات سے اولین غرض یہ تھی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے؛ تاکہ وہ مشرف بہ اسلام ہوں۔ لیکن اس کے برعکس فتوحات کا محض یہ مقصد رہ گیا کہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت، قیدی اور غلام حاصل کیے جائیں۔

خلفائے راشدین کے ادوار

آج کی اسلامی فوج اور اس کے سپہ سالار وہ نہ تھے جو خلفائے راشدین کے دور کی اسلامی فوج اور

سپہ سالار تھے۔ اس لیے ان میں صحابہ کرام جیسی بہادری نہ تھی جو دین پر قربان ہونے کے لیے سر پہ کفن باندھ کر نکلا کرتے تھے۔ اب ان سپاہیوں میں مال غنیمت نہیں بانٹا جاتا۔ بہت سے مسلمانوں کا رویہ ان علاقوں میں آ کر ان کی بیزاریوں میں اضافہ ہی کرتا تھا۔ اس پالیسی سے اگرچہ اسلام کی وسعت اور پھیلاؤ پر قدغن لگے، مگر وہ محفوظ ہو تو وہی بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اسلام کا دامن وسیع ہو اور وہ کمزور سرحدوں سے گھرا ہوا ہو۔ غالباً عمر بن عبدالعزیز کی یہی رائے تھی کہ آپ نے فوج واپس بلوالی۔

عمر بن عبدالعزیز کا خیال بالکل صحیح تھا، کیونکہ بگاڑ اندازوں سے کہیں زیادہ تھا۔ جو شہر فتح کیے جانے والے تھے، ان کا فتح کرنا کوئی سہل و آسان نہ تھا۔ اگر انہیں فتح کر بھی لیا جاتا تو وہ مسلمانوں میں فساد اور بھاری پریشانی ہی کا باعث بنتے۔

عمر بن عبدالعزیز اپنی رائے پر قائم رہے اور آپ نے فی الفور اطراف کے ممالک سے فوج واپس بلا لی۔ بجز اس فوج کے جو معرکہ کارزار میں تھی یا اس سرحد پر متعین تھی جس پر دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔

بیت المال سے قرضوں کی ادائیگی کا حکم

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کے نام ایک فرمان میں لکھا: ''مقروض لوگوں کے قرضے بیت المال سے ادا کرو۔'' آپ کو لکھا گیا کہ بعض افراد مقروض تو ہیں، مگر ان کے پاس مکان، خادم، سواری اور گھر کا سامان موجود ہے۔ کیا ان کے قرضے بھی بیت المال ہی ادا کرے؟ آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

ہر مسلمان کے پاس مکان کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ سر چھپا سکے اور ایک خادم جو اس کے کاروبار میں ہاتھ بٹائے اور ایک گھوڑا جس پر وہ جہاد کر سکے اور گھر کی ضروریات کا سامان اس پر لاد کر لا سکے۔ اگر ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ مقروض ہے تو اس کا قرض بھی سرکاری خزانے سے ادا کر دیا جائے۔

ظالم حکام کی برطرفی

عمر بن عبدالعزیز فقیہ مدینہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کے مشورہ کے عین مطابق جلدی جلدی اور تیزی سے ظالم اور خوں ریز حکمرانوں کو معزول کرنے لگے۔ آپ نے ہر اس حکمران کو معزول کر دیا جس نے مسلمانوں کا خون بہایا تھا تاکہ لوگوں کے دل مطمئن رہیں اور ان کے سینے راحت و آرام سے آشنا رہیں۔ اس کام کے لیے سالم بن عبداللہ نے بہت عمدگی سے آپ کو آمادہ کیا۔ آپ نے ہر ایسے ظالم کو برطرف کرنے کا حکم صادر فرما دیا، خواہ وہ آپ کا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

بنو امیہ کے جتنے بھی ظالم اور جابر گورنرز اور افسران تھے، آپ نے ان سب کو برطرف کر دیا۔ بظاہر ان مقتدر قوتوں پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ ان میں بعض عہدے دار عرصہ دراز سے بنو امیہ کے وفادار اور مختلف علاقوں کے گورنر چلے آ رہے تھے۔ بنو امیہ کی حکومت کو مضبوط بنانے میں ان کا نہایت اہم کردار تھا۔

قارئین کرام! عموماً جب اقتدار ملتا ہے تو اکثر لوگ اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن جاتے ہیں۔ خوب ظلم و ستم کا بازار گرم کرتے ہیں۔ سابق حکمرانوں کے مقرر کردہ بہت سارے گورنر ظالم و جابر تھے۔ اشارۃً عرض کرتا چلوں کہ حجاج بن یوسف بھی بنو امیہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ وہ تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جہاں اس نے بنو امیہ کی حکومت کو مضبوط کیا، وہیں وہ اپنی معنوی ذریت بھی چھوڑ گیا۔ یہ وہ گماشتے تھے جو اپنا رعب قائم کرنے کے لیے معصوم لوگوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ اسلام نے جن چیزوں کو سختی سے روکا ہے ان میں ظلم سرفہرست ہے۔

> عمر بن عبدالعزیز نے حجاج بن یوسف کے گھر والوں کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ حکم دیا کہ حجاج بن یوسف کے کسی رشتہ دار کو کسی بھی حالت میں کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز جیسی شخصیت جنہیں تاریخ نے عادل حکمران کے نام سے یاد کیا ہے۔ آپ ایسے ظالم عہدے داروں کو کیسے

برداشت کر سکتے تھے؟! چنانچہ انہوں نے اپنے اولیں اقدامات میں ان ظالم وجابر عہدے داروں کی برطرفی کے احکامات جاری کیے۔

عمر بن عبدالعزیز نے حجاج بن یوسف کے گھر والوں کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ حکم دیا کہ حجاج بن یوسف کے کسی رشتہ دار کو کسی بھی حالت میں کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔ آپ نے ان جیسے تمام شر پسندوں کو جلاوطن کر دیا۔ اسی طرح حجاج کے ایک آدمی کی تلوار چھین لی اور اسے دابق سے واپس بھیج دیا؛ تاکہ وہ آپ کی فوج میں شامل رہ کر لڑ نہ سکے۔ آپ نے اس کا وظیفہ دو ہزار سے گھٹا کر صرف تیس درہم کر دیا۔

غرضیکہ ان جیسے ظالموں سے تلواریں آپ نے چھین لیں۔ آپ کے پاس ایک معزول عہدے دار نے آ کر یہ عذر کیا کہ اس نے حجاج کی حکومت میں چند ہی دن کام کیا ہے!!

آپ نے جواب دیا:

دیکھو! شر سے ایک دن کی نزدیکی بھی کافی ہے۔

ظالم اور سفاک جلاد کی برطرفی

حکومتی معاملات میں ایسا ہوتا ہے کہ خلیفہ بعض اوقات غلط فیصلہ بھی دے سکتا ہے۔ اگر بیوروکریسی نیک اور صالح افسران پر مشتمل ہو تو وہ حکمران کو ظلم کرنے سے بڑی دانش اور حکمت کے ساتھ روک سکتے ہیں۔ ان ظالم افسران میں سلیمان بن عبدالملک کا خاص جلاد خالد بن ریان بھی شامل تھا۔ یوں تو اس کا عہدہ خلیفہ کے سیکورٹی گارڈ اور چوکیدار کا تھا، مگر وہ نہایت جابر اور سفاک قسم کا انسان تھا۔ سلیمان بن عبدالملک ذرا سا اشارہ بھی کرتا کہ فلاں کی گردن اتارنا مقصود ہے تو یہ بلا تاخیر حکم کی تعمیل

کرتا اور گردن اتار کر پھینک دیتا۔

عمر بن عبدالعزیز نے حکومت سنبھالتے ہی اس جابر شخص کو معزول کیا۔ اس کی جگہ عمرو بن مہاجر انصاری کو مقرر کیا۔ اسے کچھ رہنما اصول بتائے، فرمایا: عمرو! اپنی تلوار کو اتار کر پرے رکھ دو۔ اللہ! تو گواہ رہنا میں نے خالد بن ریان کو معزول کر کے عمرو بن مہاجر انصاری کو اس کی جگہ تعینات کیا ہے۔ میرے اللہ! خالد بن ریان جسے ظالم لوگوں کو کبھی اقتدار پر قابض نہ ہونے دینا۔

اللہ! تو گواہ رہنا میں نے خالد بن ریان کو معزول کر کے عمرو بن مہاجر انصاری کو اس کی جگہ تعینات کیا ہے۔ میرے اللہ! خالد بن ریان جسے ظالم لوگوں کو کبھی اقتدار پر قابض نہ ہونے دینا۔

آپ نے اپنے حفاظتی دستے کے کمانڈر عمرو بن مہاجر سے کہا: عمرو! سنو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری یا دوستی نہیں۔ میرا اور تمہارا رشتہ اسلام کا ہے۔ میں نے تمہیں کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا اور سنا ہے۔ میں نے تمہیں ایسی جگہ نماز پڑھتے دیکھا جہاں تمہارا گمان تھا کہ تمہیں کوئی دیکھنے والا نہیں۔ میں نے دیکھا تم اچھے طریقے سے بڑی عمدگی سے نماز ادا کر رہے تھے۔ تمہیں اس وقت کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا۔ ایسا ہے کہ میں یہ تلوار تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج سے تم میرے خاص باڈی گارڈ اور معاون مقرر کیے جاتے ہو۔ جب تم مجھے حق سے ہٹا ہوا دیکھو تو تم میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ہلا کر کہو: عمر بن عبدالعزیز! کیا کر رہے ہو۔

عمر بن عبدالعزیز برابر حق پر چلتے رہے۔ اگر عمرو بن مہاجر آپ کو حق سے ہٹا ہوا پاتے تو آپ کو متنبہ کر دیتے۔

گورنروں کے انتخاب میں احتیاط

قارئین کرام! حاکم اگر مخلص اور اچھا ہو تو اسے اچھے با کردار، با اخلاق، با اصول کارندے مل ہی جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی نماز اور روزے سے حکام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے بڑے عمدہ انداز میں نمازیں پڑھتے ہیں، اپنے آپ کو متقی ظاہر کرتے ہیں۔ جناب عمر بن عبدالعزیز نے ایک

شخص کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پر محراب کا نشان تھا۔ پیشانی پر کثرت سجود کے نشانات دیکھے تو اسے کسی علاقے کا گورنر مقرر کر دیا۔ اب اسی گورنر نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عادلانہ فیصلوں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے اس کی پیشانی پر اپنی چھڑی رکھ کر اسے دبایا۔ اس کی پیشانی پر سجود کے نشانات تھے۔ فرمایا: تمھاری اس ظاہری شکل وصورت سے میں دھوکہ کھا گیا تھا۔

بعض لوگ نیک اور سیدھے سادے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال کر اپنے کام نکلوا لیتے ہیں۔ اپنے آپ کو اہم ترین عہدوں پر تعینات بھی کروا لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عمر بن عبدالعزیز بہت متقی اور سادہ مزاج تھے، مگر نہایت سمجھ دار اور صاحب فراست بھی تھے۔ اسلامی حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے امور نمٹانے کے لیے بہت سارے حکام کی ضرورت تھی۔ وہ کسی شخص کا انتخاب کرتے ہوئے اس کی ظاہری شکل وصورت پر نہ جاتے تھے، بلکہ مختلف خفیہ طریقوں سے اس کی شخصیت کا مکمل جائزہ لیتے تھے۔

مسافروں کے لیے سرائیں بنوانے کا حکم

عمر بن عبدالعزیز نے دور دراز کے شہروں میں سرائیں بنوانے کا حکم صادر فرمایا۔ سلیمان بن ابی السری کو لکھا: سرائیں بنواؤ، مسلمان مسافروں کو ان میں ایک دن رات مفت ٹھہراؤ اور ان کے جانوروں کی دیکھ بھال رکھو۔ بیماروں کو دو دن ٹھہراؤ اور اگر کسی کے پاس سفر کا خرچ نہ ہو تو اسے اس کے شہر تک پہنچاؤ۔

مشتبہ اشخاص کی کرید

جب آپ کے پاس کسی شخص کے بارے میں کچھ معلومات ہوتیں تو اس کے بارے میں آپ برابر تحقیق کرتے رہتے تھے؛ حتی کہ آپ کو پورا پورا اعتماد حاصل ہو جاتا۔ پھر آپ اس کا تقرر فرمایا کرتے تھے۔ اگر اعتماد حاصل نہ ہوتا تھا تو تقرر نہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کسی کو حاکم یا قاضی از راہ عنایت مقرر نہ فرمایا کرتے، بلکہ افضل کو مقدم کیا کرتے تھے۔ خواہ، رفقاء، حتی کہ عربوں میں سے بھی نہ ہو۔

عمر بن عبدالعزیز بڑے ہوشیار اور ذہین تھے۔ لیکن عموماً آپ کو یہ خیال آتا رہتا تھا کہ کہیں آپ لوگوں کے ظاہری حالات سے دھوکہ نہ کھا جائیں۔ لہٰذا آپ مشتبہ لوگوں کے پیچھے کرید کرنے والوں کو لگا دیا کرتے تھے تاکہ وہ آپ کے پاس ان کی مخصوص خبریں لائیں۔ اس طرح آپ کو ان کی طرف سے اطمینان ہو جاتا کہ وہ صحیح ہیں یا غلط۔

سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے بلال بن ابی بردہ کو مسترد کیا، اس کا پول کھولا، پھر اسے بھگا دیا۔

بلال بن ابی بردہ کوفی نہایت ہوشیار، ذہین وفطین اور دانش مند آدمی تھا۔ اس کا ظاہر اچھا تھا اور بظاہر دیندار بھی تھا، لیکن اس کا باطن اچھا نہ تھا۔ یہ چاپلوس، لالچی اور تیزی سے باطل کی طرف لپکنے والا تھا۔

خناصرہ میں بلال عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو ان الفاظ میں خلافت کی مبارک باد دی: امیر المؤمنین! اگر کسی کو خلافت سے شرف حاصل ہوا ہو تو آپ سے خلافت کو شرف حاصل ہوا ہے۔ اگر کسی کو خلافت سے زینت ملی ہو تو آپ سے خلافت کو زینت ملی ہے۔

دیکھو بلال نے اللہ کے نام پر ہمیں دھوکا دیا اور قریب تھا کہ ہم اس کے فریب میں آجاتے۔ لیکن ہم نے اسے پگھلا کر دیکھا تو اس میں سراسر کھوٹ پایا۔

عمر بن عبدالعزیز نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر یہ مسجد میں جا کر ایک ستون کے پاس لگا تار نوافل پڑھتا رہا۔ عمر بن عبدالعزیز نے علاء بن مغیرہ سے کہا: اگر اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح ہو تو یہ واقعی عراق کی حکومت کا اہل ہے اور چھوڑنے کے لائق نہیں۔

علاء کہنے لگے: ابھی میں آپ کے پاس اس کے حالات کی خبر لاتا ہوں۔ علاء اس کے پاس جاتے ہیں اور اسے مغرب وعشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہوئے پاتے ہیں۔ علاء نے کہا: نماز سے ذرا جلدی فارغ ہو کر میرے پاس آیئے، مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔

بلال نماز سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آیا۔ تو علاء کہنے لگے: آپ کو امیر المؤمنین کی نگاہ میں میرا مرتبہ معلوم ہی ہے۔ اگر میں عراق کی حکومت کے لیے امیر المؤمنین کے سامنے آپ کا نام پیش کر دوں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟

بلال کہنے لگا: میں آپ کو اپنی ایک سال کی تنخواہ دے دوں گا جو دس لاکھ کی رقم بنتی ہے۔ علاء بولے: آپ لکھ دیجیے۔ بلال تیزی سے گھر گیا، قلم دوات اور کاغذ لے آیا اور تحریر لکھ دی۔ علاء عمر بن عبدالعزیز کے پاس یہ تحریر لے آئے۔ جب آپ نے یہ تحریر دیکھی تو آپ نے کوفہ کے حاکم کو لکھ دیا: اما بعد! دیکھو بلال نے اللہ کے نام پر ہمیں دھوکا دیا اور قریب تھا کہ ہم اس کے فریب میں آ جاتے۔ لیکن ہم نے اسے پگھلا کر دیکھا تو اس میں سراسر کھوٹ پایا۔ والسلام۔

مزید ظالم حکام کی برطرفی

مصر کا گورنر اسامہ بن زید تنوخی بڑا ظالم اور جابر انسان تھا۔ یہ بھی لوگوں کو ذرا سی غلطی پر یا حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی پر شدید سزائیں دیتا تھا۔ بغیر تحقیق کیے یہ لوگوں کے ہاتھ کاٹتا، اگر دایاں ہاتھ کاٹا ہے تو بایاں پاؤں کاٹ دیتا۔ لوگ اس سے بڑے تنگ تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے نہ صرف عہدے سے معزول کیا جائے بلکہ اسے مختلف شہروں کی جیلوں میں رکھا جائے۔ اسے قید

قدیم زمانے میں مصر کی ایک تصویر

با مشقت کی سزا دی گئی، اس کو بیڑیاں پہنائی گئیں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی گئیں، کیونکہ اس نے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ نماز کے وقت اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دی جاتیں تا کہ یہ نماز ادا کر سکے۔ امیر المؤمنین کے حکم پر اسے ایک سال کے لیے مصر کی جیل میں ڈالا گیا۔ اس کے بعد ایک سال فلسطین کی جیل میں رکھا گیا۔ اس دوران سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہو جاتی ہے اور ان کی جگہ یزید بن عبدالملک کو خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے یزید کے حکم پر اسامہ کو رہا کر کے دوبارہ مصر کا گورنر بنا دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ظلم و زیادتی کرنے والے دھوکے باز اور خیانت کرنے والے تمام وزراء کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان کے عہد میں وزارت کے عہدے پر پہنچے تھے۔ آپ نے ان وزراء کو اپنے پاس بلایا۔ ان میں ایک وزیر شریک بن عرضاء بھی تھا۔ آپ نے اس سے کہا:

﴿اُغْرُبْ عَنِّي يَا ظَالِمُ! رَأَيْتُكَ تُجْلِسُ النَّاسَ فِي الشَّمْسِ وَتَجْلِدُ أَبْشَارَهُمْ بِالسِّيَاطِ وَتُجَوِّعُهُمْ وَأَنْتَ فِي الْخِيَامِ وَالْإِسْتَبْرَقِ﴾

”ظالم انسان! میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تو لوگوں کو سورج کی گرمی میں بٹھا کر ان کے جسموں پر کوڑے مارتا اور انھیں بھوکا پیاسا رکھتا تھا، اور خود عمدہ ریشم کی پوشاک میں خیمے کے اندر براجمان رہا کرتا تھا۔“

پھر دوسرے وزیر کو بلایا اور فرمایا:

زمانہ قدیم میں قیدیوں کو سزا دینے کی ایک خیالی تصویر

(اُغْرُبْ عَنِّي وَاللّٰهِ! لَا تَلِي لِي وِلَايَةً. رَأَيْتُكَ تُقَدِّمُ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ لِسُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ)

''چل میری نظروں سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! تو میرے نزدیک ولایت کا مستحق ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خاطر مسلمانوں کا ناجائز خون بہایا کرتا تھا۔''

اسی طرح ایک ایک کر کے ان تمام ظالم وسفاک اور خائن اور دھوکے باز وزراء کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں دندناتے پھر رہے تھے۔ اور اس کے فوراً بعد علماء وصلحا کے درمیان سے وزراء وامراء کا انتخاب فرمایا۔

عمر بن عبدالعزیز نے مختلف علاقوں کے ظالم اور جابر گورنروں کو تبدیل کرنے کے احکام جاری کیے۔ حجاج بن یوسف دور کے تمام گورنروں اور علاقوں کے حکام کو معزول کر دیا، اس کے بعد مظلوم لوگوں کی دادرسی شروع کی۔ وہ موقع پر احکامات صادر کرتے چلے گئے۔ اور خلیفہ بغیر آرام کیے مسلسل کام کرتے رہے۔ جب سخت تھک گئے تو تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے گھر تشریف لے آئے۔ ان کا نیک سیرت بیٹا عبدالملک ان کے پاس آیا۔ یہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ بیٹے نے پوچھا: ابا جان! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے: بیٹا! میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرے جسم کی ساری طاقت نچڑ چکی ہے۔ اس نے کہا: ابا جان! آپ مظلوم لوگوں کی دادرسی کرنے اور ان کی دعائیں لینے سے پہلے ہی سونا چاہتے ہیں۔ فرمانے لگے: بیٹا! میں کل بھی رات گئے تک جاگتا رہا۔ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ کو امت محمدیہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ان میں فقراء بھی ہیں، مساکین، بیوگان اور یتامی بھی ہیں۔ سب کی نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ یہ کل قیامت کے روز آپ کا دامن پکڑیں گے۔ بیٹے کے الفاظ سنے تو رو دیے۔ بیٹے سے کہا: میرے قریب آؤ۔

جب بیٹا قریب آیا تو اسے سینے سے لگا لیا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ کہا: اللہ! تیرا شکر ہے تو نے میری نسل میں اتنا متقی بیٹا عطا فرمایا ہے جو دین کے معاملے میں میری معاونت کر رہا ہے۔ نیند ختم ہو گئی، راحت وآرام کو چھوڑا اور ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ کی انتظامی صلاحیت

عمر بن عبدالعزیز کے پاس خلافت اس حال میں نہیں آئی کہ آپ مسائل خلافت سے بے خبر اور بے بہرہ تھے۔ بلکہ آپ تمام ضروری مسائل سے باخبر اور آگاہ تھے اور لوگوں کے حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ جب سے حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی، اسی وقت سے آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ آپ صالح حکام سے مدد لیں اور ان کے بارے میں لوگوں کے مشورے سنیں۔

اہم عہدوں کے لیے حکام کا تقرر

آپ کسی کو اس وقت تک حاکم نہ بناتے جب تک اس کا ظاہر و باطن آزما نہ لیتے۔ پھر جب آزمانے کے بعد آپ کو اطمینان ہو جاتا تھا تو اسے حاکم مقرر فرما دیا کرتے تھے۔ آپ ایسے شخص کا انتخاب کرتے جو عدالت میں سخت، پختہ اور درست فیصلہ کرنے والا اور رعایا پر نرم اور شفیق ہوتا تھا۔ ایک شخص کو وہی کام سونپا جا سکتا تھا جس کی اس میں صلاحیت ہوتی تھی اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہوتی تھی۔

قاضیوں کا تقرر

آپ کی رائے میں قاضی میں مندرجہ ذیل پانچ خوبیوں کا پایا جانا لازمی تھا:

1- سنت کا عالم ہو۔

2- بردبار و باوقار ہو۔

3- صابر اور منکسر المزاج ہو۔

4- پاک دامن ہو۔

5- اہم مسائل میں مشورہ کرنے والا ہو۔

اگر یہ پانچ خوبیاں کسی میں جمع ہوں تو پھر وہ قاضی بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک

خوبی میں بھی خلل ہو تو اس میں عیب ہے۔

آپ انہی خوبیوں والے لوگوں میں سے قاضی منتخب فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں اصابت رائے اور تقویٰ میں قاضیوں کا طبقہ ضرب المثل ہے۔ یہ لوگ معرفت عدالت میں ماہر ہوتے تھے اور اس کے پابند ہوتے تھے اور راتوں کو جاگ جاگ کر عدل وانصاف کے طریقے محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز دور کے اور قریب کے قاضی یکساں مقرر فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ دور کے قاضی کو منتخب کرنے میں زیادہ احتیاط برتا کرتے تھے اور آزمائے بغیر کسی کو قاضی مقرر نہ فرماتے تھے۔

قیروان میں موجود تاریخی عقبہ بن نافع مسجد

ابن مغیرہ کا افریقہ میں بطور قاضی تقرر

جب خلافت سلیمان بن عبدالملک کے پاس آئی تو اس نے اپنے ایک معتمد آدمی کو خراج وصول کرنے پر مقرر کیا۔ افریقہ کے حاکم عبداللہ بن موسیٰ بن نصیر کو لکھا کہ جب تم وہاں سے خراج وصول کر کے ہماری طرف ارسال کرو تو قیروان کے دس آدمی اس مال کے ساتھ بھیجے جائیں جو گواہی دیں کہ مال صحیح صحیح طریقے سے جمع کیا گیا ہے۔

جب یہ دس آدمی مال کے ساتھ سلیمان کے پاس پہنچتے ہیں تو سلیمان ان سے پوچھتا ہے: کیا یہ مال

صحیح صحیح طریقہ سے وصول کیا گیا ہے؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ سلیمان بن عبدالملک ان سے دیگر باتیں پوچھنے لگتا ہے اور یہ جواب دینے لگتے ہیں، مگر ان میں ایک آدمی خاموش رہتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز اس مجلس میں موجود ہوتے ہیں اور یہ بات نوٹ کر لیتے ہیں پھر جب وفد کے لوگ واپس ہوتے ہیں تو عمر بن عبدالعزیز اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو خاموش رہا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبداللہ بن مغیرہ ہیں، بڑے دیندار، فاضل اور متقی انسان ہیں۔ لوگوں نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ آپ اس لیے خاموش رہتے ہیں کہ آپ نے عہد کر لیا ہے کہ صحیح اور حق بات ہی بولیں گے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ابن مغیرہ کی یہ ادا بہت پسند کی اور انہیں یاد رکھا۔

عمر بن عبدالعزیز برسر اقتدار آئے تو عبداللہ بن مغیرہ کو افریقہ کا قاضی مقرر فرمایا، کیونکہ آپ نے ان میں تقویٰ، ثقاہت اور معرفت وعلم دیکھا تھا۔ اسی طرح آپ نے ولید بن عبدالملک کے پاس بیٹھنے والے سمح بن مالک خولانی میں بھی امانت و دیانت دیکھی تھی۔ اس بنا پر آپ نے انہیں اندلس کا حاکم مقرر فرما دیا۔

لوگوں کا عہدہ قضا قبول کرنے سے گریز

عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قاضیوں میں ایک ایسی چیز پیدا ہو گئی تھی جو عموماً پیدا نہیں ہوا کرتی۔

قاضی قضاء کے عہدوں سے بھاگنے لگے تھے۔ خواہ ان میں خشیت الٰہی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قاضیوں کو اپنے فرائض کا احساس تھا اور اس کا بھی کہ ان سے باز پرس کی جائے گی، اس لیے یہ عہدہ ان پر بھاری تھا۔

اللہ سے ڈرنے والا تو اس لیے بیدار رہتا ہے کہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر نہ تھا وہ عمر بن عبدالعزیز سے اور لوگوں سے ڈرنے لگا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کی ایک قاضی کو ہدایت

آپ کے ایک عامل میمون بن مہران نے جو جزیرہ کے عہدہ خراج کے رئیس تھے اور وہاں کے قاضی تھے۔انہوں نے اس عہدے کی بھاری ذمہ داری سے گھبرا کر استعفیٰ دے دیا۔امیر المؤمنین نے ان کے نام ایک خط میں لکھا:

السلام علیکم! میں آپ کو ایسی تکلیف نہیں دینا چاہتا جو آپ کو مصیبت میں ڈال دے۔ پاکیزہ پھل چنیے اور جو حق آپ پر منکشف ہو، اس کی روشنی میں فیصلہ کیجیے۔ اگر آپ کو کسی کام میں الجھن پیدا ہو تو اسے میرے پاس لائیے۔ کیونکہ اگر کسی کام کے بھاری ہونے کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ بیٹھیں تو نہ دین قائم رہ سکتا ہے نہ دنیا۔

عہدہ قضا سے انکار کا ایک واقعہ

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بصرہ کے گورنر عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ایاس بن معاویہ اور قاسم بن ربیعہ کو بلا کر ان میں سے جو زیادہ عدل وانصاف سے فیصلہ نافذ کرنے والا ہو، اسے قاضی بنا دو۔

عدی نے دونوں کو بلوایا۔ ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں عالم وفقیہ نہیں اور یہ عہدہ دوسرے پر ڈال دیتا تھا۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ایک کو قسم کھانا پڑی تاکہ اس بہانے سے عہدہ قضاء سے بچ جائے۔

ایاس نے عدی سے کہا۔آپ میرے بارے میں اور قاسم کے بارے میں بصرہ کے دو مشہور عالموں حسن بصری اور ابن سیرین سے پوچھ لیجیے۔قاسم ان دونوں بزرگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

قاسم کو معلوم تھا کہ اگر عدی میرے بارے میں ان دونوں بزرگوں سے پوچھیں گے تو یقینا دونوں مجھے ہی تجویز کریں گے، اس لیے انہوں نے عدی سے کہا: آپ ان دونوں سے میرے اور ہم دونوں کے بارے میں نہ پوچھیں۔ اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! واقعی ایاس مجھ سے زیادہ فقیہ اور قضاء کو جاننے والے ہیں۔ اگر اس بات میں میں جھوٹا ہوں تو جھوٹے کو قاضی بنانا لائق نہیں اور اگر سچا ہوں تو تمہیں میری بات ماننا پڑے گی۔

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117　　0343-7008883　　0333-8033313

محمد سلمان سلیم　　پاکستان زندہ باد　　راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

عدی حیرت میں پڑ گئے جب کہ قاسم نے ان پر تمام دروازے بند کر دیے۔ آخر کار انہیں ایاس ہی کو قاضی بنانا پڑا، مگر ایاس کو معلوم تھا کہ ایاس نے مبالغہ آمیز قسم کھائی ہے۔ آخر کار قاسم نے بھی قسم کھائی کہ میں عہدہ قضا قبول نہ کروں گا۔ انہوں نے عدی سے کہا: عدی! تم نے ایک شخص کو لا کر جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے جھوٹی قسم کھا کر اپنا نفس آزاد کر لیا۔ اللہ اسے اس جھوٹ پر معاف فرمائے اور اس سے نجات دے جس سے ڈر کر اس نے جھوٹ بولا ہے۔

عدی! تم نے ایک شخص کو لا کر جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے جھوٹی قسم کھا کر اپنا نفس آزاد کر لیا۔ اللہ اسے اس جھوٹ پر معاف فرمائے۔

اس گفتگو سے عدی پر حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتے ہیں کہ ایاس قاسم کی گفتگو کا مطلب سمجھ گئے ہیں۔ وہ باصلاحیت شخصیت ہیں اور قضاء وفقہ کا علم رکھتے ہیں۔ اس لیے عدی کہتے ہیں: ایاس جب آپ اعلیٰ درجے کے فقیہ ہیں اور عدالتی فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ ہی اس منصب کے اہل ہیں۔ عدی نے ایاس سے درخواست کی کہ براہ کرم آپ ہی قاضی بن جائیں۔

پھوپھی صاحبہ کا وظیفہ

سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے خلافت سنبھالنے کے بعد آپ کی پھوپھی صاحبہ فاطمہ بنت مروان آپ کی اہلیہ سیدہ فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس آئیں اور کہا: میں امیر المؤمنین سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ فاطمہ نے کہا: ذرا تشریف رکھیے، وہ ابھی مصروف ہیں۔ وہ بیٹھ گئیں، تھوڑی دیر بعد غلام گھر سے چراغ لے کر ان کی طرف گیا۔ فاطمہ نے کہا: اگر آپ کو کوئی بات کرنی ہے تو اب وہ فارغ ہیں۔ ان کا معمول یہ ہے کہ جب تک وہ مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوتے ہیں تو شمع جلاتے ہیں اور اپنا ذاتی کام کرنا ہو تو گھر سے چراغ منگوا لیتے ہیں۔

پھوپھی صاحبہ آپ کے پاس گئیں، دیکھا کہ آپ شام کا کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چند روٹیاں، کچھ نمک اور ذرا سا زیتون بس یہ تھا امیر المؤمنین کا کھانا۔ پھوپھی صاحبہ نے کہا: امیر المؤمنین! میں تو ایک اپنی ضرورت کے لیے آئی تھی، مگر آپ کو دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ اپنی ضرورت

سے پہلے مجھے آپ کے مسائل پر کچھ کہنا چاہیے۔ آپ نے کہا: فرمائیے۔ پھوپھی صاحبہ نے کہا: آپ ذرا اس سے نرم کھانا کھایا کیجیے۔ فرمایا: پھوپھی جان! یقیناً میں ایسا ہی کرتا، مگر کیا کروں، میرے ذاتی بجٹ میں اس کی گنجائش ہی موجود نہیں۔

اس کے بعد پھوپھی صاحبہ نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے چچا عبدالملک مجھے اتنا وظیفہ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد آپ کے بھائی ولید آئے تو انہوں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ اب آپ آئے تو میرا وظیفہ ہی بند کر دیا۔

امیر المؤمنین! آپ کے چچا عبدالملک مجھے اتنا وظیفہ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد آپ کے بھائی ولید آئے تو انہوں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ اب آپ آئے تو میرا وظیفہ ہی بند کر دیا۔

فرمایا: محترمہ پھوپھی صاحبہ! میرے چچا عبدالملک، میرے بھائی ولید اور میرے بھائی سلیمان آپ کو مسلمانوں کا مال دیا کرتے تھے۔ اب یہ مال میرا تو نہیں کہ میں آپ کو دیا کروں! ہاں آپ چاہیں تو ذاتی مال سے دے سکتا ہوں۔ وہ بولیں اور وہ کونسا؟ فرمایا: وہی جو مجھے دو سو دینار (سالانہ) وظیفہ ملتا ہے۔

پھوپھی نے کہا: میں تمہارے وظیفے سے لے کر اس معمولی رقم کا کیا کروں گی؟ فرمایا: پھوپھی جان! بس پھر میرے پاس تو یہی ہے، اس کے علاوہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یہ سن کر آپ کی پھوپھی واپس چلی گئیں۔

خلافت ایک کھلی آزمائش

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا: عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے فرمایا: کیا قصہ ہے؟ تمہارے ساتھ کس نے ظلم کیا؟

راوی کہتا ہے: آپ اس سے بار بار دریافت فرما رہے تھے، مگر اس کے منہ سے اس شخص کا نام نہیں نکل پا رہا تھا۔ ظلم کرنے والا آپ کا کوئی عزیز تھا، بالآخر اس نے کہا: فلاں شخص نے میرا اتنا مال دبا لیا ہے۔ آپ نے فوراً غلام سے قلم دوات اور کاغذ طلب کیا اور اپنے گورنر کے نام لکھا:

فلاں آدمی نے میرے پاس شکایت کی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو مجھے اطلاع دینے سے پہلے اس کا مال اسے واپس مل جانا چاہیے۔ تحریر لکھنے کے بعد آپ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا:

{إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ} ''یقیناً یہ خلافت تو کھلی آزمائش ہے۔''

محمد بن کعب قرظی سے معذرت

آپ کے ایک مصاحب محمد بن کعب قرظی مدنی وکوفی بھی تھے جو بڑے پارسا اور متقی تھے۔ آپ حس لطیف کے مالک تھے، جلیل القدر، ثقہ اور علم وصلاح سے آراستہ اور مدینہ منورہ میں آپ کے اصحاب میں سے تھے۔ پھر دونوں میں کچھ رنجش ہوگئی تھی۔ عہد خلافت میں داخل ہونے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نادم ہوئے کہ انہوں نے نصیحت کرنے پر کعب کا یہ کہہ کر دل دکھایا تھا: ابن کعب! چراغ کی طرح بنو تو جلو اور دوسروں کو روشنی پہنچاؤ۔

آپ یہ خیال کر کے برابر پچھتاتے رہے آخر کار انہیں بلا بھیجا کہ ملک شام آکر مجھ سے ملاقات کیجیے۔ معلوم ہوا کہ آپ جہاد کے لیے باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے سرحدوں کے حاکم کو لکھا کہ ابن کعب کو میرے پاس آنے دو اور انہیں زادِ راہ بھی فراہم کردو۔

آخر کار قرظی بنو امیہ کی کراہت کے باوجود عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچے۔ قرظی عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، ملاقات ہوئی تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا۔ ابن کعب! جب آپ نے مجھے مدینہ طیبہ میں نصیحت کی تھی تو میں نے آپ کو تلخ جواب دیا تھا۔ میں اس پر نادم ہوں اور اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں۔

قرظی کہنے لگے: امیر المؤمنین! اللہ آپ کو معاف فرمائے اور آپ کی لغزش سے درگزر فرمائے۔

قرظی بار بار عمر بن عبدالعزیز کو دیکھتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز پوچھتے ہیں: ابن کعب! تم میرے اندر کیا انوکھا پن پاتے ہو؟ بولے: بار بار دیکھ کر تعجب کر رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ وہ دل فریب رنگت، وہ خوبصورت بال، وہ بھرا بھرا بدن کہاں گیا؟ عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے: اگر میرے دفن کیے جانے کے تین دن بعد مجھے دیکھو تو تمہاری حیرت کی انتہا نہ رہے۔ یہ جسم مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی بن جائے گا۔

فریبیوں کی چالوں سے خبردار خلیفہ

عمر بن عبدالعزیز پر فریبیوں کے مکارانہ ہتھکنڈے اثر نہیں کرتے تھے۔ جب کبھی آپ کو کسی مکار کا کوئی مکر اور کسی فریبی کا کوئی فریب معلوم ہوتا تو آپ اس کے حالات کی کرید میں لگ جاتے۔

ایک دفعہ خراسان سے ایک شخص آپ کے پاس آتا ہے، عرض کرتا ہے۔ امیر المؤمنین! میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: جب بنو امیہ کا اشج برسر اقتدار آئے گا تو زمین کو اس طرح عدل سے بھر دے گا جیسے وہ آج ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ جب ولید برسر اقتدار آیا تو میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔ کہا گیا کہ ولید اشج (زخم کے نشان والا) نہیں ہے۔ پھر سلیمان برسر اقتدار آیا تو وہ بھی ولید کی طرح تھا۔ پھر آپ برسر اقتدار آئے تو آپ کے ماتھے پر زخم کا نشان ہے لہٰذا آپ ہی اشج ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے اس شخص سے پوچھا: کیا تم قرآن پڑھے ہوئے ہو؟ بولا: جی ہاں! فرمایا: تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے تمہیں قرآن کی نعمت بخشی! کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا: ہاں! پھر عمر بن عبدالعزیز نے اسے مہمان خانے میں ٹھہرالیا۔ یہ شخص تقریبا دو مہینے یہاں ٹھہرا رہا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے اسے بلا کر کہا: جانتے ہو، ہم نے تمہیں کیوں روکا ہے؟ بولا: نہیں۔ فرمایا: ہم نے آدمی بھیج کر تمہارے شہر میں تمہارے بارے میں تحقیقات کرائی ہے۔ تمہارے بارے میں تمہارے دوست دشمن سب ہی کی ایک رائے ہے۔ وہ بات کی تہہ کو پہنچ کر واپس ہو گیا۔

ایک دفعہ آپ کو آپ کے کسی گورنر نے لکھا: ہمارے پاس ایک جادوگرنی لائی گئی ہم نے اسے پانی میں ڈال دیا لیکن وہ پانی پر تیرنے لگی اور ڈوبی نہیں۔ آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

عمر بن عبدالعزیز اسے جواب میں لکھتے ہیں: ہمیں پانی سے کیا تعلق؟ اگر جادو کا ثبوت ہو تو سزا دی جائے، ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

غلطی کرنے والوں کے لیے پہلی سزا

غلطی کرنے والوں کے لیے سخت زجر و توبیخ اور ملامت عمر بن عبدالعزیز کی پہلی سزا تھی جو خطا کار عامل کے حصہ میں آتی تھی۔ اگر وہ اس کے باوجود بھی بیدار نہ ہوتا تو عمر بن عبدالعزیز اسے معزول کر دیا کرتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ایک دفعہ ان سے کوتاہی ہو گئی۔ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا:

تم نے اپنی سیاہ پگڑی سے علماء کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے اور اپنے پیچھے پگڑی کا شملہ چھوڑنے سے مجھے دھوکہ دیا اور تم نے میرے سامنے بھلائی ظاہر کی اور میں نے تمہارے ساتھ اچھا گمان کر لیا، لیکن اللہ نے وہ باتیں ظاہر کر دیں جن کو تم چھپایا کرتے تھے۔ والسلام

سفراء کے ساتھ بھی جاسوسوں کی موجودگی

عمر بن عبدالعزیز نے سفیروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو عاملوں اور قاضیوں کے ساتھ کیا تھا۔ ان کے پیچھے جاسوس لگا دیے کہ وہ آپ کو ان کے احوال کی اطلاع دیتے رہیں۔

آپ نے عبداللہ بن عبدالاعلیٰ کو شاہ روم کی طرف بھیجا تو ان کے ساتھ بنو عبس کا ایک شخص بھی کر دیا۔ پھر جانے سے پہلے آپ نے اس عبسی کو خلوت میں بلا کر اس سے کہا: ابن عبدالاعلیٰ کے تمام احوال یاد رکھنا۔ پھر جب دونوں واپس لوٹے تو آپ نے عبسی کو خلوت میں بٹھا کر تن تنہا اس کے حالات معلوم کیے اور اس نے آپ کو تمام باتیں بتائیں۔

حج کے موسم میں دو اہم اعلان

عمر بن عبدالعزیز نے حج کے موسم میں اعلان فرما دیا تھا کہ میں ہر مظلوم کی پناہ گاہ ہوں۔ مجھے چھوڑ کر کسی مظلوم کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔

اس حاکم کی اطاعت فرض نہیں جو حق سے ہٹ جائے اور قرآن وحدیث پر عمل پیرا نہ ہو۔

عمر بن عبدالعزیز نے ظالم حکام کے سلسلے میں ایک انوکھا اعلان کرایا۔ آپ نے فرمایا: میں ظالم حاکموں کا معاملہ رعایا کو سونپنے والا ہوں تاکہ وہ شرمندہ اور ذلیل ہو کر حق کی طرف لوٹیں۔ اس اعلان نے حکام کے دل لرزا دیے کہ ان کا معاملہ رعایا کے سپرد ہونے والا ہے؛ تاکہ رعایا ان سے اپنے حقوق واپس لے لے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں نے ہشام بن اسماعیل سے جب ولید نے اسے مدینہ سے معزول کر دیا کس طرح اپنا حق لیا تھا۔ ہر شخص اس کے پاس آ کر اپنے حق کا مطالبہ کرتا تھا اور اس سے اپنے ظلم کا جو اس پر کیا گیا تھا، بدلہ لیتا تھا۔

ایک دس سالہ بچے کی تقریر

قرظی کے آنے کے زمانے میں دمشق میں خلافت کی مبارک باد دینے کے لیے مختلف شہروں سے وفد آتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا وفد اہل حجاز کا تھا۔

اہل حجاز کو آپ کی خلافت سے بڑی مسرت ہوئی، وفد میں ایک بچہ بھی تھا۔ جس نے کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے دیکھا تو چھوٹا خیال کر کے اس سے فرمایا: گفتگو تم میں سے کوئی بڑا شخص کرے۔

بچہ بولا: امیر المؤمنین! انسان اپنے دو چھوٹے اعضاء ہی سے انسان ہے۔ یعنی دل اور زبان سے پھر جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بولنے والی زبان اور حفاظت کرنے والا دل عطا فرما دے تو گویا اللہ تعالیٰ نے کلام کے لیے اسے چن لیا اور وہ گفتگو کرنے کا حق دار ہے۔

اگر کاموں کا مدار عمر پر ہوتا تو یہاں ایسے حضرات بھی ہیں جو آپ کی بہ نسبت آپ کی مجلس کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ وہ آپ سے بڑی عمر کے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا! تم گفتگو کرو

جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بولنے والی زبان اور حفاظت کرنے والا دل عطا فرما دے تو گویا اللہ تعالیٰ نے کلام کے لیے اسے چن لیا اور وہ گفتگو کرنے کا حق دار ہے۔

کیونکہ یہ جائز جادو ہے۔عمر بن عبدالعزیز کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی طرف تھا جس میں آپ نے فرمایا ہے:

(إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا) ''بعض خطابات میں جادوئی اثر ہوتا ہے۔''

بچہ بولا: امیر المؤمنین! ہم مبارک باد دینے کے لیے آئے ہیں، بخشیش لینے کے لیے نہیں۔ نہ ہم کسی چیز کی رغبت لے کر آئے ہیں، نہ ہی ڈر کر آئے ہیں۔ کیونکہ ہم آپ کے زمانے میں ان چیزوں سے بے خوف ہیں جن کا ہمیں ڈر رہتا تھا۔ رغبت اس لیے نہیں کہ ہم نے اپنی مطلوبہ چیزیں پالی ہیں۔ پھر یہ بچہ خلیفہ سے مرعوب ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ خلیفہ نے اس کی عمر پوچھی تو دس سال بتائی گئی۔

بچے کی تقریر کے بعد مقررین تقریر کے رنگ ڈھنگ سیکھ گئے۔

خطباء سمجھ گئے کہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کس قسم کی تقریر کرنی چاہیے؛ چنانچہ آپ کی خدمت میں عبداللہ بن الاہتم آتے ہیں اور آپ کے سامنے تقریر میں کہتے ہیں:

عمر بن عبدالعزیز! واقعی آپ دنیا کے بیٹے ہیں۔ آپ دنیا کے سلاطین میں پیدا ہوئے اور دنیا کی چھاتیوں سے دودھ پیا۔ پھر جب آپ دنیا کے حاکم بنا دیے گئے تو آپ نے دنیا کو ٹھکرا دیا اور اللہ کی ملاقات کو اور اس کے پاس والی نعمتوں کو ترجیح دی۔

آپ آگے ہی بڑھتے رہیے اور ادھر ادھر نہ دیکھیے کیونکہ کوئی بھی چیز انسان کو حق سے بے نیاز نہیں بناتی۔

عمر بن عبدالعزیز اپنے ماموں زاد بھائی سالم بن عبداللہ بن عمر سے اور رجاء بن حیوہ سے جو شامیوں کے سردار تھے بہت متاثر تھے۔ آپ کہا کرتے تھے: رجاء تین بے مثال شخصوں میں سے ایک ہیں اور تینوں کی صفات ملتی جلتی ہیں۔ یہ تین شخصیات عراق میں ابن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء بن حیوہ ہیں۔

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے چند شاہکار خطوط

نیکی پر مشتمل ڈاک

رباح بن حیان جو مدینہ کے حاکم تھے کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے ہمارے پاس جو ڈاک آتی تھی اس میں کسی مردہ سنت کو زندہ کرنے کا، یا مال تقسیم کرنے کا، یا عوام کی بہبودی کے کاموں کا حکم دیا جاتا۔

پوری رعیت کے لیے عمومی فرمان

جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے تمام مسلمانوں کے نام مندرجہ ذیل فرمان جاری کیا:

میں تم سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرنے، اس کی کتاب کو لازم پکڑنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کی اقتداء کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام امور بیان فرما دیے ہیں جو تمہیں کرنے ہیں اور وہ بھی بیان کر دیے ہیں جن سے تمہیں بچ کر رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاکیدی احکام کے ذریعہ تمہارا عذر زائل کر دیا اور تم پر حجت پوری کر دی جب کہ اس نے تم پر وہ کتاب محفوظ نازل فرمائی، جس کی شان یہ ہے:

{لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ}

(فصلت:42)

''اس کے پاس باطل نہ آگے سے پھٹک سکتا ہے نہ پیچھے سے، وہ ایک کمال حکمت والے تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا} (الاسرا: 105)

"اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا اور (اے نبی) آپ کو نہیں بھیجا، مگر خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر۔"

صدقات کی مقدار اور تقسیم

آپ نے یمن کے گورنر عروہ بن محمد کو لکھا: آپ کا خط ملا، جس میں لکھا تھا کہ آپ سے پہلے حکام نے یمن کے مسلمانوں کے ذمہ صدقات کی ایک معین مقدار نافذ کر دی تھی جس میں لوگوں کے تنگدست ہو جانے کے باوجود کمی نہیں ہوتی تھی، مگر مالدار ہو جانے کی صورت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ آپ نے مجھ سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا ہے۔

میرے نزدیک یہ بڑا واضح ظلم ہے۔ میرا یہ خط آپ کو ملے تو ان سے وہی کچھ وصول کرو جو تمہارے نزدیک حق و انصاف کے مطابق شرعاً ان پر واجب ہے۔

پھر وہ مال انہی کے فقراء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دو اور حاجیوں کے راستوں پر ایسے پسندیدہ لوگ مقرر کرو جن کے دین و امانت پر تمہیں اعتماد ہو۔ ان کا فرض ہونا چاہیے کہ کوئی کمزور ہو تو اس کی مدد کریں۔ کوئی محتاج ہو تو اس کے خرچ کا بندوبست کریں۔

اگر تمہارے علاقے سے میرے پاس ایک مٹھی بھر غلہ کے سوا کچھ نہ آئے تو میں اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ سمجھوں گا۔

نماز کی تاکید اور اہمیت پر زور

عمر بن عبدالعزیز نے امراء لشکر اور گورنروں کے نام خط لکھوایا جس میں فرمایا: اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے امرائے لشکر کے نام......

امابعد! دین کا مضبوط حلقہ اور اسلام کا مدار اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، ٹھیک وقت پر نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے، نمازوں کے اوقات کی پابندی کرو۔

ظہر کی نماز کا وقت زوال کے بعد ہے۔ نماز عصر اس وقت پڑھی جائے جبکہ آفتاب سفید اور صاف ہو، اس میں زردی نہ آئی ہو۔

نماز مغرب روزہ افطار کرنے کے وقت پڑھی جائے اور عشاء کی نماز اس وقت تک نہ پڑھو جب تک کہ افق کی سفیدی نہ جاتی رہے۔ افق کی سفیدی ختم ہو جانے کے بعد جتنی جلدی عشاء کی نماز پڑھ لی جائے اتنا ہی بہتر اور مناسب ہے۔ بہر حال اس کی تکمیل اور اسے ٹھیک وقت پڑھنے کی صورت یہی ہے کہ اس چیز کی رعایت رکھی جائے جو میں نے اس خط میں بیان کر دی ہے۔

نماز فجر اندھیرے میں پڑھو اور اس کی خوب پابندی کرو۔ کیونکہ اس کی پابندی حق ہے۔ اپنے نفس کو اس کا عادی بناؤ اور نماز کا وقت آجانے پر تمام کاروبار چھوڑ دو۔ تمام شہروں اور بستیوں کے ماتحت حکام کو یہ حکم لکھ بھیجو، کیونکہ یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور متعین وقت کے ساتھ خاص ہے۔

”بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔“ (العنکبوت: 45)

جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ باقی احکام شرعیہ کو سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

احکام شرعیہ کی پابندی ونگہداشت بکثرت کیا کرو۔ تمہارے لشکر میں جو اہل علم وفقہ موجود ہیں، انہیں حکم دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو علم سکھایا ہے، اس کی نشر واشاعت کا اہتمام کریں اور اسے اپنی مجالس میں بیان کیا کریں۔ والسلام

ایک کمانڈر کے نام آداب قتال پر تاریخی خط

منصور بن غالب کو اسلامی افواج کا کمانڈر بنا کر دشمن سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا تو انہیں خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیز نے درج ذیل خط ارسال کیا:

امیر المؤمنین آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اس مہم کے دوران جو بھی حالات پیش آئیں ان میں اللہ کا خوف اور تقویٰ اختیار کریں، کیونکہ تقویٰ سب سے بہتر سامان، سب سے عمدہ تدبیر اور سب سے بڑی قوت ہے۔

انہیں یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے رفقاء کے لیے دشمن سے بچنے کا جس قدر اہتمام کرتے ہیں، اس سے کہیں بڑھ کر اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام کریں۔ میرے نزدیک گناہ دشمن کی سازشوں سے زیادہ خوفناک اور نقصان دہ ہیں۔

ہمیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جو فتح نصیب ہوتی ہے یہ محض دشمن کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم میں نیکی اور دشمن میں گناہ نہ ہوں تو ہمیں کبھی ان سے مقابلہ کی طاقت حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ نہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر ہے، نہ ہمارا جنگی ساز و سامان ان کے سامان جیسا ہے۔ اب اگر ہم اور وہ معصیت میں برابر ہوں گے تو قوت و تعداد میں وہ تو پہلے ہی ہم سے بڑھ کر ہیں۔ ان حالات میں نہ ان کے مقابلے میں حق تعالیٰ کی طرف ہماری مدد ہوگی، نہ اپنی قوت کے بل بوتے پر ہم ان پر غالب آ سکیں گے۔

ہمیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جو فتح نصیب ہوتی ہے یہ محض دشمن کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم میں نیکی اور دشمن میں گناہ نہ ہوں تو ہمیں کبھی ان سے مقابلہ کی طاقت حاصل نہ ہو سکے گی۔

کسی انسان کی عداوت سے اتنا نہ ڈرو جتنا ڈر تمہیں اپنے گناہوں سے ہونا چاہیے۔ قوت و طاقت کی اتنی فکر نہ کرو جتنی فکر تمہیں اپنے گناہوں کی ہونی چاہیے۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے تمام اعمال کو لکھ رہے ہیں، اور اپنے سفر و حضر میں جو کچھ تم کرتے ہو، اسے جانتے ہیں۔

فرشتوں سے شرم کرو اور ان کی حسن صحبت کا حق ادا کرو اور انہیں اللہ کی نافرمانیوں سے ایذا نہ دو۔ جب کہ بزعم خود تم اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہو۔ یہ نہ کہو کہ ہمارے دشمن ہم سے بدتر ہیں، اس لیے ہم خواہ کتنے ہی گنہگار ہوں وہ ہم پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو! تم سے پہلے بہت سی قوموں کے گناہوں کی بدولت برے لوگوں کو ان پر مسلط کیا جا چکا ہے۔

اس لیے اپنے نفسوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی دعا کرتے ہو۔ میں بھی اس امر کی اپنے اور تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔

امیر المؤمنین نے منصور بن غالب کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ دوران سفر اپنے رفقاء کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ انہیں ایسی مشقت میں مبتلا نہ کریں جس سے ان کو تکان ہو جائے۔

دوران سفر کسی ایسی منزل پر پڑاؤ باقاعدگی سے کرتے رہیں جو رفقاء کے لیے سہولت کا باعث ہو، تاکہ جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو تو وہ بالکل تازہ دم ہوں۔ ان کی قوت بحال ہو اور وہ مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ اگر سفر میں ان سے اور ان کی سواریوں سے نرمی نہ کی گئی ہو گی تو جب وہ دشمن تک پہنچیں گے تو تھکے ماندے ہوں گے اور ان کے مقابلے میں دشمن چونکہ اپنی جگہ پر مقیم ہو گا اس

لیے وہ تازہ دم اور قوی ہوگا اور اس کی سواریاں بھی نسبتاً آسودہ ہوں گی۔

یہ حکم بھی دیا جاتا ہے کہ اپنے رفقاء سمیت ہر ہفتہ میں ایک دن رات کا کسی مقام پر قیام کریں، تاکہ لوگ اس میں اپنی جانوں اور سواریوں کو آرام و راحت دے لیں اور اپنے اسلحہ اور ساز و سامان کی اصلاح و مرمت کر سکیں۔

یہ حکم بھی دیا جارہا ہے کہ جن بستیوں کے باشندوں سے ہماری صلح ہے، ان سے پڑاؤ الگ رکھیں۔ ایسی بستیوں میں ہماری فوج کا کوئی سپاہی داخل نہ ہو۔ ضروریات زندگی کی خریداری کے لیے بھی بازار میں صرف انہی لوگوں کو بھیجا جائے جن کی دینداری اور امانت پر بھروسہ ہو۔ وہ وہاں کسی ظلم کا ارتکاب کریں نہ کسی گناہ کا خیال دل میں لائیں۔ نہ ہی وہاں کے کسی شخص کو ناحق ایذاء دیں۔ ان اہل صلح سے زبردستی کوئی چیز نہ لو۔

میں نے تمہارے لیے سامان حرب کی تیاری میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے نہ قوت میں کوئی کمی رہنے دی ہے۔ تمہارے پاس تمہاری ضروریات کے لیے پہلے ہی سے کافی ساز و سامان موجود ہے۔ میں نے چن چن کر تمہارے لشکر کے لیے آدمی منتخب کیے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھو کہ جن قوموں سے ہمارا صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے ان کی زمین پر نظر نہ رکھو بلکہ جو قومیں تم سے برسر پیکار ہیں، انہی سے حاصل ہونے والی زمین تمہارے لیے کافی ہوگی۔ مجاہدین کو بہتر سے بہتر سامان جو دیا جا سکتا تھا وہ میں نے دے دیا ہے۔ تمہاری تقویت میں کوئی ادنیٰ پہلو فروگزاشت نہیں کیا اور اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔

آپ کو یہ حکم بھی دیا جارہا ہے کہ آپ کے خبر رساں اور جاسوس صرف اہل عرب میں سے ہونے چاہئیں اور وہ ایسے ہوں کہ ان کی صداقت و خیر خواہی پر تمام روئے زمین کے لوگوں سے بڑھ کر اعتماد کیا جا سکے۔ اس لیے کہ جھوٹا آدمی کبھی سچی بات بھی کہہ دے تو بھی اس کی خبر بے فائدہ ہے۔ کوئی بد خواہ آدمی تمہارے لیے جاسوسی نہیں کرے گا، بلکہ وہ الٹا تمہارے خلاف جاسوسی کرے گا۔

ایک ناروا بدعت کی اصلاح

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بعض فوجی کمانڈروں کے نام خط لکھا:

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے امرائے افواج کے نام۔

امابعد! لوگ جب تک کتاب اللہ کی پیروی کرتے رہیں گے تو دنیا میں ان کے دین ومعاش میں بھی اور موت کے بعد اللہ کے دربار میں حاضری کے موقعہ پر بھی یہ ان کے لیے کارآمد ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے۔

ارشاد ہے: اے ایمان والو! آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ رسول اللہ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں، برکتیں اور درود وسلام نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کو حکم فرمایا:

''اور آپ اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی تمام خبر رکھتا ہے۔'' (محمد: 19)

بہرحال مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجنے اور مؤمن مردوں اور عورتوں کے لیے دعاء کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ بعض واعظوں نے اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے لیے دعاء ودرود کے بجائے امراء وخلفاء پر درود پڑھنے کی بدعت ایجاد کر لی ہے۔

جب میرا یہ خط تمہیں پہنچے تو فوراً اپنے واعظوں سے کہو کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھا کریں۔ ان کی دعاء ونماز کی طوالت اسی کام میں ہونی چاہیے۔ بعد ازاں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں۔ دعاء کرنے والوں کا سوال عام مسلمانوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اس کے ماسوا اپنے لیے اور اہل وعیال کے لیے جو دعائیں چاہیں کریں۔

اہل مصر کے نام خط میں شراب نوشی کی ممانعت

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے ایوب بن شرحبیل اور مصر کے مسلمان مردوں اور عورتوں کے نام۔

السلام علیکم، اما بعد! میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، شراب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین سورتوں میں تین آیات نازل کی ہیں۔ پہلی دو آیتوں میں چونکہ اس کی قطعی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا، اس لیے ان کے نازل ہونے کے باوجود بھی کچھ لوگ اس کا استعمال کرتے رہے۔

تیسری آیت میں اس کی حرمت کا صاف اعلان کر دیا گیا اور اس کی حرمت قیامت تک کے لیے قطعی ہوگئی۔

پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہیے کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ

منفعت کے پہلو بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔''
(البقرۃ: 219)

اس آیت میں چونکہ شراب کی منفعت بھی مذکور ہے، اس لیے اس آیت کے بعد بھی کچھ لوگ شراب پیتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں یہ حکم نازل فرمایا:

''اے ایمان والو! کسی عقل کو زائل کرنے والی چیز کے استعمال کے بعد نماز ادا نہ کرو، یہاں تک کہ تم اچھی طرح سمجھ سکو کہ نماز کی حالت میں کیا کہہ رہے ہو اور نہ ہی وہ شخص نماز ادا کرے جس پر غسل واجب ہو جب تک وہ غسل نہ کر لے۔ لیکن اگر اس کے گزرنے کا راستہ مسجد سے ہو کر جاتا ہو تو وہ اسی حالت میں مسجد سے گزر سکتا ہے۔ (النساء: 43)

اس آیت کریمہ کے بعد لوگوں نے نماز کے اوقات میں تو نشہ سے پرہیز کیا، مگر اوقات نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں شراب پیتے رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری آیت میں یہ حکم نازل فرمایا:

{یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ} (المائدۃ: 9290)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، آستانے اور فال کے تیر سب گندے شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان چیزوں سے بچو، پھر اگر تم نے حکم نہ مانا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

بہر حال شراب تو اس آیت کے بعد قطعی طور پر حرام ہوگئی، مگر اس کو پینے والے کے معاملے میں ایک ایسی چیز پیدا ہوئی جس سے بہت سے لوگوں کی پرہیز گاری بری طرح مجروح ہوئی۔ چونکہ شراب نوشی سے عقل وفہم زائل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں سے اس شراب نوشی کی بدولت بہت سے حرام کاموں کا ارتکاب ہونے لگا؛ حتی کہ انہوں نے ناحق قتل، حرام مال اور حرام شہوت رانی کو حلال کر لیا۔

جو لوگ اس شراب نوشی میں مبتلا ہیں، ان میں سے ہر ایک کا بہانہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ تو انگور کا باسی رس ہے، اس کے پینے میں کچھ حرج نہیں۔ حالانکہ اللہ کی قسم! جو چیز بھی شراب کے قریب ہو، خواہ وہ کھانے پینے کی ہو یا کوئی اور، اس سے بچنا ہی چاہیے۔ یہ لوگ جو شراب کو مختلف بہانوں سے حلال سمجھ کر پیتے ہیں دراصل مسلمانوں میں اس ذہنیت کے پیدا کرنے میں نصاریٰ کی گہری سازش کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ ان کے لیے یہ معمولی چیز ہے کہ مسلمان اپنے دین کے معاملے میں راہ راست سے ہٹ جائے اور ایسی چیزوں میں مبتلا ہو جائے جو ان کے لیے کسی طرح حلال نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام دشمنوں کا اس میں فائدہ یہی ہے کہ انہیں اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے ایک منڈی ہاتھ آجاتی ہے اور ان کا مالیاتی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

کسی مسلمان کے لیے ایسے مشروبات کے استعمال میں جو شراب کے مشابہ ہیں، کوئی عذر اور مجبوری نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میٹھے پانی کے علاوہ ان مشروبات کے ذریعے، جن میں شہد، دودھ، ستو وغیرہ شامل ہیں ہمیں اس سے مستغنی کر دیا ہے۔ اب جو لوگ اس حکم کی اطاعت کریں گے یہ ان کے لیے خیر و برکت کا موجب ہوگا اور جو لوگ اس ممانعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پائے جائیں گے، ہم ان پر علانیہ سزا جاری کریں گے۔ اب جو لوگ خفیہ طور پر حکم عدولی کے مرتکب ہوں گے ان کو سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ وہ ہر چیز پر نگہبان ہے اور اللہ ہر چیز کا خود مشاہدہ کر رہا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حلال کے ذریعے حرام سے مستغنی کر دے۔ جو لوگ ہم میں سے راہ راست پر ہیں، ان کے لیے رشد و ہدایت میں اضافہ فرمائے اور گنہگار کو عافیت کے ساتھ توبہ کی توفیق بخشے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جاہلی نوحہ گری اور بین کرنے پر پابندی

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے تحریر فرمایا: مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ بعض احمق اور گنوار عورتیں میت کے انتقال کے موقعہ پر بازاروں میں نکل آتی ہیں۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے سر کھلے ہوتے ہیں اور جاہلیت کے انداز میں نوحہ کرتی ہوئی گزرتی ہیں۔ اللہ کی قسم! جب سے عورتوں کو چادریں اوڑھنے اور پردہ کرنے کا حکم ہوا ہے، ان کو کبھی اجازت نہیں ہوئی کہ اوڑھنی سر سے اتاریں۔ اس لیے اس گھناؤنی حرکت کو سختی سے بند کرو اور پولیس کو حکم دو کہ وہ کسی نوحہ گر کو کسی مکان کے اندر یا راستے میں نوحہ کرنے کی اجازت نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم فرمایا ہے کہ وہ مصیبت کے موقعہ پر وہی الفاظ کہیں جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں خیر کا موجب بنیں۔

مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی عہدوں سے معزولی

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کو لکھا:

مشرکین ناپاک ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شیطان کا لشکر ٹھہرایا ہے اور انہیں ایسے لوگ قرار دیا ہے، جو اعمال کے لحاظ سے سراسر خسارے میں ہیں۔ جن کی ساری محنت دنیوی زندگی میں کھپ گئی اور وہ بزعم خود اچھے کام کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کی محنت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت پڑتی ہے۔ گزشتہ دور میں مسلمان جب کسی بستی میں جاتے جہاں مشرک آباد ہوتے، تو ان سے بھی کاروبار مملکت میں مدد لیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ تحصیلداری ، کتابت اور نظم و نسق سے واقف ہوتے تھے اور اس سے مسلمانوں کو مدد ملتی تھی۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کے ذریعے یہ ضرورت پوری کر دی۔ اس لیے اگر تمہارے زیر سلطنت علاقے میں کوئی غیر مسلم سیکرٹری یا کوئی اور منصب دار ہو تو اسے معزول کر کے اس کی جگہ مسلمانوں کو مقرر کرو۔ کیونکہ انہیں عہدے اور منصب سے ہٹانا درحقیقت ان کے باطل نظریات کو مٹانا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے مصر کے گورنر کو خط لکھا کہ دریائے نیل کے کنارے شجر کاری نہ کی جائے، کیونکہ اس سے ملاحوں کو کشتیوں کا لنگر کھینچنے میں دقت پیش آتی ہے۔

مقروض لوگوں کے قرض کی ادائیگی

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے گورنر مدینہ ابوبکر ابن حزم کو لکھا کہ جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ قرضہ ہو، اس کا قرض بیت المال سے ادا کر دو، بشرطیکہ وہ قرض کسی حماقت کی بناء پر نہ لیا گیا ہو۔

آپ نے گورنر کوفہ زید بن عبدالرحمن بن عمر بن خطاب کو خط لکھا: ''تم نے لکھا ہے کہ لشکر کے وظائف ادا کرنے کے بعد بھی تمہارے پاس بہت سا مال جمع ہے۔ ایسا کرو جس شخص کے ذمہ قرض ہو، بشرطیکہ وہ اس کی غلط روی کا نتیجہ نہ ہو، اس کا قرض ادا کر دو۔

جو شخص مہر کی رقم پر قادر نہیں اس کی شادی کر کے مہر بیت المال سے ادا کر دو۔

زید نے پھر لکھا کہ مال اب بھی بچ رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا: ذمیوں کو مضبوط کرو، وہ ہمیں ایک دو سال ہی کے لیے مطلوب نہیں، بلکہ ان کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔

ذمیوں کا خیال

عمر بن عبدالعزیز نے ذمیوں کے بارے میں حکم دیا کہ جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں، انہیں تنگ نہ کیا جائے۔ ذمی لوگ اپنی زمینیں کاشت کرتے رہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی معاشرت عمر بھر کے لیے تھی۔

عمر بن عبدالعزیز نے حکمرانوں کو ذمیوں کے حقوق سکھانے میں سستی نہیں کی۔ آپ نے گورنر کوفہ زید بن عبدالرحمن کو حکم فرمایا کہ ذمیوں کو تنگ کرنے سے باز رہیں۔ آخر کار وہ رک گئے۔

آپ نے عبدالرحمن بن نعیم کو لکھا: کسی ایسے گرجا گھر کو یا عبادت خانہ کو یا آتش کدے کو منہدم نہ کرو جس پر تم سے صلح کر لی گئی ہے۔

جب بنو امیہ کے امراء نے سیاحت کا ارادہ کیا تو آپ نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ذمیوں کو نہیں ستائیں گے اور نہ ہی قوم کے کسی آدمی کو تنگ کریں گے۔

موجودہ دور میں ایلہ شہر کی ایک خوبصورت تصویر

جزیہ میں تخفیف

عمر بن عبدالعزیز نے شہر میں عیسائیوں پر جزیہ میں تخفیف کر دی؛ حتی کہ قبرص اور ایلہ اور نجران میں بھی جو عربی شہروں کے جنوب میں واقع ہے۔

ایلہ والوں پر تین سو دینار مقرر تھے۔ جب ایلہ سے یوحنا بن رؤبا نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تھا اور آپ ﷺ اس وقت تبوک میں تھے، آپ ﷺ نے جزیہ پر اس سے صلح کر لی تھی۔ ہر بالغ پر سالانہ ایک دینار مقرر فرما دیا تھا۔ یہ سب مل کر سالانہ تین سو دینار بنتے تھے۔

آپ نے یہ شرط لگا دی تھی کہ ان کے پاس سے جو مسلمان گزرے گا، اسے کھانا بھی دینا ہوگا۔ آپ نے انہیں ایک تحریر لکھوا کر دے دی تھی کہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان کی طرف سے دفاع کیا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایلہ والوں سے تین سو دینار سے ایک دینار بھی زیادہ وصول نہیں کیا۔

غیر مسلموں کو دعوت اسلام

عمر بن عبدالعزیز کو یہی تڑپ تھی کہ دین اسلام زمین کے گوشے گوشے میں پھیل جائے اور لوگ صحیح

راہ پا جائیں۔ جب کبھی بیت المال میں کمی آجاتی اور گھاٹا نظر آتا تو آپ زور وشور سے عالموں کو لکھتے کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر ذمی مسلمان ہو جاتے اور حکام سرکاری خزانے کے خالی ہونے کی شکایت آپ کو لکھتے تو آپ اس شکایت پر انہیں ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ فرماتے: لوگوں کا ہدایت پا جانا سرکاری خزانہ بھرنے سے کہیں بہتر ہے۔

عدی بن ارطاۃ عمر بن عبدالعزیز کو لکھتے ہیں: اما بعد! دیکھیے لوگ کثرت سے مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں خراج گھٹ نہ جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا: میں تمہارے خط کا مطلب سمجھ گیا۔ اللہ کی قسم! میری تو یہ آرزو ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں؛ تاکہ ہم تم کسان بن جائیں اور اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائیں۔

آپ کے زمانے میں مصر کا خراج گھٹنے لگا۔ کیونکہ اکثر قبطی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ سیدنا عثمان کے زمانے میں مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ تھا۔ اور سیدنا معاویہ کے زمانے میں پچاس لاکھ تھا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اور بھی گھٹ گیا۔ مصر کے حاکم نے چاہا کہ نومسلم مصریوں سے جزیہ وصول کیا جائے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز نے یہ بات نہیں مانی اور یہ لکھ کر بھیج دیا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا تھا، جزیہ وصول کرنے والا نہیں۔

آپ کے نزدیک روئے زمین کے کسی مسلمان پر جزیہ نہیں اور جو آباد زمین پانی نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو جائے اس کا خراج نرمی اور سہولت سے وصول کیا جائے۔

شرح چونگی

عمر بن عبدالعزیز نے رئیس خراج مصر اسامہ بن زید کو قبطیوں کی حمایت ہی میں معزول کیا تھا۔ جب زریق بن حیان مصر کی چنگی پر مقرر تھے تو عمر بن عبدالعزیز نے ایک خط کے ذریعے انہیں حکم فرمایا کہ نقدی اور تجارتی مال میں چالیسواں حصہ وصول کیا جائے۔

اگر چالیس دینار سے کم نقدی یا مال ہو تو بیس دینار تک اسی حساب سے یعنی 2.5 فیصد وصول کیا جائے۔ بیس دینار سے کم پر کچھ نہ لیا جائے۔

قدیم دمشق شہر کی ایک تصویر

دمشق کی جامع مسجد

بہت پرانے زمانے میں مسجد دمشق کی جگہ مشتری کا صنم کدہ تھا (مشتری کلدانیوں کا ایک معبود تھا) یہ صنم کدہ عیسائیوں کے زمانے میں دمشق والوں کے لیے گرجا بنوا لیا گیا۔ اور قدیس یوحنا کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر جب مسلمانوں نے دمشق فتح کیا تو یہ آدھا شہر جنگ سے فتح کیا گیا تھا اور آدھا صلح سے فتح ہوا۔

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ مغربی سمت سے امن کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مشرقی سمت سے لڑتے ہوئے داخل ہوئے۔ دونوں اسلامی لشکر بڑے گرجے کے پاس آ ملے۔ لیکن شہریوں پر ترس کھا کر اور ان کا احترام کرتے ہوئے دمشق صلح سے فتح کئے ہوئے شہروں ہی میں شمار کیا گیا۔

یہ حکم تو شہر دمشق کا تھا۔ لیکن فصیل سے باہر والا علاقہ جنگ ہی سے فتح ہوا تھا۔ لہٰذا اسی حکم پر شمار کیا گیا کہ یہ جنگ سے فتح کیا گیا ہے۔ دمشق کے مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں نے پرانے گرجے خواہ وہ علاقے صلح سے فتح کیے ہوں یا جنگ سے، ان کے حال پر چھوڑ دیے تھے، انہیں ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

پجاریوں کو ان کے اندر عبادت کی آزادی دے دی تھی۔

خالد بن ولید نے دمشق والوں کو یہ تحریر لکھ کر دی تھی: میں نے تمہیں تمہاری جانوں، اولاد، مال اور گرجوں کے بارے میں امن دے دیا۔ اس امن نامہ پر ابوعبیدہ عامر بن جراح کی اور یزید بن ابی سفیان کی اور شرحبیل بن حسنہ کی گواہیاں تھیں۔

معبد مشتری کے دو حصے

بڑے گرجے کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا تاکہ جنگ و صلح کی طرف اشارہ رہے۔ آدھا گرجا عیسائیوں کے پاس رہا اور آدھے کو مسلمانوں نے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ دونوں حصوں میں دونوں گروہ ایک دوسرے کے پڑوس میں عبادت کرنے لگے۔ مسلمانوں کی عبادت میں عیسائیوں کی ہمسائیگی سے خلل پیدا ہونے لگا۔ فتح کے وقت سے لے کر برابر یہی حال رہا؛ حتی کہ ولید بن عبدالملک برسر اقتدار آئے۔ انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دمشق کے عیسائیوں کی رضا سے باقی گرجا بھی مسلمانوں ہی کو دلوا دیا۔

شامیوں کی نگاہ میں ولید خلفاء میں افضل سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے مسجدیں بنوائیں اور ان میں منبر نصب کرواتے۔ مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کی تعمیر و توسیع کا حکم دیا اور قبۃ الصخرہ بنوایا۔ جب آپ نے اموی مسجد دمشق بنوانے کا ارادہ کیا تو آدھے حصے میں جو گرجا تھا دمشق کے عیسائیوں کی اجازت سے اسے منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ اس کے بدلے انہیں کنیسۂ مریم دے دیا گیا۔ پھر ولید نے یہاں ایک خوبصورت مسجد

اموی مسجد کے مینار کی ایک تصویر

بنوائی اور اس کی عمارت نہایت مضبوط و مستحکم بنوائی۔ انہوں نے ساری مسجد منہدم نہیں کرائی تھی، بلکہ کہیں کہیں پہلی عمارت باقی بھی چھوڑ دی تھی۔

جامع مسجد دمشق کی ابتدا

ولید بن عبدالملک نے اس مسجد کی تعمیر کا آغاز 87 ہجری میں کیا تھا۔ اسی سال عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا گورنر بنایا جاتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر نو سال سے زیادہ تک جاری رہی۔ تعمیر کا کام 96 ہجری کو سلیمان بن عبدالملک کے دور میں مکمل ہوا۔ اس کی تعمیر میں بارہ ہزار معماروں اور کاریگروں نے حصہ لیا؛ حتی کہ یہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے لگی۔

اموی مسجد پر نقش ونگار کی ایک خوبصورت جھلک

پرانے زمانے میں بھی صنم کدہ رہنے کی وجہ سے اس کا عجائبات میں شمار ہوتا تھا، کیونکہ یہ کلدانیوں کے معبود مشتری کا ایک صنم کدہ تھا۔

مسجد کی دیوار نیچی تھی، ولید نے اونچی کرادی۔ جب ولید کو بیرون ملک کے معماروں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے روم کے بادشاہ کو بھی لکھا کہ میرے پاس فن تعمیر کے ماہر معماروں ایک تعداد بھیج دو۔ شاہ روم نے بڑی تعداد میں ماہر معمار بھیج دیے۔ معمار مسجد بنا رہے تھے کہ اس کا ایک گنبد گر گیا۔ گویا اس سے رومی معماروں کی خیانت ظاہر ہوگئی۔ انہوں نے یہ گنبد کمزور بنایا تھا تاکہ ادھر وہ دمشق چھوڑ کر جائیں اور ادھر یہ گنبد گر جائے۔ لیکن ولید بن عبدالملک نے ان کی سازش بھانپ لی تھی۔ ولید نے آ کر خود گنبد کو درست کرایا اور معماروں کی نگرانی کے لیے اپنے بھائی سلیمان کو چھوڑ گیا اور تاکید کر گیا کہ سلیمان

اموی مسجد کا رات کے وقت ایک خوبصورت منظر

یہاں سے اس وقت تک نہ ہٹیں جب تک اچھی طرح سے معمار عمارت کو مکمل نہ کرلیں۔ یہ گنبد دوسری بار انتہائی مضبوط بنایا گیا اور اس کا کلس سونے کا بنوایا گیا۔

مسجد کی تعمیر میں اہل دمشق اور نواح کے لوگوں نے حصہ لیا۔ مصری اور عراقی فوج نے بھی حصہ لیا۔ کسی شامی کے پاس ایک پیسہ بھی بچتا تھا تو وہ اسے مسجد کے خزانہ میں جمع کرتا تھا۔

لوگوں نے طرح طرح کے پتھر اور سنگ مرمر اس قدر جمع کر دیے تھے جن کی قیمت اللہ ہی جانتا ہے اور اس کی دیواریں نقش ونگار اور رنگ برنگ کے پتھروں سے آراستہ کی گئی تھیں۔

مسجد دمشق کی تعمیر پر خرچہ

کہا جاتا ہے کہ ولید بن عبدالملک نے اشرفیوں سے بھرے ہوئے چار صندوق خرچ کیے۔

ولید کو معلوم ہوا کہ دمشق والے افواہ اڑا رہے ہیں کہ ولید نے ملک کے سارے بیت المال کو دیواروں اور لکڑیوں سے بنے نقش ونگار میں برباد کر ڈالا۔ ولید نے ان سے کہا: دمشق والو! میں نے تم کو دیکھا ہے کہ تم اپنے پانی، ہوا، پھلوں اور حماموں پر فخر کرتے ہو۔ اس لیے میں نے تمہارے فخر کے لیے ایک پانچویں چیز بھی فراہم کر دی۔

ولید فوت ہو گئے اور مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی۔ اسے ان کے بھائی سلیمان نے مکمل کرا دیا۔

عہد عمر میں عیسائیوں کا مطالبہ

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور آپ نے عدل وانصاف کا اور محبت وشفقت کا بیڑا اٹھایا۔ تو عیسائیوں نے آپ کے پاس آ کر کہا: امیر المؤمنین! آپ کو ہمارے گرجا کا معاملہ معلوم ہی ہے۔ فرمایا: گرجا تو مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے اور دمشق کا بیرونی حصہ جنگ سے فتح ہوا تھا۔ ہم تمہارا گرجا تم کو دے دیں گے اور توما کا گرجا منہدم کرا دیں گے اور وہاں مسجد بنوا دیں گے کیونکہ وہ حصہ جنگ سے فتح ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا: ایسا نہ کریں ہم اپنے مطالبے سے دستبردار ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے کنیسۂ توما چھوڑ دیں۔

ابن معلیٰ کہتے ہیں: مجھے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے خبر دی ہے کہ عیسائیوں نے عمر بن عبدالعزیز کو اپنے گرجوں کی شرطوں کے بارے میں خبر دی۔

آپ نے ان سے گفتگو کی اور ان کو قیمت دینی چاہی جو بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مگر پھر بھی انہوں نے منظور نہ کی۔

آخر کار آپ نے محمد بن سوید نہری کو لکھا کہ عیسائیوں کا گرجا واپس کر دیا جائے۔ الا یہ کہ وہ خوشی سے چھوڑنے پر راضی ہوں۔

مسلمانوں کو عمر بن عبدالعزیز کا یہ حکم اچھا نہ لگا۔ بعض بڑے علماء بقید حیات تھے۔ ان سے محمد بن سوید والی دمشق نے مشورہ کیا اور علماء سے کہا یہ ایک عظیم مسئلہ ہے۔ کیا ہم مسجد ان کے حوالے کر دیں گے؛ حالانکہ ہم اس میں نمازوں کے لیے اذانیں دے چکے ہیں؟ کیا مسجد منہدم کرا کے گرجا

اموی مسجد کے ممبر کا ایک خوبصورت منظر

بنوا دیا جائے گا۔

ان میں سے ایک عالم نے کہا: اس مسئلہ کا ایک حل ہے۔ عیسائیوں کے شہر کے ارد گرد بڑے بڑے گرجے ہیں جیسے دیر مران، باب توما، اور الراہب وغیرہ۔ اگر عیسائی اپنا یہ گرجا مانگتے ہیں تو ہم دینے کو تیار ہیں، مگر شہر کے ارد گرد کے تمام گرجے منہدم کرا دیے جائیں گے۔ اگر وہ چاہیں تو ان کے تمام گرجے چھوڑ دیے جائیں اور وہ ہمارے لیے یہ گرجا چھوڑ دیں جو مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ہم انہیں اس سلسلے میں ایک دستاویز لکھ کر دے دیں گے۔

اگر عیسائی اپنا یہ گرجا مانگتے ہیں تو ہم دینے کو تیار ہیں، مگر شہر کے ارد گرد کے تمام گرجے منہدم کرا دیے جائیں گے۔ اگر وہ چاہیں تو ان کے تمام گرجے چھوڑ دیے جائیں اور وہ ہمارے لیے یہ گرجا چھوڑ دیں۔

عیسائیوں کے سامنے یہ حل رکھا گیا تو انہوں نے غور کرنے کے لیے وقت مانگا۔ انہیں تین دن کی مہلت دے دی گئی۔ پھر انہوں نے محمد بن سوید سے کہا: ہمیں یہ حل منظور ہے۔ ہم یہ حل خلیفہ کو لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لیے غوطہ کے گرجوں کی تحریر لکھ دیں چنانچہ عمر کو یہ حل لکھا گیا جس سے آپ کو مسرت ہوئی اور آپ نے انہیں تحریر لکھ دی کہ ان کے گرجے انہدام و رہائش سے محفوظ رہیں گے۔ اس تحریر پر کئی گواہوں کے دستخط کرا لیے گئے۔

مسجدیں سادہ رکھنے کا عزم

عمر بن عبدالعزیز کو حکومت سنبھالے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا اور وہ اصلاحات کے درپے تھے۔ آپ نے کعبہ، مسجد نبوی اور مسجد دمشق پر غور کیا اور آپ کو سونے کے پترے، قندیلوں کے لیے سونے کی زنجیریں، سنگ مرمر اور رنگ برنگ کے پتھر یاد آئے۔ آپ کے نزدیک عدل و انصاف اور لوگوں کو خوشحال بنانا مساجد کی ترمیم سے اور ان پر سونے کے خول چڑھانے سے بہتر تھا۔

آپ نے فرمایا: میں نے کچھ مال ایسے دیکھے ہیں جو ناحق خرچ کر دیے گئے ہیں۔ میں انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر واپس لینے والا ہوں۔ میں اس قسم کا تمام مال جمع کرانے والا ہوں۔ اور رنگ برنگ کے پتھر

اور سنگ مرمر کو اکھڑوا دینے والا ہوں اور ان کی جگہ پلستر کرا دوں گا۔

سونے کی زنجیریں بیت المال میں جمع کرا دوں گا اور ان کی جگہ رسیاں لٹکوا دوں گا اور تمام اندرونی چیزوں کو نکلوا کر انہیں بیت المال میں جمع کرا دوں گا۔ خواہ وہ مسجد نبوی کی ہوں یا مسجد دمشق کی۔ پھر سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز نے سونے کی زنجیریں نکلوائیں۔ کیونکہ یہ ہاتھوں ہاتھ بازار میں فروخت ہوسکتی تھیں۔ انہیں فروخت کرا کے ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔ سونے کی جگہ تانبے اور لوہے کی زنجیریں بنوا دیں۔

کمزوروں پر رحم

عمر بن عبدالعزیز کا رحم کسی خاص جماعت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جب جب آپ لوگوں میں کمزوری کا اضافہ دیکھتے تب تب آپ کا جذبہ رحم جوش میں آجاتا۔ آپ کے رحم کا یہ عالم تھا کہ آپ نے نابیناؤں پر ترس کھا کر ان کے لیے قائد (ہاتھ پکڑ کر چلنے والے) مقرر فرمادیے۔

آپ کا حکم تھا کہ لوگوں کو گناہوں کی مقدار سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ آپ کا حکم تھا کہ قیدیوں کو باندھا نہ جائے، کیونکہ بندش انہیں نماز میں قیام کی حالت سے روک دے گی۔ یہ بھی حکم تھا کہ رات میں ہر قیدی کے طوق و سلاسل کھول دیے جائیں۔ بجز اس قیدی کے جس پر خون واجب ہو۔ آپ قیدیوں کو اتنا وظیفہ دیا کرتے تھے جو ان کی روٹی سالن کے لیے کافی ہوتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز نے لڑائیوں میں عورتوں، بچوں، قیدیوں اور زخمیوں کو قتل کرنا حرام قرار دے دیا تھا۔ ویسے تو یہ اسلام کی ابتداء ہی سے حرام تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے میں لاپروائی برتی جانے لگی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسلام کی ان تعلیمات پر سختی سے عمل کروایا۔

قیدی کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ یہ اس کا اپنا مال ہے۔

جانوروں پر شفقت و نرمی

عمر بن عبدالعزیز کی ہر مخلوق پر شفقت و محبت و نرمی بڑھتی ہی رہی؛ حتی کہ جانوروں کو بھی اس سے حصہ ملا۔ آپ نے دیکھا کہ جانوروں پر لوگوں کا ظلم بڑھتا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کو بھاری بھاری لگامیں ڈالی جاتی تھیں۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیا جاتا تھا۔ انہیں نوکدار لوہے سے کچوکے دیے جاتے تھے تاکہ تیز چلیں۔

لہو و لعب میں گھوڑے دوڑائے جاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ڈاک کے گھوڑوں کے لیے تیز دھار چیز گھونپنا منع فرما دیا اور اس قسم کا حکم امتناعی ہر جانور کے لیے جاری فرما دیا۔

بھاری بھاری لگاموں سے منع کر دیا۔ ناحق گھوڑوں کو دوڑانے سے لوگوں کو روک دیا۔

عبدالرحمن بن نعیم کو جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی تھا: بکری کو مذبح تک گھسیٹ کر نہ لے جاؤ۔ ذبح کیے جانے والے جانوروں کے سامنے چھری تیز نہ کرو۔ آپ نے مصر کے والی کو لکھا: مجھے خبر ملی ہے کہ مصر میں اونٹوں کے ذریعے بار برداری کی جاتی ہے۔ لوگ ایک ایک اونٹ پر ایک ایک ہزار رطل (450 کلوگرام) بوجھ لادتے ہیں۔ جب میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچ جائے تو چھ سو رطل (270 کلوگرام) سے زیادہ کسی اونٹ پر بوجھ نہ لادا جائے۔

آپ نے سوائے ایک ترکی عیسائی کے کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ایک شخص نے جو اسے لے کر آیا تھا، آپ سے کہا: امیر المؤمنین! آپ اگر اسے دیکھتے جب یہ مسلمانوں کو قتل کر رہا تھا تو آپ ان مسلمانوں پر خوب روتے۔ آخر کار جب تحقیق کے بعد اس کا جرم ثابت ہو گیا تو آپ نے اسے قتل کرا دیا۔

ایک دن عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک چور لایا گیا۔ چور نے آپ سے اپنی ضرورتوں کا عذر پیش کیا۔ آپ نے اسے معذور سمجھ کر معاف فرما دیا اور اسے دس درہم دیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

عمر بن عبدالعزیز بوڑھوں، یتیموں، ضرورت مندوں، بیواؤں اور کثیر الاولاد لوگوں پر انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ ایک شخص آتا ہے، عرض کرتا ہے: امیر المؤمنین! میں سخت ضرورت مند ہوں اور فاقوں تک نوبت آ پہنچی ہے۔

پوچھا! کتنے بچے ہیں؟ بولا: ہم پانچ افراد ہیں۔ میں اور میری بیوی اور تین بچے۔ آپ نے اسی وقت اس کا اور اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

زلزلہ، صدقہ اور دعائیں

عمر بن عبد العزیز نے تمام علاقوں میں یہ فرمان بھیجا کہ زلزلہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندوں پر عتاب فرماتا ہے۔ میں نے فلاں شہر کے لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ فلاں دن باہر نکلیں اور توبہ واستغفار کریں۔ جو شخص صدقہ کر سکتا ہو وہ صدقہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى} ''یقیناوہ شخص کامیاب ہوا جو اپنے مال کا تزکیہ کرے۔''

اور اپنے باپ آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی دعا پڑھا کرو:

{رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ} (الاعراف:23)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ ہماری بخشش نہ فرمائیں تو بلاشبہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اور سیدنا نوح علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی دعا پڑھا کرو:

{وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ} (ہود:47)

''اگر آپ مجھے نہیں بخشیں گے اور مجھ پر رحم نہیں فرمائیں گے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِ

اور سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی دعا پڑھا کرو:

{رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي} (القصص:16)

''اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، مجھے معاف فرما دے۔''

گورنر بصرہ عدی بن ارطاۃ نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ لوگوں میں مال کی فراوانی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مجھے خطرہ ہو رہا ہے کہ ان میں تکبر اور سرکشی پیدا ہو جائے گی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا:

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي

''اللہ تعالیٰ جب اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو نار میں داخل کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کے صرف اس قول پر راضی ہو جائے گا:

{اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ} (الزمر: 74)

''اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔''

لہٰذا اپنے یہاں کے لوگوں سے کہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کریں۔ شکر ہو گا تو ان شاء اللہ کبر و نخوت سے چھٹکارا مل جائے گا۔

ولید بن ہشام کی نمائش کا انجام

ولید نے محض نمائشی طور پر امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز کے یہاں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے آپ کو یہ خط لکھا۔ میں نے اپنے ماہانہ مصارف کا تخمینہ لگایا وہ اتنے درہم ہوتے ہیں اور میری تنخواہ میری ضروریات سے اتنی زیادہ ہے۔ اگر امیر المؤمنین کی رائے ہو تو زائد کی تخفیف فرما دی جائے۔

عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: ولید ایسی چیز کا نمائشی اظہار کر رہا ہے جو میرے خیال میں اس میں نہیں پائی جاتی۔ اگر میں کسی کو محض گمان پر معزول کرتا تو اسے کر دیتا۔ پھر آپ نے اتنی تنخواہ کی تخفیف کر دی جس کی اس نے درخواست کی تھی اور اپنے ولی عہد یزید بن عبد الملک کے نام یہ تحریر لکھوائی:

> ولید ایسی چیز کا نمائشی اظہار کر رہا ہے جو میرے خیال میں اس میں نہیں پائی جاتی۔ اگر میں کسی کو محض گمان پر معزول کرتا تو اسے کر دیتا۔ پھر آپ نے اتنی تنخواہ کی تخفیف کر دی جس کی اس نے درخواست کی تھی۔

ولید بن ہشام نے مجھے اس مضمون کی درخواست بھیجی ہے، میرا غالب خیال یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی چیز کا اظہار کیا ہے، جس پر وہ قائم نہیں۔ اگر میں اپنے گمان پر عمل کرتا تو کبھی اسے کوئی عہدہ نہ دیتا۔ مگر میں ظاہر پر معاملہ کرتا ہوں اور غیب کا علم اللہ کے پاس ہے۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر خلافت تیرے ہاتھ آئے اور ولید تجھ سے درخواست کرے کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے۔ وہ یہ کہے کہ

میں نے خواہ مخواہ اس کی تنخواہ کم کر دی تھی تو تیرے یہاں اپنی مراد میں وہ ہرگز کامیاب نہ ہونے پائے ، کیونکہ اس نے اس کے ذریعہ اللہ سے دغابازی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس دغابازی کی سزا دے گا۔

پھر یہی ہوا۔ خلیفہ عمر کا انتقال ہوا اور خلافت یزید کے سپرد ہوئی تو ولید نے اسے لکھا کہ عمر نے مجھ پر ظلم کیا اور میری تنخواہ کم کر دی، لہٰذا میری تنخواہ بحال کی جائے۔ یزید یہ پڑھ کر سخت ناراض ہوا اور نہ صرف اس کو معزول کر دیا، بلکہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے سے اب تک جتنی تنخواہ وصول کر چکا تھا اس کا تاوان بھی اس پر ڈالا۔ مرتے دم تک پھر اسے کوئی عہدہ نہیں ملا۔

دیہاتیوں کی تعلیم کا اہتمام

عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن محمد کو دیہات میں بھیجا کہ لوگوں کو سنت کی تعلیم دیں۔ اس ذمہ داری کے لیے ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ یزید نے تو وظیفہ قبول کر لیا، مگر حارث نے یہ کہہ کر وظیفہ لینے سے انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے میں اس کی مزدوری نہیں لوں گا۔ عمر بن عبدالعزیز سے اس کا ذکر ہوا تو فرمایا: ہمارے علم کے مطابق یزید نے بھی وظیفہ قبول کر کے کچھ برا نہیں کیا، مگر حارث جیسے لوگ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں زیادہ سے زیادہ پیدا کرے جو محض اللہ کی خاطر دین کی تعلیم وتبلیغ کا کام کریں۔

قسطنطنیہ کے مسلمان قیدی

بکر بن خنیس کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز نے قسطنطنیہ کے مسلمان قیدیوں کے نام خط لکھا:

''اما بعد! تم لوگ اپنے آپ کو قیدی تصور کرتے ہو؟ معاذ اللہ! تم قیدی نہیں، بلکہ اللہ کے راستے میں محبوس ہو۔ تمہیں علم ہونا چاہیے کہ میں اپنی رعایا میں کوئی چیز تقسیم کرتا ہوں تو تمہارے گھر والوں کو بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حصہ پہنچاتا ہوں۔ میں تمہارے لیے پانچ پانچ دینار بھیج رہا ہوں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ زیادہ بھیجنے کی صورت میں رومی طاغوت اس کو روک لے گا اور تم تک نہیں پہنچنے دے گا تو اس سے زیادہ بھیجتا اور میں فلاں صاحب کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ رومیوں کو منہ مانگا معاوضہ دے کر تمہارے چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، آزاد، غلام سب کو رہا کرائے گا۔

بیت المال کی حفاظت کا خصوصی اہتمام

جناب عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال پر خلیفہ کے ذاتی تصرف کو بالکل ختم کر دیا۔ سیاسی رشوت کے طور پر دیے جانے والے تحائف وعطیات پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ شاہی خاندان کے وظائف بند کر کے بیت المال کا رخ عوام کی طرف موڑ دیا۔ اس اقدام سے شاہی خاندان کو بے حد تکلیف ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز نے عام اعلان کر دیا: لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس جس پر ظلم ہوا ہے یا اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ ہوا ہے یا حکمرانوں نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے وہ سامنے آئے اور ثبوت پیش کرے۔ اس کی جائیداد اور مال واپس کیا جائے گا۔

ایک دن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بیت المال کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ بیت المال کی خوشبو آپ کی ناک میں پہنچی تو آپ نے اپنی ناک بند کر لی۔ لوگوں نے پوچھا: (مَالَکَ یا أمیر المؤمنین؟) ''ایسی کیا بات ہوگئی امیر المؤمنین! کہ آپ نے ناک بند کر لی؟'' آپ نے فرمایا:

(أَخْشَى أَنْ يَسْأَلَنِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِمَ شَمَمْتَ طِيبَ الْمُسْلِمِينَ فِي بَيْتِ الْمَالِ؟)

''مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے پوچھ نہ لے کہ تم نے بیت المال کے اندر مسلمانوں کی خوشبو کیوں سونگھی تھی؟''

اموی مسجد کے صحن میں موجود بیت المال کے لیے بنایا گیا چبوترہ
اس میں بیت المال میں جمع ہونیوالی اشیاء محفوظ کی جاتی تھیں

سرکاری شمع کا ذاتی کام میں عدم استعمال

عمر بن عبدالعزیز کے پاس کسی علاقے کے گورنر کا قاصد آیا۔ رات کے وقت وہ آپ کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی۔ دربان باہر نکلا تو اس سے کہا: امیر المؤمنین سے عرض کیجیے کہ فلاں گورنر کا قاصد دروازے پر حاضر ہے۔ دربان اندر گیا اور آپ کو اطلاع کی۔ آپ سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے، فرمایا: اسے بلالو، قاصد اندر داخل ہوا تو جناب عمر نے ایک بڑی شمع منگوا لی جس کی روشنی کافی تیز تھی۔ قاصد سے اس علاقے کے حالات دریافت فرماتے رہے کہ وہاں کے مسلمانوں اور ذمیوں کی حالت کیسی ہے؟ گورنر کا طور وطریق کیا ہے؟ بھاؤ اور نرخ کیسے ہیں؟ مہاجرین وانصار کی اولاد کے حالات کیا ہیں؟ مسافروں اور فقراء کی کیا کیفیت ہے؟ کیا ہر حقدار کو اس کا حق دیا جاتا ہے؟ کیا کسی کو شکایت تو نہیں؟ گورنر نے کسی سے بے انصافی تو نہیں کی۔

قاصد کو اس خطے کے متعلق جو کچھ معلوم تھا اس نے عرض کر دیا۔ آپ ایک ایک چیز کے بارے میں کرید کرید کر دریافت فرماتے رہے اور قاصد جواب دیتا رہا۔ جب آپ کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو قاصد نے آپ کی مزاج پرسی کی۔ صحت کیسی ہے؟ اہل وعیال اور دیگر متعلقین کے احوال دریافت کیے؟

اموی دور میں مساجد میں استعمال ہونیوالا لیمپ

جناب عمر نے پھونک سے شمع بجھا دی اور فرمایا: اولڑکے! ذرا چراغ لاؤ، چنانچہ ایک معمولی چراغ لایا گیا۔ جس کی روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں اب جو چاہو پوچھو! اس نے آپ کے، آپ کے اہل وعیال اور متعلقین کے حالات پوچھے۔ آپ جواب دیتے رہے۔ قاصد کو شمع بجھانے کے قصہ سے بڑا تعجب ہوا۔ عرض کیا: امیر المؤمنین! یہ آپ نے ایک انوکھا کام کیا؟ فرمایا: وہ کیا؟

عرض کیا: جب میں نے آپ کی اور اہل وعیال کی مزاج پرسی کی تو آپ نے شمع گل کر دی۔ فرمایا: اللہ کے بندے! یہ شمع جو میں نے بجھا دی تھی۔ اللہ کے مال اور مسلمانوں کے مال سے روشن تھی۔ میں جب تک مسلمانوں کے حالات وضروریات تم سے دریافت کر رہا تھا تو یہ مسلمانوں کی خاطر اورانہی کی ضرورت کے لیے میرے سامنے جل رہی تھی، مگر جب تو نے میری ذات اور میرے اہل و عیال کا قصہ شروع کیا تو میں نے مسلمانوں کے خرچ سے تیار ہونے والی روشنی بجھا دی۔

اپنے فرزند کی درخواست کا جواب

عمر بن عبدالعزیز کے ایک صاحبزادے کی آپ کی خدمت میں درخواست پہنچی کہ میرا نکاح کر دیجیے اور مہر بیت المال سے ادا کر دیجیے، یہ صاحبزادے پہلے سے شادی شدہ تھے۔

عمر بن عبدالعزیز اس پر ناراض ہوئے، اسے لکھا: تم نے اپنے خط میں مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تمہارے لیے مسلمانوں کے بیت المال کی رقم خرچ کر کے ایک سے زیادہ بیویاں جمع کر دوں؟

حالانکہ مہاجرین کی اولاد میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جنہیں اپنی عفت کی حفاظت کے لیے پوری کوشش کے باوجود ایک بھی بیوی میسر نہیں۔ خبردار! آئندہ ایسی بات مجھے لکھنے کی کوشش نہ کرنا۔

بعد میں آپ نے اپنے اس بیٹے کو ایک خط لکھا:

"تمہارے پاس جو ہمارا تانبہ اور گھریلو سامان ہے، اگر چاہو تو اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لو۔"

منتظم نقصان کا ذمہ دار ہوگا

آپ کے نزدیک بیت المال میں حقدار کے سوا کسی کا حصہ نہ تھا۔ حتی کہ جو بیت المال کا منتظم و نگران کا بھی اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ اگر بیت المال میں کچھ رقم بلا کسی خیانت کے کم ہو جاتی تھی یعنی اگر تحقیق سے ثابت ہو جاتا کہ بیت المال میں خیانت نہ ہونے کے باوجود اس کی حفاظت میں کوتاہی برتی گئی ہو تو وہ نقصان منتظم و نگران کو اپنے ذاتی مال میں سے پورا کرنا پڑتا تھا۔

وہب بن منبہ جو ایک متقی عالم تھے ان کا شمار اللہ والوں میں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں انہیں بھی معاف نہیں کیا گیا۔ آپ بیت المال کے منتظم تھے، اس میں کچھ رقم کم ہو گئی تھی۔ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا تھا: دیکھیے بیت المال میں ایک دینار یا چند دینار (راویوں کے اختلاف کے مطابق) کم ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز ان کو جواب میں لکھتے ہیں: میں آپ کے دین کو الزام نہیں دیتا اور نہ آپ کی امانت پر شبہ کرتا ہوں؛ البتہ آپ کو اس مال کے ضائع کرنے پر اور کوتاہی پر ملامت ضرور کرتا ہوں۔

مجھ سے اپنے مال کے بارے میں مسلمان جھگڑا کرنے والے ہیں۔ اس لیے جتنے دینار کم ہیں؛ براہ کرم اتنے دینار بیت المال میں جمع کروا دیجیے۔

مجھ سے اپنے مال کے بارے میں مسلمان جھگڑا کرنے والے ہیں۔ اس لیے جتنے دینار کم ہیں؛ براہ کرم اتنے دینار بیت المال میں جمع کروا دیجیے۔ آخر کار وہب نے اپنے ذاتی مال میں سے وہ دینار جمع کروا دیے۔

بیت المال میں خلیفہ کا حق

فاروق اعظم کے اور آپ کے بعد دیگر خلفاء کے بیت المال میں حقوق تھے۔ جن کی ابتدا فاروق اعظم نے اپنے زمانے میں دو درہم سے کی تھی۔ اور خلفائے بنو امیہ کے زمانے میں وہ سارے بیت المال پر قابض ہو گئے تھے۔

لیکن عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اس سے بالکل مستغنی رہے۔ آپ نے جو جائیداد اپنے خرچ کے لیے بچالی تھی اسی پر قانع رہے اور روزانہ اپنے خرچ کے لیے اپنے ذاتی مال میں سے دو درہم مقرر فرما لیے۔

خلیفہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ اپنے اوپر اللہ کا مال حرام کرلیں۔ البتہ اس سے آپ نے اپنی اولاد کو بیت المال کے غلاموں اور جانوروں سے فائدہ اٹھانے سے محروم کرنا چاہا۔ آپ خود کو بیت المال کا منتظم سمجھتے تھے۔ مالک نہیں! اگر اس میں خلیفہ کا حق ہے تو بقدر اس کے کام کے زیادہ نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز جو چراغ اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے جلایا کرتے تھے۔ جو پانی جاڑے کے زمانے میں وضو کے لیے گرم کیا کرتے تھے اور جو پھل یعنی سیب وغیرہ کھایا کرتے تھے اس پر بھی اپنا ذاتی پیسہ خرچ کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں بیت المال میں بھی اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔ حتی کہ عنبر کی خوشبو میں بھی جس کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے، اپنا حق نہیں سمجھتے تھے اور اسے اپنے پاس سے ہٹوا دیا کرتے تھے۔ اپنی ناک اس وقت تک بند رکھا کرتے تھے جب تک کہ وہ دور نہیں کر دی جاتی تھی۔ آپ کے پاس ڈاک کے سرکاری جانور پر کوئی ہدیہ بھیجا جاتا تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے ڈاک کے سرکاری جانوروں کو چارہ کھلا دیا کرتے تھے۔

سوار کا کرایہ بیت المال میں

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے ایک شخص کو ڈاک کے سرکاری گھوڑے پر آپ کی اجازت کے بغیر سوار کرلیا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر اس سے فرمایا: جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہ کردے یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔

خلفاء میں سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز ہی نے سرکاری مہمان خانہ قائم کیا۔ آپ نے اپنے والد عبدالعزیز کو دیکھا تھا کہ انہوں نے مصر میں ایک سرکاری مہمان خانہ بنوایا تھا جب وہ مصر کے حاکم تھے۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے بیت المال میں مسافروں کا حصہ مقرر فرمایا۔

علاقائی بیوت المال کا مرکزی بیت المال سے تعلق

عمر بن عبدالعزیز نے ملک کے تمام صوبوں اور شہروں کے سرکاری خزانوں کو ایک ہی سرکاری خزانہ قرار دیا۔ اگر اسلامی سلطنت کا کوئی شہر مالدار ہے اور کوئی نادار تو مالدار شہر نادار شہر کی ضرورتیں پوری کرے گا۔ خواہ مالدار شہر کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔

جب آپ نے جائیدادیں واپس دلوائیں تو عراق کا مال ختم ہو گیا، آپ نے فرمایا: شام کا بیت المال اہل عراق کی ضروریات پوری کرے۔ اس طرح آپ کے زمانے میں دنیائے اسلام ایک طاقتور اور اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی حکومت بن گئی تھی۔ ایک شہر دوسرے شہر کی ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا۔

بیت المال میں درہم و دینار ڈھالے جاتے تھے اور اس میں وہ درہم و دینار واپس لے لیے جاتے تھے جو کثرت گردش کی وجہ سے خراب ہو جایا کرتے تھے۔

بیت المال دینار جمع کرنے کے لیے نہیں

عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ میں بیت المال اس لیے نہیں بنایا گیا تھا کہ وہاں دینار جمع کر کے رکھے جائیں حتی کہ ان کے پہاڑ بن جائیں۔ آپ کی رائے میں بیت المال کی رقم کو جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر رعایا کو سارے مال کی ضرورتیں لاحق ہیں تو پھر جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان کے اس نقطہ نظر یا نظریے نے حکام کو اور محافظین بیت المال کو پریشان کر دیا۔ ان کی رائے تھی کہ بیت المال میں مال کا جمع رہنا ضروری ہے، مگر عمر بن عبدالعزیز کی رائے ان کی خلاف تھی۔ یہ لوگ اس سلسلے میں آپ کو آمادہ کرنے کے لیے خطوط لکھتے رہتے تھے اور آپ انکار کرتے رہتے تھے۔

ایک حاکم جرأت کر کے آپ کو لکھتا ہے: آپ نے بیت المال کو نقصان پہنچایا۔ اس پر عمر بن عبدالعزیز جواب میں لکھتے ہیں۔ جو کچھ بیت المال میں ہے خرچ کرتے رہو؛ پھر جب اس میں کچھ باقی نہ رہے تو اسے کیچڑ سے بھر دو۔

اسراف کی ممانعت

حکام وعمال ان کاغذات کے خریدنے پر جن پر شاہی فرامین لکھے جاتے تھے اور ایک بالشت سے زیادہ ہی ہوتے تھے، خریدنے پر کافی رقم خرچ کیا کرتے تھے۔ حکام راستوں پر چراغوں کے جلانے میں اسراف کیا کرتے تھے۔ امراء عمارتوں پر ان کے رنگ وروغن پر، نقش ونگار پر اور خوبصورت بنانے پر پانی کی طرح پیسہ بہایا کرتے تھے اور تو اور بیت اللہ کے محافظین کو بھی اسراف کی لت پڑ گئی تھی۔ وہ ہر سال بیت اللہ کے لیے نیا غلاف چاہتے تھے؛ حالانکہ پچھلا غلاف پرانا نہ ہوتا تھا۔ جب آپ سے بیت اللہ کے منتظمین نے کعبہ کے لیے نیا غلاف مانگا جیسا کہ سابق خلفاء کی ہر سال نیا غلاف دینے کی عادت تھی۔ تو آپ نے انہیں لکھا: میرا ارادہ ہے کہ میں یہ رقم بھوکوں پر صرف کر دوں، کیونکہ وہ بہ نسبت بیت اللہ کے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

قدیم دور کے غلاف کعبہ کی ایک تصویر

عمر بن عبدالعزیز نے یہ اسراف دیکھ کر حکم فرمایا کہ کاغذوں پر موٹے قلم سے نہ لکھا جائے اور تحریر میں لمبے لمبے مد نہ کھینچے جائیں۔ الفاظ ملا ملا کر لکھے جائیں اور جملے مختصر لکھے جائیں۔ عاملوں نے یہ حکم نافذ کر دیا اور اس طرح بہت سا کاغذ بچا لیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے حکم فرمایا کہ بنو عدی کی مسجد کی کچی اینٹوں سے درمیانی عمارت بنائی جائے۔ کیونکہ بنو عدی نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ مسجد منہدم ہو گئی ہے، اسے بنوا دیا جائے۔

حاکم مدینہ کو اسراف سے بچنے کی ہدایت

مدینے کے حاکم ابوبکر بن حزم نے خلیفہ سلیمان سے بڑی بڑی موم بتیاں مانگی تھیں؛ تاکہ انہیں صبح و شام مسجدوں کے دروازوں پر جلایا جائے۔ خلیفہ سلیمان فوت ہو گئے تھے۔ آخر یہ تحریر عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ لگی اور اس کے بارے میں آپ نے ابن حزم کو خط لکھا:

مجھے آپ کا وہ خط ملا جو آپ نے سلیمان کو موم بتیوں کے بارے میں لکھا تھا۔ وہ تو فوت ہو گئے اور اب یہ کام مجھے سرانجام دینا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ پہلے حکمرانوں کو جس قدر موم بتیاں دی جاتی تھیں۔ اسی قدر مجھے بھی ملنی چاہییں اور میرے پاس تمام موم بتیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اللہ کی قسم! ام حزم کے بیٹے! وہ وقت یاد کرو جب میں نے کثرت سے تمہیں اندھیری راتوں میں کیچڑ بھرے راستوں سے گزر کر مسجد جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! آج کی بہ نسبت اس زمانے میں آپ اچھی حالت میں تھے۔

تمام خرابیوں کو دور کرنے کی ذمہ داری

عمر بن عبدالعزیز نے عجمی غلام عورتوں اور ذمیوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچا لیا۔ آپ نے ہر ایک کو اس کا وہ حق دیا جو دین نے اس کے لیے فرض کیا تھا۔ ان کے حق میں آپ نے ذرہ برابر کمی نہیں کی۔ جب آپ مجاہدین کے وظائف میں دس دس کا اضافہ کرنے لگے تو آپ نے عربوں اور غلاموں کو برابر رکھا۔

بالغ اور نابالغ کی حد اور وظائف میں فرق

عمر بن عبدالعزیز جب عطیات دیتے تو سب کو برابر دیتے؛ تاہم بڑی اور چھوٹی عمر کے فرق کو ملحوظ رکھتے تھے۔ 15 سال کے جوان کو مال غنیمت میں سے حصہ ملتا اور جوان سے چھوٹے ہوتے وہ بچوں میں شمار ہوتے۔ نبی اکرم ﷺ کا حکم بھی یہی ہے جسے آپ نے لوگوں میں نافذ فرما دیا۔

نافع مولیٰ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن عمر نے خود کو جنگ کے لیے

پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوٹا قرار دے کر فوج میں لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت آپ 14 سال کے تھے۔ پھر اگلے سال جب خندق کے موقع پر پیش کیا تو آپ نے قبول فرمالیا۔ یہ بات نافع نے براہ راست عمر بن عبدالعزیز سے بیان فرمائی جب کہ آپ خلیفہ بن گئے تھے۔ اس سے عمر بن عبدالعزیز کو بالغ و نابالغ کا فرق معلوم ہو گیا اور آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ دیا کہ پندرہ سال کا بچہ بالغ اور اس سے کم کا بچہ نابالغ شمار کیا جائے گا؛ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

خوشامدی شعراء کی یلغار سے بچاؤ

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز عید کے روز مسلمانوں کا استقبال فرما رہے تھے اور مؤمنوں کو مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ اسی دوران میں ان کے کمرے کے باہر شعراء کی ایک جماعت آ دھمکی اور دربان سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنے لگی۔ دربان نے خلیفہ کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ شعراء کی جماعت دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق آپ کی خدمت میں داخل ہو کر کچھ سنانے کے خواہاں ہیں، کیونکہ گزشتہ خلفاء کی خدمت میں یہ داخل ہو کر ان کی جھوٹی تعریفیں کرتے رہے ہیں اور ان سے عطیات و انعامات حاصل کرتے رہے ہیں۔

> اللہ کی قسم! یہ اللہ کا دشمن میرے پاس نہ آنے پائے، کیونکہ میں نے مسلمانوں کی لڑکیوں کے بارے میں اسے غزل کہتے ہوئے سنا ہے۔

امیر المؤمنین نے دربان سے پوچھا: دروازے پر کون ہے؟

دربان نے عرض کی: فرزدق۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا دشمن میرے پاس نہ آنے پائے، کیونکہ میں نے مسلمانوں کی لڑکیوں کے بارے میں اسے غزل کہتے ہوئے سنا ہے۔ دوسرا کون ہے؟

دربان نے عرض کی: نصیب۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اس کے لیے میرے پاس کوئی نصیب نہیں، میں نے اسے شعر میں افتراء

پردازی کرتے ہوئے سنا ہے۔ تیسرا کون ہے؟

دربان نے بتایا: اخطل۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: نصرانی عورت کے بیٹے پر حرام ہے کہ وہ میرا فرش روندے۔ چوتھا کون ہے؟

دربان نے بتایا: عمر بن ابی ربیعہ۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: کیا اب بھی اس کے لیے اللہ سے توبہ کی گھڑی نہیں آئی، اللہ کی قسم! میری آنکھیں اس کا چہرہ دیکھنا گوارہ نہیں کرسکتیں۔ پانچواں کون ہے؟

دربان نے بتایا: جریر۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اگر کسی کو ضرور ہی داخل ہونا ہے تو جریر کو میرے پاس اسے بلاؤ۔

چنانچہ جریر نے داخل ہوتے ہی یہ اشعار پڑھے ؎

فَمَا كَعْبُ بْنُ مَامَةَ وَ ابْنُ سُعْدیٰ بِأَفْضَلَ مِنْكَ يَا عُمَرَ الْجَوَادَا

''کعب بن امامہ اور ابن سعدیٰ آپ سے افضل نہیں ہو سکتے، اے سخی و فیاض عمر!''

تَعَوَّدْ صَالِحَ الأَخْلَاقِ أَنِّي رَأَيْتُ الْمَرْءَ يَلْزَمُ مَا اسْتَعَادَا

''اچھے اخلاق کی عادت ڈالیں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آدمی اپنی عادت کو لازم پکڑے رہتا ہے۔''

امیر المؤمنین نے فرمایا: اے جریر! اللہ کا خوف کھاؤ، اور اپنے شعر میں جھوٹ سے کام نہ لو، کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں عنقریب پوچھے گا۔

جریر نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے کچھ عنایت کریں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: قرآن کریم میں شعراء کو عطیہ دینے کے بارے میں کوئی حکم مجھے نہیں ملا، البتہ اگر تم فقیر، مسکین یا مسافر ہو تو میں دینے کو تیار ہوں۔

جریر نے عرض کیا: میں واقعی فقیر انسان ہوں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: مسلمانوں کے بیت المال سے نہیں بلکہ میرے ذاتی مال سے دو سو درہم لے لو۔

جریر کا بیان ہے:

(فَوَ اللّٰهِ! لَقَدْ كَانَ هٰذَا الْمَالُ أَبْرَكَ مَالٍ رَأَيْتُهُ فِي الْحَيَاةِ)

''اللہ کی قسم! میں نے یہ (امیر المؤمنین کی جیبِ خاص سے ملا ہوا) مال اپنی زندگی کا سب سے زیادہ برکت والا مال پایا۔''

ان کے دور تک نومسلموں سے بھی اس لیے جزیہ وصول کیا جاتا تھا کہ وہ محض ٹیکس سے بچنے کے لیے مسلمان ہوئے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے یہ ظالمانہ ٹیکس ختم کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی رعایا پر جتنے ناروا ٹیکس عائد کیے گئے تھے سب کے سب ختم کر دیے۔ ان اقدامات سے ریاست کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہوگئی جس کا ازالہ حکومتی اخراجات میں کمی کے ذریعے کیا گیا۔ ان اقدامات کے دوررس نتائج بہت جلد برآمد ہونے لگے۔ لوگوں میں خوشحالی عام ہوگئی اور ایک سال کے اندر ہی یہ حالت ہوگئی کہ اغنیاء صدقات لے کر نکلتے اور کوئی مستحق ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔

فلاح عامہ کے لیے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جگہ جگہ مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کروائیں۔ مسافروں کو یہاں قیام کے دوران دو روز تک کھانا مفت فراہم کیا جاتا تھا۔

بڑے عہدیداروں کی تنخواہیں

بنوامیہ کے عہدے داروں کی تنخواہیں عام لوگوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ بنوامیہ کہنے لگے: ہماری تنخواہیں اسی طرح ہمیں ملتی رہنی چاہییں۔

فرمایا: نہیں! تمہاری تنخواہیں بھی وہی ہوں گی جو عام مسلمانوں کو ملتی ہیں۔ اگر صحیح ڈیوٹی کرو گے تو تمہیں تنخواہ ملے گی۔ جو شخص ڈیوٹی نہیں کرے گا، تنخواہ کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ اموی خاندان کے لوگوں کی تنخواہیں عام

سرکاری افسروں کی تنخواہوں سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ فرمایا:

{ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ } (النساء: 58)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچا دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔''

نیک اور سعادت مند مثالی بیٹا

عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبدالملک کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ سعادت مند بیٹا بیس سال کی عمر سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ اس نوجوان کے بارے میں تھوڑا سا جاننے کے بعد آگے بڑھتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے تمام بیٹے اور بیٹیاں نہایت صالح اور نیکوکار تھے۔ ان کی تربیت نہایت اعلیٰ اور عمدہ ماحول میں ہوئی تھی۔ ہر چند کہ ان کا تعلق حکمران خاندان سے تھا۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت عبدالملک خلیفہ کی بیٹی اور خلفاء کی بہن تھی، مگر ان بچوں کی رگوں میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خون تھا۔

ساری اولاد میں سب سے زیادہ ذہین وفطین، عقل مند اور متقی یہی عبد الملک تھا۔ بچپن ہی سے اس کے دل و دماغ میں اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آل خطاب کی ساری خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ یہ اپنے نانا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نقش ثانی تھے۔

عبدالملک کے چچازاد بھائی عاصم بن ابی بکر بن عبدالعزیز بن مروان راوی ہیں، کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ دمشق آیا تو رات عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز کے ہاں گزاری۔ ہم عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ عبدالملک اٹھے اور انھوں نے چراغ بجھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے اوپر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ آدھی رات کو اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ عبدالملک مصلے پر

> تھوڑی دیر کے بعد میں سو گیا۔ آدھی رات کو اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ عبدالملک مصلے پر کھڑے ہیں اور دھیمی دھیمی آواز میں قرآن پڑھ رہے ہیں۔

کھڑے ہیں اور دھیمی آواز میں قرآن پڑھ رہے ہیں۔

جب وہ سورۃ الشعراء کی آیات پر پہنچے تو بے اختیار رو دیے:

{اَفَرَاَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۔ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ} (الشعراء: 205 207)

”بھلا آپ دیکھیں تو اگر ہم انہیں کئی برس دنیا کا مزا اٹھانے دیں۔ پھر وہ عذاب ان پر آ جائے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ تو جس سامان عیش سے وہ مزے اڑا رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔“

وہ ان آیات کو بار بار دہرا رہے تھے اور خوف الٰہی سے ان کی ہلکی ہلکی چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں کافی دیر تک سنتا رہا، وہ مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کا رونا ان کو ختم ہی نہ کر دے۔ میں نے اپنی آواز ذرا بلند کرتے ہوئے پڑھا: لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ، جس طرح ایک سویا ہوا شخص جاگتے وقت پڑھتا ہے، تا کہ ان کا رونا رک جائے۔ جب انہیں احساس ہوا کہ میں جاگ گیا ہوں تو انہوں نے رونا ختم کر دیا۔ یہ ایک ایسے نوجوان کا قصہ ہے جس کی عمر بیس سال سے کم تھی اور وہ حکمران خاندان کا ایک فرد تھا۔

جب خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز نے لوگوں کے حقوق لوٹانے شروع کیے تو ان میں حکمران خاندان کے بہت سارے ایسے لوگ بھی تھے جن کے خلاف لوگوں نے دعوے دائر کیے کہ انہوں نے ناجائز طور پر ظالمانہ طریقے سے ہمارے اموال پر قبضہ کر رکھا ہے۔ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ان کے اموال واپس کیے جائیں۔ عمر بن عبد العزیز نے وقت کے بڑے علماء وفقہا کو جمع کیا اور ان سے اس بارے میں رائے طلب کی۔ بعض نے کہا: یہ آپ کے حکومت سنبھالنے سے پہلے کے معاملات ہیں۔ اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔ اسی طرح رہنے دیں۔ ان کا گناہ ان کے سر ہے جنہوں نے ناجائز طور پر انہیں حاصل کیا تھا۔ خلیفہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ ان میں سے ایک بولا کہ اس بارے میں آپ اپنے بیٹے عبد الملک کی رائے کیوں نہیں لے لیتے۔

حکم ہوا میرے بیٹے کو بلایا جائے۔ جب عبد الملک آیا تو ان کے سامنے یہ مقدمہ رکھا گیا کہ سابقہ حکومتوں کے ادوار میں جن لوگوں کی جائیدادیں ناجائز طور پر چھینی گئی ہیں اور ان پر بنوامیہ کے افراد نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے؟ جب کہ ان کے اصل مالکان نے اپنا حق ثابت بھی کر دیا ہے۔ بلاشبہ ماضی میں ان پر ظلم ہوا ہے۔ یہ ظلم کرنے والے ہمارے اپنے ہی خاندان کے لوگ ہیں۔ بیٹے نے بلا تردد کہا: ابا جان! میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان لوگوں سے زیادتی اور ظلم ہوا ہے اور وہ حق پر ہیں ان کے حقوق واضح ہیں تو پھر ان کے حقوق واپس کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ ابا جان! اگر آپ نے ان لوگوں کے حقوق نہ دلوائے، ان کی جائیدادیں واپس نہ کیں تو پھر آپ بھی انہی لوگوں میں شامل ہوں گے جنہوں نے ظلم اور زیادتی کر کے ان اموال پر قبضہ کیا ہے۔ بیٹے کا جواب سن کر عمر بن عبد العزیز بڑے مطمئن ہوئے۔

ابا جان! میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان لوگوں سے زیادتی اور ظلم ہوا ہے اور وہ حق پر ہیں ان کے حقوق واضح ہیں تو پھر ان کے حقوق واپس کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

اصلاح رفتہ رفتہ ہوتی ہے

عمر بن عبدالعزیز کو معلوم تھا کہ کوئی شخص گناہوں سے محفوظ نہیں جب آپ سے کہا جاتا: امیر المؤمنین! احکام جلد نافذ کیجیے، تو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے: جلدی نہ کرو، کیونکہ خرابیاں تھوڑی نہیں ہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں شراب کی دو بار مذمت فرمائی اور تیسری بار اسے حرام فرما دیا۔ اگر میں سارے کا سارا حق لوگوں پر ایک ہی بار لاد دوں تو وہ تمام حقوق کو گرا دیں گے اور اس سے مجھے فتنہ پیدا ہونے کا ڈر ہے۔

لیکن عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز اس رائے سے خوش نہ تھے، کیونکہ ان میں جوانی کا جذبہ موجزن تھا۔ وہ فوری طور پر حق کی شان بلند دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جب ان کے والد محترم اپنی

موصل میں موجود قدیم مینار کی ایک تصویر

اختیار کی ہوئی راہ پر دلائل پیش کرتے تھے تو وہ خوش ہو جایا کرتے تھے۔ وہ حکام جن کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز نے نرمی کا برتاؤ کیا تھا؛ عمر بن عبدالعزیز کے افعال پر حیرت نہ کرتے تھے۔ تاہم وہ جن کو عمر بن عبدالعزیز نے عہدوں کے لیے چن لیا تھا اور پورے پورے اختیارات دینے کے بعد انہیں نرمی پر آمادہ کر لیا تھا، راضی نہ تھے۔ وہ آپ کے ایسے حکم کی جو لوگوں پر محبت و شفقت اور نرمی کے بارے میں ہوتا تھا، روک ٹوک اور پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے اہالیان بصرہ کے آنسو پونچھ دیے۔ ان کے دکھ درد کو محسوس کیا۔ ایک دفعہ ان میں مال بھی بانٹا۔ ہر شخص کو تین تین درہم دیے، مگر اپاہج کو پچاس درہم ملے؛ حتی کہ ان کے بچوں کو بھی رقم دی جن کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا۔

یحییٰ غسانی گورنر موصل نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ اس شہر میں کثرت سے چور، ڈاکو اور ٹھگ رہتے ہیں۔ یہاں آئے دن نقب زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کیا میں محض شبہ پر لوگوں کو پکڑ سکتا ہوں اور انہیں الزام لگنے پر مار سکتا ہوں؟ یا ثبوت کے ساتھ پکڑوں۔

عمر بن عبدالعزیز اس کے جواب میں لکھتے ہیں: لوگوں کو درست ثبوت کے ساتھ پکڑو۔ یحییٰ غسانی کہتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں موصل سے واپس آیا ہوں تو یہ شہر اصلاح پسند بن گیا تھا اور اس میں چوری وغیرہ کی سب سے کم وارداتیں ہوا کرتی تھیں۔

عبدالملک بن عمر کی بیماری اور وفات

اس سعادت منداور صالح بچے کو پارسائی پگھلاتی رہی اور دبلا کرتی رہی؛ حتی کہ یہ انتہائی لاغر ہو گیا، پھر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ جب کہ ابھی انیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنی موت کی مسرت تھی۔

عبدالملک سے عمر بن عبدالعزیز بڑی محبت کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز ان کی عیادت کے لیے جاتے ہیں، پوچھتے ہیں۔ بیٹا کیا حال ہے؟

عبدالملک اس ڈر سے کہ انہیں صدمہ نہ ہو اپنا حال والد سے چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں: الحمدللہ! میں اچھا ہوں۔ مرض کا اور مریض کا حال عمر بن عبدالعزیز کے سامنے تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ میرا بیٹا اپنی موت سے خوش ہے۔ اس لیے آپ نے کہا: بیٹا! مجھے اپنی طبیعت کے بارے میں صحیح صحیح بتاؤ۔

عبدالملک بولے! میں اپنے آپ کو فوت شدگان میں پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ اجر کی غرض سے صبر کریں۔ آپ کے لیے اللہ کا ثواب مجھ سے بہتر ہے یہ سن کر باپ کا دل بیٹھ گیا۔

میں اپنے آپ کو فوت شدگان میں پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ اجر کی غرض سے صبر کریں۔ آپ کے لیے اللہ کا ثواب مجھ سے بہتر ہے یہ سن کر باپ کا دل بیٹھ گیا۔

عمر بن عبدالعزیز وہاں سے چل دیے اور جا کر نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں آپ کے پاس آکر مزاحم نے عبدالملک کی موت کی خبر دی اور عمر بن عبدالعزیز پر غشی طاری ہو گئی۔

عبدالملک کی تجہیز و تکفین اور تعزیت

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز کی ساری اولاد میں سب سے زیادہ متقی اور صالح عبدالملک ہی تھے۔ وہ باپ کو نصیحت کرنے میں بھی بڑے دلیر تھے۔ گویا ساری اولاد میں وہی سب

سے افضل تھے۔ پھر جب وہ فوت ہو گئے اور لوگ ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو گئے اور قبر ہموار کر چکے تو آپ بیٹے کی قبر اور قبلہ کے درمیان کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا: بیٹا! تم پر اللہ اپنا رحم فرمائے۔ تمہاری پیدائش موجب مسرت تھی۔ آج مجھے تم کو اس جگہ رکھ کر جس جگہ تم کو اللہ تعالیٰ نے لوٹایا ہے، میں مطمئن ہوں۔ تمہارے بارے میں مجھے اللہ سے جو اجر ملنے والا ہے اس کی بہت زیادہ توقع ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے۔ تمہارے نیک اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ تمہاری برائیاں مٹا دے اور اللہ تمہارے لیے ہر دعا کرنے والے پر اپنا رحم فرمائے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، حاضر ہو یا غائب اور مرد ہو یا عورت۔

ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی ہیں، اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز عبدالملک کی قبر سے واپس ہوئے۔ لوگوں کو ان کی موت کا بڑا صدمہ تھا۔ لوگ رہتی دنیا تک ان پر افسوس کرتے رہیں گے اور ان کے لیے رحمت کی دعائیں مانگتے رہیں گے۔ جب آپ گھر آ گئے تو لوگ تعزیت کے لیے آنے لگے۔ آپ نے ان کے سامنے صبر کا اظہار کیا۔ فرمایا: جو چیز عبدالملک پر اتری، اسے ہم جانتے تھے اور جب وہ واقع ہو گئی تو ہمارے لیے اجنبی اور انوکھی نہ تھی۔

آپ کے اس مبارک زمانے کو مسلمان صدیق اکبر کے زمانے سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے مرتد ہونے والوں سے جنگ کی تھی اور کہا کرتے تھے کہ ارتداد کے زمانے میں خلفاء میں افضل ابوبکر ہیں۔ بنو امیہ نے لوگوں سے جن چیزوں کو چھینا اور ان پر غاصبانہ قبضہ کیا ان کو واپس دلانے میں عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں۔

مظالم کے خلاف سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز کے جذبہ کو مہمیز دینے والے آپ کے غلام مزاحم ہیں اور اخیر میں اس میں تیزی پیدا کرنے والے آپ کے فرزند عبدالملک ہیں۔

حکام عراق کے احوال کی تحقیق

ایک دفعہ رباح بن عبیدۃ جناب عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ تھے ۔ رباح نے آپ سے اپنے گھر عراق جانے کی اجازت مانگی ؛ تاکہ بیوی بچوں اور جائیداد کو دیکھ آئیں ۔ دوسرے دن رخصت ہوتے وقت رباح نے کہا: امیر المؤمنین ! اگر عراق میں کوئی کام ہو تو مجھے فرمایئے ۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: اہل عراق کی خیریت پوچھ لینا اور عراق میں حکام کی حسن بصیرت کے معاملے میں بھی اہل عراق سے تحقیق کر لینا کہ آیا اہل عراق ان سے خوش ہیں یا ناخوش ہیں ۔

جب رباح عراق پہنچے اور عراق کے عوام سے تحقیق کی تو عوام کو ان سے خوش پایا ۔ جب رباح واپس آئے تو عمر بن عبدالعزیز کو سلام کر کے آپ کو عراق کے حکام کی حسن سیرت کی خبر دی اور یہ بھی کہ لوگ ان سے خوش ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں ۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: اللہ کا ہزار شکر ہے ، اگر تم اس کے خلاف خبر لاتے تو میں موجودہ حکام کو معزول کر دیتا اور پھر کبھی ان سے کام نہ لیتا ۔

قدیم عراق کے ایک شہر نجف کے آثار

مدینہ منورہ کی ایک تصویر جس میں ہجرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گنبد خضراء کے بغیر دیکھا جا سکتا ہے

اہل مدینہ سے تعلق

وقت گزرتا چلا جا رہا تھا اور عمر بن عبدالعزیز کے دل میں مدینہ منورہ کی تڑپ بڑھتی جا رہی تھی۔ آپ کا دل مدینہ ہی کی طرف لگا ہوا تھا اور کبھی اس سے ہٹتا ہی نہ تھا۔ آپ نے حکام کو مدینے کے بارے میں خیر و بھلائی کا حکم دے رکھا تھا۔

جب کبھی مدینہ منورہ سے کوئی شخص آتا تو عمر بن عبدالعزیز اس سے مدینہ والوں کی خیر خبر پوچھا کرتے تھے۔ شرفاء کا کیا حال ہے؟ تاجر کس طرح ہیں؟ ناداروں کی زندگی کس طرح بسر ہو رہی ہے؟ اور دیگر تمام مردوں اور عورتوں کا کیا حال احوال ہے؟

ایک دفعہ آپ کے پاس مدینہ سے ایک شخص آتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز اس سے پوچھتے ہیں: ان مسکینوں کا کیا حال ہے؟ جو فلاں فلاں جگہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین! اب وہ اس جگہ نہیں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مالدار بنا دیا ہے۔

ان مسکینوں میں وہ حضرات بھی تھے جو مسافروں کو پتے فروخت کیا کرتے تھے۔ بعد میں ان سے پتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو بولے۔ اللہ نے ہمیں پتے بیچنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ کیونکہ عمر بن عبدالعزیز نے ہمارا وظیفہ لگا دیا ہے۔

مدینہ کے اچھے حالات پر اظہار مسرت

عمر بن عبدالعزیز ایک دن مزاحم کے ساتھ سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آپ اکثر سوار ہو کر نکلا کرتے اور آنے والے قافلوں سے شہروں کے حالات معلوم کیا کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کی مدینہ کے ایک سوار سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے اس سے مدینہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کے حالات پوچھے۔ سوار بولا: اگر چاہو تو مختصر حالات بیان کروں اور اگر تفصیل چاہو تو مفصل حالات بیان کروں۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: جامع الفاظ میں مختصر حالات بیان کرو۔ کہنے لگا! میں نے مدینہ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہاں ظالم مغلوب ہے اور مظلوم مدد یافتہ ہے۔ مالدار بہت ہیں اور ناداروں کی ناداری کی تلافی کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! تمام شہروں کا اس صفت پر ہو جانا میرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

مظلوموں کے اموال کی واپسی

غصب شدہ جائیدادیں ضبط کرنے اور انہیں حقداروں کو لوٹانے کے مسئلہ میں جب عمر بن عبدالعزیز کو شرح صدر ہو گیا تو انہوں نے لوگوں کے اموال واپس کرنا شروع کر دیے۔ اب وہ منبر پر

کھڑے ہوئے، ان کے دائیں جانب ان کا غلام مزاحم تھا۔ اس سے کہا: مزاحم! آج سے تم میرے وزیر ہو۔ یہ کالے رنگ کا آزاد کردہ حبشی غلام بڑا قوی الجثہ اور طاقتور تھا۔

فرمایا: مزاحم! میں تمہارے ساتھ اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: جناب! مجھے آپ وزیر کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے تمہیں ایک مرتبہ صحراء میں چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم اکیلے تھے، اللہ کے علاوہ تمہیں کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔

میں نے دیکھا ہے کہ تمہیں قرآن سے محبت ہے۔ تم صبح وشام اس کی تلاوت کرتے ہو، اس لیے میرے معاون و مددگار بن جاؤ۔ مزاحم نے کہا: امیر المؤمنین! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ مزاحم تلوار لیے کھڑا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز منبر پر کھڑے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک رجسٹر ہے جس میں آپ نے اپنی حکومت وخلافت کے لیے بڑے بڑے حروف میں ضروری معلومات تحریر کر رکھی تھیں۔

مزاحم نے عرض کیا: جناب! مجھے آپ وزیر کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے تمہیں ایک مرتبہ صحراء میں چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم اکیلے تھے، اللہ کے علاوہ تمہیں کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔

بنو امیہ کے وہ تمام امراء اور اعیان حکومت جنھوں نے لوگوں پر ظلم کیے تھے، ان کے محلات اور زمینوں پر ناجائز قبضہ کیا تھا صف اول میں بیٹھے ہیں۔ حکم دیا کہ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان کی عطا کردہ رجسٹریاں لائی جائیں۔ فرمایا: اے بنو مروان! یہ وہ دستاویز ہے جس میں عبدالملک بن مروان نے تمہارے لیے زمینیں ناجائز طور پر الاٹ کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بجا ہے اور عبدالملک کی بات غلط ہے۔ آپ نے وہ دستاویز پھاڑ ڈالی اور حکم دیا: بنو امیہ سے منسلک تمام رجسٹریاں لاؤ۔ حکم کی تعمیل ہوتی ہے، رجسٹریاں لائی جاتی ہیں۔ وہ ان کو کاٹتے چلے گئے۔

پھر ان کے پاس عباس بن ولید بن عبدالملک کی زمین کے کاغذات ملکیت لائے گئے۔ یہ لمبی چوڑی جائیداد کا مالک تھا۔ بہت وسیع وعریض اراضی اس کے قبضے میں تھی۔ انہوں نے قینچی سے جب

ان کا غذات کو کاٹنا شروع کیا تو عباس کھڑا ہو گیا۔ اس نے احتجاج کیا، کہنے لگا: میری جائیداد واپس کریں۔ آپ کون ہوتے ہیں ہمارے خلاف فیصلہ دینے والے۔ اس نے چیلنج دیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے کہا: خاموش ہو جاؤ۔ کل تک تم نے لوگوں پر ظلم کیا اور قوت کے زور پر ان کی زمینوں پر قبضہ کیا۔ اگر تم خاموش نہ ہوئے تو میں مزاحم کو حکم دوں گا کہ تمہاری گردن اڑا دے۔ عباس خاموش ہو گیا: اسے معلوم ہو چکا تھا کہ انصاف کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے۔

جب عباس سے جائیداد واپس لی گئی تو اس نے عمر بن عبدالعزیز کو بڑے سخت الفاظ میں خط لکھا۔ اس خط میں انہیں خوب دھمکیاں دی گئیں تھیں۔ آپ ایسا سمجھ لیں کہ گویا ایک طرح کا اعلان بغاوت تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے مزاج میں عموماً نرمی تھی۔ مزاج میں غصہ نہ تھا، مگر جب ان کے نہایت قریبی رشتہ دار نے ان کو کھلی دھمکیاں دیں اور بغاوت پر آمادہ نظر آیا تو ان کو غصہ آ گیا۔ حکم دیا کہ عباس کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ عباس کا موقف درست نہ تھا، وہ کھلی بغاوت کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کو قتل کی سزا ہو سکتی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ اس نے توبہ کر لی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ریاست کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اس طرح وہ جلاد کی تلوار سے بچ گیا۔ خاندان کے لوگوں نے ظلم وستم سے حاصل ہونے والی جائیدادیں اور عطیات واپس کر دیے۔ امراء کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر تھیں۔ ان تنخواہوں کو کم کر کے عام لوگوں کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ انہیں مختلف شعبوں میں ڈیوٹیاں تفویض کی گئیں، تمام امراء ڈیوٹی کر کے تنخواہ لیتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو مقرر کیا اور اس سے کہا: تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر میں کسی پر ظلم کرنے لگوں یا کسی پر زیادتی کرنا چاہوں تو میرا دامن پکڑ لو اور مجھ سے کہو: عمر! اللہ سے ڈر جاؤ۔ چنانچہ اس کا یہی کام تھا کہ گاہے بگاہے آپ کو مناسب مشورے دیتا اور اللہ کے خوف کی یاددہانی کرواتا رہتا۔

آج کے حکمرانوں کو بھی مشیروں کے انتخاب کے وقت اس امر کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کہ ان کے مشیران ووزراء اللہ سے ڈرنے والے اور حق وصداقت کی نصیحت کرنے والے ہوں۔

عدل کی فراہمی میں آسانی اور فراوانی

ابو الزناد فرماتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز ظلماً غصب کیے ہوئے اموال وحقوق کے لیے بہت زیادہ شہادتیں طلب نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ معمولی سی گواہی پر اکتفا فرماتے تھے۔
جیسے ہی انہیں معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص کا حق غصب ہوا ہے تو فوراً اسے دلا دیتے اور اسے باقاعدہ گواہی پیش کرنے کی زحمت نہ دیتے، کیونکہ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان سے پہلے حکمرانوں نے ظلماً لوگوں کے اموال وحقوق غصب کر رکھے تھے۔ یہاں تک کہ جب رد مظالم کے سلسلہ میں عراق کے بیت المال کا سارا مال ختم ہو گیا تو شام سے حکومت کی ضروریات کے لیے مال بھیجا گیا۔

پھوپھی کے ذریعے دباؤ ڈلوانے کی کوشش

جب خاندان بنوامیہ کے لوگ عمر بن عبدالعزیز سے اپنے لیے کوئی بھی رعایت لینے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ایک اور سازش کی کہ ان کی سگی پھوپھی ام عمر فاطمہ بنت مروان کو آپ کے خلاف ابھارا۔ وہ پھوپھی صاحبہ کے پاس حاضر ہوئے اور خلیفہ کی شکایت کی کہ انہوں نے ہماری تمام جائیدادیں اور اموال بحق سرکار ضبط کر لیے ہیں۔ یہ خاتون مروان کی صاحبزادیوں میں ایک بلند پایہ مقام رکھتی تھیں اور نہایت جوشیلی اور خوددار تھیں۔ انہوں نے عمر کے پاس پیغام بھجوایا کہ انہیں ایک شدید پریشانی لاحق ہے جس کے باعث وہ آپ سے ضروری ملاقات چاہتی ہیں۔

امیر المؤمنین نے کہلا بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے وقت آپ کے پاس پہنچتی ہیں۔ پہرے دار فاطمہ کو اندر لے گیا۔ جب دروازے پر پہنچیں تو خلیفہ نے آگے بڑھ کر پھوپھی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھوڑے سے اتارا۔ پھر ان کے لیے اوپر تلے دو گدے بچھوا دیے۔ اس کے بعد دل لگی کے لیے کہنے لگے: کیا آپ نے دروازے پر پہرے دار نہیں دیکھے؟ عمر بن عبدالعزیز کے دروازے پر ایک ہی پہریدار تھا۔ جبکہ پہلے خلفاء کے دروازوں پر بہت

سے پہریدار ہوا کرتے تھے۔ یہ کھرے مزاج کی خاتون تھیں اور دل لگی میں دل چسپی نہیں لیتی تھیں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! میں نے یہ پہریدار تم سے پہلے خلفاء کے پاس دیکھے ہیں جو تم سے بہتر تھے۔ پھر آپ نے ان کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کافی کوشش کی مگر وہ بدستور سنجیدہ رہیں۔ آخر کار عمر بھی دل لگی چھوڑ کر سنجیدہ ہو گئے اور اصل موضوع کی طرف آ گئے۔

پھوپھی سے فرمایا: پھوپھی جان! بات کیجیے کیونکہ آپ ہی کو مجھ سے کام ہے۔ آپ ان کی خواہش کو ناکام کرنے کے لیے فرماتے ہیں: پھوپھی جان! اللہ کے رسول ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو لوگوں کو ایک آباد حوض پر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ پھر اس حوض کا منتظم ایک شخص بنا۔ اس نے اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں کی۔ پھر مختلف لوگ اس کے منتظم بنتے رہے حتی کہ لوگوں نے اس میں سے نہریں نکال لیں اور لوگ برابر ان سے پانی خریدنے لگے حتی کہ اسے خشک کر دیا اور اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرمائے گا تو میں اسے سابق حالت پر واپس لے آؤں گا۔

پھوپھی کی طرف سے ایک سخت دن کی دھمکی

پھوپھی صاحبہ کہنے لگیں: تمہارے پاس ان خلفاء کو برا کہا جائے اور تم سنتے رہو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ جب آپ نے دیکھا کہ پھوپھی بھی اسی قسم کی دلیل دینا چاہتی ہیں جو باطل پرست دیتے چلے آئے ہیں۔ جب وہ دلیل کے میدان میں ناکام ہوتے ہیں تو پھر اس قسم کی باتیں کر کے مخاطب کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے پھوپھی سے کہا: ان کو کون برا کہتا ہے۔ لوگ میرے پاس اپنے حق کی وصولی کے لیے آتے ہیں اور میں ان کا حق دلوا دیتا ہوں۔ کہنے لگیں: آپ کے رشتہ دار آپ کا شکوہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: عمر نے ہم سے وہ چیزیں چھین لی ہیں جو سابق خلفاء نے انہیں عطا کی تھیں اور عمر سے پہلے کسی نے انہیں واپس نہیں لیا۔

آپ نے فرمایا: میں نے کسی سے اس کا حق تو نہیں چھینا۔ ان جائیدادوں پر ان کا حق تھا ہی نہیں۔ کہنے لگی: میں نے انہیں تمہارے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے اور تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ یہ سب

مل کرتم پر کوئی برا دن نہ لے آئیں۔

ابھی پھوپھی یہاں تک پہنچی تھی کہ عمر کو جوش آ گیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: پھوپھی جان سنیے! یہ ممکن نہیں کہ مجھے ہر دن کا ڈر ہو مگر قیامت کا ڈر نہ ہو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس ہولناک دن کی برائی سے بچالے تو یہ میرے لیے بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

> میں نے انہیں تمہارے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے اور تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ یہ سب مل کرتم پر کوئی برا دن نہ لے آئیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی ام عمر بنت مروان نے آپ سے کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ آپ نے ہمیں ایسی بہت سی چیزوں سے محروم کر دیا ہے جو دوسرے خلفاء ہمیں دیا کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا: پھوپھی جان! اگر ''اللہ کا فیصلہ'' نہ ہوتا تو میں دوسروں سے زیادہ آپ کو دینے والا ہوتا۔

پھوپھی جان کا نصیحت سے متاثر ہونا

اب پھوپھی صاحبہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے انہیں بٹھا لیا۔ پھر آپ نے سونے کا ایک دینار اور آگ کا ایک انگارہ منگوایا۔ سونے کا دینار جلتے ہوئے کوئلہ پر رکھا۔ وہ گرم ہوکر سرخ ہو گیا اور پگھل گیا، اس کی تحریر جاتی رہی۔ عمر کہنے لگے: پھوپھی جان! آپ اس دینار کو اٹھائیں اور میرے جسم پر رکھ دیں۔ پھوپھی کہنے لگی: بیٹا عمر! یہ کیا کہہ رہے ہو، میں کیوں رکھوں گی۔ اس سے تمہارا جسم جل جائے گا، تمہیں تکلیف ہوگی، میں ایسا نہیں کرسکتی۔

جناب عمر نے عرض کیا: پھوپھی جان! یہ تو ایک دینار ہے جس کو آپ میرے جسم کے کسی حصے پر رکھنا گوارا نہیں کر رہی ہیں۔ ذرا مجھے بتائیں کہ آپ میرے پورے جسم کو جہنم میں جلتا ہوا قبول کرسکتی ہیں؟ پھوپھی صاحبہ اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے خاموش کھڑی ہوگئیں۔ اس نصیحت نے ان کے دل پر گہرا

اثر کیا اور وہ خوفزدہ ہوگئیں۔عمر بولے: بات کیجیے۔ کہنے لگیں: میں نے تم سے بات کرنا چاہی تھی اور تبادلہ خیالات کی غرض سے ہی آئی تھی، لیکن تمہاری گفتگو میں کوئی لچک ہی نہیں تو میں تم سے کبھی تبادلہ خیالات نہیں کروں گی۔آپ نے فرمایا: پھوپھی جان! آپ مکمل احترام کے ساتھ واپس تشریف لے جائیں اور میرے چچازاد بھائیوں سے کہہ دیں کہ یہ دن اب عدل وانصاف کے ہیں۔ظلم کی داستانوں کا دور ختم ہوگیا ہے۔

پھوپھی کی واپسی اور بنوامیہ کو صبر کی تلقین

فاطمہ بنت مروان اٹھ کر گئیں اور رشتہ داروں میں جا پہنچیں۔ابھی تک ان کے تصور میں سونے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ ان کے اور خاندان بنوامیہ کے دیگر امراء کے درمیان موازنہ کر رہی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے مقابلے میں دیگر اہل خاندان انہیں خشک لکڑی اور دھنی ہوئی روئی کی طرح لگ رہے تھے۔

پھوپھی واپس جاتی ہے، خاندان کے لوگوں سے کہتی ہے: دیکھو! میرے بچو، قصور تمہارا اپنا ہے کہ تم اپنے فرزند عبدالعزیز بن مروان کی شادی عمر فاروق کے گھرانے کی بیٹی سے کرتے ہو اور جب ان کے بچے آل عمر کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو تم لوگ بے صبری کا اظہار کرتے ہو؟ عمر جو کچھ کر رہا ہے اس پر صبر کرو اور اپنے کیے کا نتیجہ بھگتو۔

اہلیہ سے فیصلہ کن مکالمہ

اپنے چچازاد بھائیوں، رشتہ داروں اور امراء سے ناجائز جائیدادیں وصول کر کے انہیں بیت المال میں جمع کروا دیا تو اپنے گھر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فاطمہ جو خلیفہ عبدالملک کی لاڈلی بیٹی تھی، اس کو شادی پر بہت زیادہ عطیات ملے تھے۔لوگوں نے تحفہ میں فاطمہ کو کتنے ہی سونے کے زیورات پیش کیے تھے۔ ان میں ہیرے کے زیورات بھی شامل تھے۔ بیوی سے کہا: فاطمہ! یہ زیورات تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔ یہ لوگوں کے اموال سے خرید کر تمہیں تحفہ میں دیے گئے تھے۔اب یا تو ان

زیورات کو قبول کر و یا مجھے قبول کر لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ان زیورات کو بیت المال میں جمع کروا دو۔ فاطمہ نے لمحہ بھر سوچا، اس عظیم خاتون کی تربیت بھی بہت عمدہ طریقے سے کی گئی تھی۔ اس عظیم رہنما کی اہلیہ خلوت اور جلوت کی ساتھی تھیں۔ عرض کرتی ہیں: امیر المؤمنین! دنیا کی چیزوں کی پروا نہیں، میں آپ کو اختیار کرتی ہوں، یہ کہہ کر سارا زیور بیت المال میں جمع کروا دیتی ہیں۔

پھر ایک دن آیا کہ امیر المؤمنین اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فاطمہ کے بھائی یزید بن عبدالملک خلیفہ بن جاتے ہیں۔ فاطمہ کا زیور اسی طرح بیت المال میں پڑا ہوا تھا۔ یزید نے حکم دیا کہ یہ زیور اس کی بہن فاطمہ کو واپس بھجوا دیا جائے۔

تھوڑی ہی دیر بعد فاطمہ نے اپنے سامنے زیور دیکھا، نگاہوں کے سامنے اپنے محبوب خاوند کی شکل آ گئی۔ ان کی محبتیں، پیار، الفت، گزرا ہوا زمانہ یاد آ گیا۔ وفاء کی اس پتلی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ سوچا میرا خاوند تو اس زیور کو میرے لیے حلال نہیں سمجھتا تھا۔ اب ان کی وفات کے بعد اسے کیسے قبول کر لوں؟ کہتی ہیں: جس چیز کو میں ان کی زندگی میں جائز نہیں سمجھتی تھی ان کے مرنے کے بعد اسے کیسے جائز سمجھ لوں؟! اس زیور کو اٹھا لیں اور میری نگاہوں سے دور کر دیں۔ مجھے اس میں سے ایک چیز کی بھی ضرورت نہیں؛ چنانچہ یزید بن عبدالملک کے حکم پر اس زیور کو بنوامیہ کی خواتین میں تقسیم کر دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز کا اپنی بیٹی سے سلوک

جس طرح عمر بن عبدالعزیز نے اپنی بیوی فاطمہ کے ساتھ کیا اسی طرح اپنی تمام اولاد یعنی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ بھی کیا۔

ایک دفعہ آپ کی ایک بچی نے آپ کی طرف ایک موتی بھیج کر درخواست کی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے لیے اسی جیسا ایک موتی بھیج دیں؛ تا کہ میں اپنے دونوں کانوں میں موتی پہن سکوں۔ آپ نے ان کے پاس دو انگارے بھیج دیے، پھر ان سے فرمایا! اگر تم یہ دونوں انگارے اپنے کانوں میں پہن سکتی ہو تو تمہارے لیے اس موتی کا جوڑا بھیج دوں؟

سلیمان کی تمام اشیاء بیت المال میں

خلافت سنبھالنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز اپنے غلام مزاحم اور بنو مروان کے چند آدمیوں کے ساتھ سلیمان کے گھر پہنچے۔ سلیمان کے بیٹے اور بیٹیاں تیل اور خوشبو شیشیوں سے دوسری شیشیوں میں الٹ رہے تھے۔

بچے وہ نئے کپڑے پہن رہے تھے جو تہہ شدہ تھے اور ابھی پہنے نہیں گئے تھے۔ لیکن ان کی سلوٹوں کی وجہ سے پہنے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

اس زمانے کا دستور یہ تھا کہ خلیفہ کے مرنے کے بعد اس کے تمام زیر استعمال ملبوسات اور تمام خوشبو اس کی اولاد کو ملا کرتی تھیں اور غیر مستعمل لباس وغیرہ بعد میں آنے والے خلیفہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز جب سلیمان کے گھر پہنچتے ہیں تو بچوں کو کپڑے تقسیم کرنے سے روک دیتے ہیں۔ سابق خلیفہ کی تمام چیزیں بیت المال میں جمع کرا دیتے ہیں۔

سپہ سالار مسلمہ بن عبدالملک کی اصلاح

بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیز کے نہایت قریبی، خیر خواہ آپ کے برادر نسبتی اور چچا زاد مسلمہ بن عبدالملک تھے۔ کیونکہ یہ آپ کی بیوی فاطمہ کے سگے بھائی تھے اور انہیں عمر بن عبدالعزیز سے محبت تھی۔ یہ اسلامی فوج کے سپہ سالار بھی تھے۔ مسلمہ عمر بن عبدالعزیز کے بہت قریب تھے، مگر کھانے پینے کی حلال چیزوں میں بہت اسراف کرتے تھے۔

مسلمہ کے افعال کی خبر عمر بن عبدالعزیز کو بھی لگ گئی۔ آپ کو تمنا ہوئی کاش! مسلمہ اسراف کو چھوڑ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیزیں انہیں حرام میں پھنسا دیں۔ ایک دن عمر بن عبدالعزیز نے انہیں حکم دیا کہ صبح صبح ان کے پاس آئیں۔ آپ نے ان کی ضیافت کے لیے مسور کی دال پکوائی اور قسم قسم کے گوشت اور لذیذ کھانے بھی پکوائے۔ مسلمہ علی الصبح آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں مسلسل بات چیت میں لگائے رکھا؛ حتی کہ انہیں بھوک خوب لگ گئی۔ عمر بن عبدالعزیز کو اندازہ ہو گیا کہ اب انہیں خوب زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ آپ نے کھانا منگوایا، مسور کا ثرید دستر خوان پر آیا۔ مسلمہ اس پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے بڑی رغبت سے کھایا اور جب تک پیٹ نہیں بھر گیا ہاتھ نہیں روکا۔

مسلمہ! اگر پیٹ بھرنے کو یہ ثرید ہی کافی ہے تو پھر کھانے میں اسراف کر کے آگ میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے؟

پھر عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے یہ ثرید دستر خوان سے اٹھا دیا گیا۔ اب اس پر عمدہ عمدہ کھانے چنے گئے اور عمر بن عبدالعزیز نے انہیں کھانے کی دعوت دی، کہنے لگے: اب کھانے کی حاجت نہیں رہی، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کھانے کو کہا۔ بولے: میرے پیٹ میں ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے؟

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: مسلمہ! اگر پیٹ بھرنے کو یہ ثرید ہی کافی ہے تو پھر کھانے میں اسراف کر کے آگ میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس دن سے مسلمہ نے کبھی کھانے میں اسراف نہیں کیا۔

خاندان کے لوگوں سے مکالمہ

آپ نے اپنے اعزہ واقارب کو جمع کر کے ان سے کہا: یہ مال و دولت جو آپ لوگوں کے پاس ہے اس پر آپ کا حق نہیں بلکہ لوگوں کا حق ہے۔ اس لیے یہ تمام مال و دولت اس کے اصل حقداروں کو لوٹا یا جائے گا یا پھر بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ آپ نے انہیں پیار و محبت سے سمجھانے کی کوشش کی، مگر جب انہوں نے پیار و محبت سے جواب نہ دیا اور ان کی بات نہ مانی تو پھر سختی سے کام لیا اور زبردستی لوگوں کے اموال اور جائیداد یا تو حق داروں کو واپس کی یا مرکزی بیت المال میں جمع کروا دی۔

عمر بن عبدالعزیز نے بے انصافیوں کو ختم کیا۔ بنو امیہ کے وظائف اور ان کے نوکروں کی تنخواہیں بند کر دیں اور ان کی جاگیریں ختم کر کے انہیں تنگدست کر دیا۔ بنو امیہ اس پر بڑے سٹ پٹائے اور وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: آپ نے مسلمانوں کے بیت المال کو تو خوب بھر دیا، مگر ان ''اصلاحات'' سے اپنے خاندان کو قلاش بنا دیا۔

یہ خلافت آپ سے پہلے اور لوگوں کے پاس بھی رہی ہے۔ پہلے خلفاء کے فیصلوں کو اپنی جگہ رہنے دیجیے اور آئندہ نئے معاملات میں آپ جو چاہیں کریں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہاری رائے ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: لیکن میری رائے یہ نہیں، اللہ کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی ناجائز فیصلہ ایسا نہ رہے جسے میں ختم نہ کر دوں۔

بنو مروان کا ہنگامہ

سلیمان بن عبدالملک کا ایک بیٹا عمر بن عبدالعزیز کے پاس آتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی زمین ضبط کر لی تھی کیونکہ اس کی دستاویز نہ تھی۔ آپ اس کی حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ اس لیے آپ نے زمین کو ضبط کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ جب آپ اسے اندر آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے: امیر المؤمنین! آپ مجھے میری زمین واپس کیوں نہیں دیتے؟

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں ، معاذ اللہ ! ایسا ممکن نہیں کہ زمین تمہاری ہو اور میں تم کو واپس نہ لوٹاؤں ۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت ہے تو پیش کرو ۔ خلیفہ سلیمان کا بیٹا اپنی آستین سے دستاویز نکال کر عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے : لیجیے ! یہ ہے دستاویز ! عمر بن عبدالعزیز دستاویز دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ زمین کس کی ہے ؟

بولا : فاسق ابن حجاج کی ۔ عمر بن عبدالعزیز بولے ! پھر تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے ۔

بولا : امیر المؤمنین ! یہ جائیداد بیت المال سے مجھے ملی ہے ۔ عمر بن عبدالعزیز بولے پھر تو مسلمان اس کے حقدار ہیں ۔

بولا ! اچھا تو مجھے میری دستاویز واپس دے دیجیے ۔ فرمایا : اگر تم میرے پاس یہ دستاویز نہ لائے ہوتے تو میں تم سے اسے نہ مانگتا ۔ لیکن جب تم یہ دستاویز لے آئے ہو تو اب میں تمہیں اس حال میں چھوڑنے والا نہیں کہ تم باطل طریقے سے کسی چیز کا مطالبہ کرو ۔

اگر تم میرے پاس یہ دستاویز نہ لائے ہوتے تو میں تم سے اسے نہ مانگتا ۔ لیکن جب تم یہ دستاویز لے آئے ہو تو اب میں تمہیں اس حال میں چھوڑنے والا نہیں کہ تم باطل طریقے سے کسی چیز کا مطالبہ کرو ۔

عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان کے بیٹے پر برہمی کا اظہار کیا حالانکہ یہ اس کا بیٹا تھا جس نے عمر بن عبدالعزیز کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی ۔

ہر چند کہ ابن سلیمان رویا بھی ، مگر عمر بن عبدالعزیز اس پر نرم نہیں ہوئے ۔ آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے ۔ مزاحم نے یہ سارا معاملہ دیکھا تھا ۔ انہیں ابن سلیمان پر ترس آ گیا ۔ پھر جب وہ چلا گیا تو مزاحم نے کہا ۔ امیر المؤمنین ! آپ ابن سلیمان کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں ؟ عمر بن عبدالعزیز فرمانے لگے : مزاحم ! تم پر اللہ رحم فرمائے ۔ میں ابن سلیمان کے لیے اسی قدر شفقت پاتا ہوں جس قدر اپنی اولاد کے لیے پاتا ہوں ۔ لیکن میں کیا کروں انصاف کے تقاضے مجھے بہر حال پورے کرنا ہیں ۔

امراء کی طرف سے ایک اور تجویز

اموی امراء کو ایسے شخص کی تلاش تھی جو نڈر ہو کر عمر بن عبدالعزیز کے سامنے اپنے مطالبات رکھے۔ ہشام بن عبدالملک نے یہ بیڑہ اٹھایا۔ کیونکہ وہ غیر معمولی شجاعت کا مالک تھا۔ جس کا اظہار اس نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کیا۔ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا:

امیر المؤمنین! میں آپ کی قوم کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ انہوں نے آپ کے سامنے ایک رائے رکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے ماتحت مال میں جو چاہیں کریں، مگر سابقہ خلفاء کے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ وہ جو کچھ امراء کے ساتھ سلوک کر گئے، اس کی خوبیاں اور خامیاں انہی کے سپرد رہنے دیں۔

عمر بن عبدالعزیز سمجھ گئے کہ ہشام نام تو قوم کا لیتا ہے، لیکن یہ ہشام ہی کے دل کی پکار ہے اور وہ ان میں خود کو چھپانا چاہتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

ہشام! اگر تم میرے پاس ایک ہی معاملہ کی دو دستاویزات لاؤ۔ ایک معاویہ کی دی ہوئی اور ایک عبدالملک کی تو بتاؤ میں کس دستاویز کو قبول کروں؟

ہشام بولا: پرانی دستاویز کو۔ فرمایا: میں اللہ کی کتاب ان سب سے پرانی پاتا ہوں اور اسی کے قانون کے مطابق امراء سے عمل درآمد کراتا ہوں۔ خواہ وہ مال میرے ماتحت ہو یا سابق خلفاء کا دیا ہوا ہو۔

امراء لگاتار ہنگامے مچاتے رہتے تھے؛ حتی کہ آپ کے پاس ایک امیر کا خط آتا ہے اور آپ کے غصہ کو بھڑکا دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بنو مروان کے لیے ایک دن مقرر کر لوں، پھر جو میرے راستے میں رکاوٹ بنیں، حکومت سے غداری کریں تو ان کے لیے یہ ذبح کا دن ہو۔ جب بنو مروان کو آپ کی اس بات کی خبر لگی تو وہ ہنگاموں سے رک گئے۔ انہیں آپ کے عزم کی پختگی معلوم تھی اور یہ بھی کہ جب آپ کسی کام کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اسے کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔

عمر بن ولید بن عبدالملک کا خط اور اس کا جواب

بنوامیہ ولید کے ایک بیٹے عمر کے پاس گئے ۔ جو ولید کے عہد حکومت میں اردن کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس سے کہا کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کو زجر وتوبیخ کا خط لکھے۔ ممکن ہے یہ خط انہیں ان کے ''غلط رویے'' سے باز رکھ سکے۔ چنانچہ اس نے آپ کے نام خط لکھا:

اما بعد! عمر! تم نے اپنے پیش روخلفاء کی توہین کی ہے۔تم نے ان کی سیرت وروش چھوڑ کرنئی راہ اختیار کی ہے۔تم ان کی تنقیص اوران کے اعمال پر نکتہ چینی کی غرض سے ان کے فیصلوں کو مظالم کا نام دیتے ہواوران کے بعدان کی اولاد کو سب وشتم کا نشانہ بناتے ہو؛ حالانکہ تمہیں اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس صلہ رحمی کا حکم فرمایا ہے تم نے اسے قطع کر دیا ہے اور اپنے اہل قرابت سے بے انصافی کی ہے۔تم نے محض ظلم وعدوان اور جور وستم کی بنا پر قریش کے اموال، ان کی میراث اوران کے حقوق کو اپنے بیت المال میں داخل کرلیا ہے۔

عبدالعزیز کے بیٹے! اللہ سے ڈرو اور اس بات کا دھیان رکھو اگر تم اپنے اہل قرابت کو قطع رحمی اور ظلم کا نشانہ بناتے رہے تو تم زیادہ دیر تک اپنے منبر پر نہیں رہ سکو گے۔ اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت سے نوازا! تم نے اپنی اس خلافت کے ذریعے، جسے تم ابتلاء سمجھتے ہو اور وہ واقعی تمہارے لیے ابتلاء ہی ہے، اللہ سے دور ہونے میں اضافہ کرلیا ہے۔ اس لیے اپنے ظالمانہ طرز عمل میں لچک پیدا کرو۔

اے اللہ! سلیمان بن عبدالملک سے تو ہی حساب لے کہ اس نے امت محمدیہ کے خلاف سازش کی کہ اس نے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنا کر ان پر مسلط کر دیا۔

اس خط کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز نے جو لکھا وہ پڑھنے اور سننے کے لائق ہے۔

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے عمر بن الولید کے نام۔

سلام ہو اللہ کے رسولوں پر اور ساری تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

ولید کے بیٹے! تیری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تیری ماں ''بنانہ'' ایک لونڈی تھی جو حمص کے گھروں میں جاتی اور وہاں سارا دن دکانوں کے چکر کاٹتی تھی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی وہاں کیا حالت تھی۔ پھر اسے ذبیان بن ذبیان نے مسلمانوں کے مال فے سے خرید کر تیرے باپ کو ہدیہ کیا اور وہ تیرے ساتھ حاملہ ہوئی۔

تو ماں کے پیٹ میں بھی کیا ہی برا تھا اور پیدائش کے بعد بھی، پھر تیری نشوونما ہوئی تو تو جبار اور بد بخت بنا۔

تو نے اپنے خط میں مجھے ظالم کہا ہے اور تیرا خیال ہے کہ میں نے تجھے اور تیرے گھرانے کو مال فے سے محروم کر دیا ہے جس میں اہل قرابت، مساکین اور بیوگان کا حق ہے۔

مجھ سے بڑا ظالم اور عہد الٰہی کا تارک تو وہ تھا جس نے تیرے جیسے نادان کو مسلمانوں کے لشکر پر امیر بنا دیا تاکہ تو مسلمانوں کے بارے میں اپنی من مانی کرتا پھرے۔ تیری تقرری میں تیرے باپ کے پیش نظر تیری اہلیت وصلاحیت نہ تھی بلکہ محض ایک باپ نے بیٹے کی محبت میں تجھے مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔

> **ہلاکت ہے تیرے لیے اور تیرے باپ کے لیے، قیامت کے دن تم دونوں پر مقدمہ کرنے والوں اور گردن میں کپڑا ڈالنے والوں کو تعداد کیا کچھ کم ہوگی؟**

ہلاکت ہے تیرے لیے اور تیرے باپ کے لیے، قیامت کے دن تم دونوں پر مقدمہ کرنے والوں اور گردن میں کپڑا ڈالنے والوں کو تعداد کیا کچھ کم ہوگی؟ اور جس کے خلاف دعویٰ کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو، اس کی نجات کی کیا سبیل ہو سکتی ہے؟

مجھ سے بڑا ظالم اور عہد الٰہی کا تارک تو وہ تھا جس نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم وسفاک شخص کو مال خمس پر نگران مقرر کر دیا۔ وہ لوگوں کا ناجائز طریقے سے خون بہاتا تھا اور حرام کھانے میں کوئی باک نہیں سمجھتا تھا۔

مجھ سے بڑھ کر ظالم اور عہد الٰہی کا تارک تو وہ تھا جس نے قرہ بن شریک جیسے اکھڑ، گنوار دیہاتی کو مصر کا گورنر بنا ڈالا اور اسے نا ؤ نوش اور ساز و سارنگی کی کھلی چھٹی دیے رکھی۔

مجھ سے بڑا ظالم اور عہد الٰہی کا تارک تو وہ تھا جس نے مسلمانوں کے مال فے اور ان کے صدقات میں ایک بربری عورت ''غالیہ'' کا حصہ مقرر کر دیا تھا؟ تیری ماں تجھے گم پائے، کیا اس عورت نے ہجرت کی تھی یا بیعت رضوان میں شریک ہوئی تھی کہ وہ مقاتلین (مجاہدین) کے حصہ کی مستحق ہو؟

بنانہ کے بیٹے! تو ذرا صبر کر، اگر حالات سازگار رہے، میری عمر نے وفا کی اور اللہ تعالیٰ نے حقوق ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دیے تو میں تیرے لیے اور تیرے گھرانے کے لیے پوری طرح فارغ ہو جاؤں گا اور تمہیں سیدھی اور روشن روش پر قائم کر کے چھوڑوں گا۔

ایک لمبی مدت تک تم لوگوں نے حق کو پس پشت ڈالے رکھا اور راستے کی چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں کو اختیار کیے رکھا۔ میرے لیے اس سے بڑی فضیلت کیا ہوگی اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں وہ وقت دیکھوں گا جب میں تیرے سب مال اسباب کو بیچنے کا حکم دوں گا اور اس کی قیمت یتامیٰ مساکین اور بیوگان میں تقسیم کروں گا کیونکہ کتاب اللہ کے مطابق ہر مسلمان کا حق تو نے دبا رکھا ہے۔

سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے، کیونکہ ظالموں کو اللہ کا سلام نہیں پہنچتا۔

بنو مروان اسراف میں مبتلا تھے

عمر بن عبدالعزیز اکثر تمنا کرتے رہتے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے وہ مبارک دن آئے جس دن شر پسندوں کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں۔ بنو مروان کو آپ کی اس تمنا کی اطلاع ملتی رہتی تھی، اس لیے وہ شرارتوں سے رک جایا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کو ان سے صرف یہ بات روک رہی تھی کہ ان کا قرآن و حدیث اور شریعت محمدیہ پر ایمان تھا۔ لیکن اسراف کی حرمت کو جاننے کے باوجود وہ اسراف میں مبتلا تھے۔

مزاحم، بہترین وزیر

عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے عبدالملک، بھائی سہل اور آپ کے وزیر اور خادم مزاحم تینوں عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں وفات پا گئے۔ جب آپ ان سب ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے سپرد خاک کر چکے تو ایک شامی نے آپ سے تعزیت کرتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین کو صاحبزادے کی وفات کا صدمہ پہنچا۔ واللہ! میں نے کوئی بیٹا نہیں دیکھا جو باپ کا اتنا فرمانبردار اور خدمت گزار ہو۔ پھر امیر المؤمنین کو بھائی کی وفات کا حادثہ پیش آیا تو شامی نے کہا: واللہ! میں نے کوئی بھائی ایسا نہیں دیکھا جو اس سے بڑھ کر اپنے بھائی کے لیے خیر خواہ اور نفع رساں ہو۔

اس نے آپ کے خادم مزاحم کا ذکر نہیں کیا تو عمر نے فرمایا: کیا بات ہے، آپ نے مزاحم کا تذکرہ تو چھوڑ ہی دیا؟ وہ میرے نزدیک ان دونوں سے کچھ کم رتبہ نہیں رکھتا تھا۔ پھر دو یا تین مرتبہ فرمایا: مزاحم! اللہ تجھ پر رحم کرے! اللہ کی قسم! تو نے میرے بہت سے دنیوی امور بھی احسن طریق سے انجام دیے اور آخرت کے معاملے میں تو میرا بہترین وزیر و مددگار تھا۔

ایک آذر بائیجانی کی فریاد

آذر بائیجان سے ایک شخص آتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے شہر کے حاکم کی ان الفاظ میں شکایت کرتا ہے: حاکم نے مجھ پر زیادتی کی اور مجھ سے بارہ ہزار درہم لے لیے اور سرکاری خزانے میں جمع کر دیے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے سیکرٹری سے فرمایا: ابھی وہاں کے حاکم کو لکھ دو کہ وہ مال اسے لوٹا دیا جائے۔

آذر بائیجان کے شہر باکو کی فصیل شہر کا ایک منظر

تدوین حدیث کا کام

جب آپ کو علم کے بھلائے جانے کا ڈر ہوا تو آپ نے اصول علم کو راسخ کرنے کے لیے دفعتاً یہ قدم اٹھایا کہ تاکیدی حکم نافذ فرما دیا کہ لکھ کر علم کی حفاظت کی جائے اور اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے سرکاری سطح پر احادیث جمع کرنے کا کام کروایا۔ آپ سے پہلے صحابہ اور تابعین نے انفرادی طور پر احادیث کے مجموعے تیار کر کے رکھے تھے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ کو جمع کرنے کا حکم

آپ نے گورنر مدینہ ابوبکر ابن حزم کو لکھا تھا: احادیث نبویہ کو تلاش کر کے لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ ہی کو قبول کرو۔ لوگوں میں علم عام کر دینا چاہیے۔ ایسی مجالس قائم کرنی چاہییں جن میں علم سکھایا جائے تاکہ جاہل علم سے بہرہ اندوز ہوں۔

دنیوی علوم کا اہتمام

جیسے عمر بن عبدالعزیز نے دینی علوم کا اہتمام کیا تھا۔ اسی طرح دنیوی علوم کا بھی اہتمام کیا تھا۔ خصوصاً طب کا، جس کی لوگوں کو ہر وقت ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ایمان و بدن دونوں کی صحت ضروری ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے افلاس جہالت اور بیماری کے خلاف پوری قوت سے مختلف اسلامی ملکوں میں علم جہاد بلند فرمایا تھا۔

عبدالملک ابن ابجر کنانی ایک عیسائی عالم و ماہر طبیب تھا اور شہر اسکندریہ میں طب کا مضمون پڑھایا کرتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کو جوانی کے زمانے میں اس کے ساتھ رہنے اور علاج کرانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ابن ابجر پر عمر بن عبدالعزیز کا اثر پڑا اور وہ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

خلافت مل جانے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے ابن ابجر سے مدد لی اور اسلامی ممالک یعنی انطاکیہ اور حران وغیرہ میں علم طب کی نشر و اشاعت میں اس پر اعتماد کیا۔

اس طرح طب یونان کی صنعت اسلامی شہروں میں منتقل ہوئی اور اسکندریہ میں تو خوب پھلی پھولی اور پورے عروج پر رہی ۔ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے طب میں ماہر ایک بصری طبیب نے کتاب تصنیف کی اور اسے لوگوں میں پڑھایا جانے لگا۔

اسکندریہ کا تاریخی قلعہ جو ساحل سمندر پر واقع ہے

علماء اور مدرسین

عمر بن عبدالعزیز علماء کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور ہر جگہ کے علماء کی خیر خبر رکھتے تھے۔ آپ نے ان میں سے بہت سے علماء کو اسلام اور علم کی تبلیغ کے لیے مقرر فرما دیا تھا۔ جو علماء قرآن و حدیث کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے تھے، آپ نے بیت المال سے ان کے وظائف مقرر فرما دیے تھے۔ انہیں بھی وظائف ملتے تھے جو فقہ میں مشغول رہتے تھے۔

جنہوں نے خود کو مساجد کے لیے وقف کر دیا تھا، ہر ایک کو سو سو دینار مقررہ تاریخ پر بیت المال سے ملتے تھے۔

آپ نے حمص کے حاکم کو لکھا: قرآن و حدیث میں مشغول رہنے والے علماء کو غنی اور مالدار بنا دیا جائے تاکہ وہ ان پر مصروف رہیں اور انہیں چھوڑیں نہیں۔

طلبا کے لیے وظائف کا اجراء

عمر بن عبدالعزیز نے طلباء کے لیے بھی وظائف جاری کر دیے تھے اور جن اساتذہ کو تعلیم کے لیے مقرر فرمایا تھا، ان میں ایک یزید بن حبیب بھی تھے۔ آپ نے انہیں قاضی اور معلم مقرر کر کے مصر بھیج دیا تھا۔ دیہاتیوں میں فقہ پھیلانے کے لیے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن مجید اشعری کو مقرر فرمایا تھا اور دونوں کے وظیفے جاری کر دیے تھے۔

یزید نے تو اپنا عہدہ اور وظیفہ قبول کر لیا تھا، لیکن حارث نے دینی کام پر اجرت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا: یزید نے جو کچھ کیا ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور حق تعالیٰ شانہ ہمارے اندر حارث بن مجید جیسے لوگ بہت کر دے اور امت میں ان جیسوں کی فراوانی ہو جائے۔

ضحاک بن مزاحم نے آپ کے زمانے میں عوام کے لیے مفت تعلیم دینے کی ایک درس گاہ کھول رکھی تھی۔

فرمایا: تم جانتے ہو کہ اہل کوفہ نے جب اہل نہروان پر فوج کشی کی تو انہوں نے اپنے ہاتھ ظلم و جور سے روک لیے، نہ کسی امن پسند شخص کو ڈرایا دھمکایا، نہ کسی کا خون بہایا، نہ کسی کا مال لوٹا۔

عرض کیا، جی ہاں یہی ہوا۔

فرمایا: تمہیں یہ بھی معلوم ہے؟ کہ اہل بصرہ نے جب اہل نہروان پر عبداللہ بن وہب الراسبی کی قیادت میں فوج کشی کی تو انہوں نے لوگوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور خوب قتل کیا۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن خباب کے بھی درپے ہوئے۔ انہیں اور ان کی باندی کو قتل کر ڈالا۔ پھر عرب کے ایک قبیلہ پر شب خون مارا جو بنو قطیعہ کہلاتے تھے۔ انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، مردوں، عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔

عرض کیا: یہ بھی صحیح ہے، بے شک ایسا ہی ہوا۔

فرمایا: تو کیا اہل کوفہ نے اہل بصرہ سے اور اہل بصرہ نے اہل کوفہ سے برأت اور بے تعلقی اختیار کی تھی؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: تو کیا تم اپنی جماعت کے ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک سے بھی برأت کا اظہار کرتے ہو؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں دین ایک ہے یا دو ہیں۔

عرض کیا: ایک ہی ہے۔

فرمایا: تو کیا اس ایک دین میں جس چیز کی گنجائش میرے لیے نہیں، کیا تمہارے لیے اس کی گنجائش موجود ہے؟

تم جانتے ہو کہ اہل کوفہ نے جب اہل نہروان پر فوج کشی کی تو انہوں نے اپنے ہاتھ ظلم و جور سے روک لیے، نہ کسی امن پسند شخص کو ڈرایا دھمکایا، نہ کسی کا خون بہایا، نہ کسی کا مال لوٹا۔

حکام کے لیے جائز فراخی کے کھلے دروازے

عمر بن عبد العزیز نے اپنے حاکموں قاضیوں اور معلمین کے لیے فراخی کے دروازے کھول دیے تھے، مگر اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے تنگ کر دیے تھے۔ ایک دن ابن ابی زکریا نے آپ کے پاس آ کر باتیں کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ بولے! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ اپنے ہر گورنر کو تین سو دینار دیتے ہیں۔

فرمایا: ہاں! کہنے لگے: امیر المؤمنین! آپ مال کے زیادہ حقدار ہیں۔ عمر نے اپنے کرتے سے اپنا ہاتھ نکال کر فرمایا: ابن ابی زکریا! اس کی پرورش مال فے سے ہوئی ہے۔ اب میں اس کی طرف مال فے کا ایک پیسہ بھی نہیں لوٹاؤں گا۔

آپ کی نگاہ میں حاکم کی تنخواہ کی یہ انتہائی حد نہ تھی، بلکہ اس سے بہت زیادہ تنخواہیں بھی مقرر تھیں؛ حتیٰ کہ دس لاکھ سالانہ تنخواہ بھی دی گئی ہے۔

بچوں کو معلم و مؤدّب دونوں کی ضرورت ہے

عمر بن عبد العزیز نے جس طرح اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف توجہ دی، اسی طرح ان کی تربیت کی طرف بھی توجہ دی۔ علم میں مہارت اور استعداد پیدا کرنے کے بعد ان کے لیے ایک نیک مؤدّب مقرر فرمایا؛ تاکہ انہیں تربیت دے۔ مؤدّب کو آپ نے اپنی ذاتی رائے اور تجربات کی ہدایات سے بھی بہرہ ور فرمایا۔

جب آپ نے اپنے غلام سہل کو اپنی اولاد کی تربیت کے لیے مقرر فرمایا تو اس سے کہا: میں نے تم میں صلاحیت دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کی تربیت کے لیے منتخب کیا ہے اور اپنے دوسرے غلاموں اور خواص کو چھوڑ کر تم کو چنا ہے۔

طریقہ تعلیم

رہا طریقہ تعلیم تو اس کے بارے میں آپ نے فرمایا: بچے روزانہ قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھیں، صحیح صحیح مخارج ادا کریں، پھر دوسرے علوم سیکھیں۔

چھٹی ہو جانے کے بعد تیر کمان لے کر ننگے پاؤں ہدف پر نشانہ درست کریں اور روزانہ کم از کم سات تیر چلائیں۔ پھر دوپہر کو سونے کے لیے گھر آ جائیں تاکہ ستا لیں۔

آپ یہ ضروری خیال کرتے تھے کہ علم کو لکھ لیا جائے۔

تعلیم کا یہی بہترین طریقہ ہے اور اس طرح سے طالب دینی اور دنیوی علوم سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

معلمین کا انتخاب

عمر بن عبدالعزیز جب معلم کا انتخاب کرتے تو ایسے شخص کو مقرر کرتے جو بچوں کے دین اور اخلاق کو سنوارے اور ان میں سخاوت اور کثرت فیاضی کی صفات کو نکھارے۔ آپ کے نزدیک عربی اور عجمی معلم میں کوئی فرق نہ تھا، لیکن آپ عربی زبان کی خاطر ادب میں عربی معلم کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ وہ اہل زبان ہونے کی وجہ سے زبان کو بخوبی سمجھتا ہے۔

علمائے ربانی سے نصیحت کی درخواست

سالم افطس کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز سب سے زیادہ خوش پوشاک تھے۔ عمدہ سے عمدہ عطر استعمال کیا کرتے تھے۔ مگر جب خلافت آپ کے سپرد ہوئی تو گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگے۔ لوگوں نے کہا: خلافت کی خوشی میں روتے ہیں، پھر سر اٹھایا، آنکھیں صاف کیں اور دعا کی: اے اللہ! مجھے وہ عقل عطا کر جو مجھے نفع دے اور جس چیز کی طرف میں جانے والا ہوں اسے میری نظر میں اہم بنا دے اس چیز کی بہ نسبت جو مجھ سے زائل ہونے والی ہے۔ پھر گھر گئے، وہ کپڑے اتار دیے انہیں دھلوا کر ان کا عطر زائل کر دیا۔ حجام کو بلوا کر بال اتروائے اور کاغذ قلم لے کر اپنے ہاتھ سے یہ خط لکھا:

اللہ کے بندے عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے، حسن بصری، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور سالم بن عبداللہ بن عمر کے نام۔ السلام علیکم: میں آپ علماء وصلحاء کے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ امابعد! میں تمہیں اللہ کے خوف (تقویٰ) کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اس کے کہنے والے بہت ہیں اور کرنے والے کم ہیں۔ جب میرا یہ خط ملے مجھے کچھ نصیحت لکھ بھیجو، اور میری تعریف نہ کیجیے گا۔ والسلام۔

اس کے جواب میں حسن بصری رحمہ اللہ نے لکھا:

حسن بن ابی الحسن بصری کی طرف سے عمر بن عبدالعزیز کے نام۔ السلام علیکم! میں آپ کے سامنے اللہ پاک کی حمد کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ امابعد! دنیا خوف کا مقام ہے، یہاں آدم علیہ السلام کو بطور آزمائش بھیجا گیا تھا۔ جو شخص دنیا کی عزت کرے یہ اسے ذلیل کر دیتی ہے اور جو اس کی اہانت کرے اس کی عزت کرتی ہے۔ جو اس کی خاطر مال جمع کرے اسے فقیر کر دیتی ہے۔ ہر دن کوئی نہ کوئی اس کے ہاتھوں قتل ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے امیر المؤمنین! آپ اس کے لگائے

اے اللہ! مجھے وہ عقل عطا کر جو مجھے نفع دے اور جس چیز کی طرف میں جانے والا ہوں اسے میری نظر میں اہم بنا دے اس چیز کی بہ نسبت جو مجھ سے زائل ہونے والی ہے۔

ہوئے زخموں کا علاج کرنے والے بن جایئے اور دواء وعلاج کی سختی پر صبر کیجیے، کیونکہ آنے والے وقت میں طویل ترین مصائب کا خطرہ آپ کو لاحق ہے۔

مطرف بن عبداللہ اور سالم بن عبداللہ نے بڑے عمدہ خطوط لکھے۔ سالم بن عبداللہ بن عمر کے الفاظ پر ذرا غور کیجیے:

یہ دنیا ختم ہونے والی ہے جس طرح پہلے خلفاء وفات پا گئے آپ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اس لیے آخرت کی فکر کیجیے۔

اس طرح علمائے وقت نے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور انہیں بہترین مشوروں سے نوازا۔

علمی مشاورت کے لیے مجلس

انہوں نے دمشق کے بڑے بڑے علماء کو جمع کیا اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ رات کو عشاء کے بعد اکٹھے ہوا کریں؛ تاکہ کچھ مشورے اور گفتگو ہو جایا کرے، ہم کچھ نصیحتیں آپ سے حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ہم لوگ رات کو عشاء کے بعد مجلس قائم کیا کریں گے۔ علماء نے ایک ضابطہ اخلاق مرتب کیا کہ اس مجلس کے شرکاء کو تین چیزوں کی پابندی کرنا ہوگی۔

پہلی شرط: مجلس میں کسی شخص کی غیبت نہیں کی جائے گی۔

دوسری شرط: مجلس میں کوئی ایسی رپورٹ، یا شکایت پیش نہ ہوگی جس میں کسی مسلمان کی عزت نفس پر حرف آتا ہو یا مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو۔

تیسری شرط: مجلس میں ہنسی مذاق نہیں ہوگا۔ قہقہہ نہیں لگایا جائے گا۔ آخرت کا ذکر کثرت سے ہوگا۔

عمر بن عبدالعزیز کثرت سے اس مجلس میں شرکت فرماتے اور بسا اوقات شرکاء خوف الٰہی سے آنسو بہاتے، ان کے چہروں سے یوں اندازہ ہوتا تھا کہ گویا کسی جنازے سے اٹھ کر آئے ہیں۔

ایک گھڑ دوڑ کا واقعہ

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے علاقے کے تمام شہروں کے حکام کو لکھا تھا۔ گھڑ دوڑ کے لیے ہر شہر سے عمدہ گھوڑے بھیجے جائیں۔ لوگوں نے ملک کے گوشے گوشے سے نفیس گھوڑے بھیجے تاکہ وہ گھڑ دوڑ میں حصہ لیں۔ ہر شہر سے گھوڑے آئے لیکن گھوڑ دوڑ کے انعقاد سے پہلے سلیمان فوت ہو گئے۔

دمشق میں بمع گھوڑوں کے لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ عمر بن عبدالعزیز برسر اقتدار آئے تو آپ نے گھڑ دوڑ منسوخ کر دی اور اس کے لیے راضی نہیں ہوئے۔

لوگ امیر المؤمنین کو راضی کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشنے لگے۔ آپ سے کہنے لگے: امیر المؤمنین! لوگ بڑی تکلیفیں اٹھا کر دور دور سے اپنے اپنے گھوڑے لے کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں گھڑ دوڑ سے دشمنوں پر بھی رعب پڑتا ہے۔

لوگ آپ کو برابر اکساتے رہے۔ حتی کہ آپ نے گھڑ دوڑ کا حکم صادر فرما دیا۔ آپ نے جیتنے والوں کو انعام بھی دیا، انہیں نا امید نہیں فرمایا۔ آپ نے پیچھے رہنے والوں کو بھی انعام دیا۔ لیکن انہیں جیتنے والوں سے کم دیا۔ اس موقعہ پر بھی آپ نے گھڑ دوڑ کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا کہ بلا وجہ کوئی گھوڑا نہ دوڑایا جائے۔

گھڑ دوڑ پر پابندی

عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک بلا مقصد گھوڑوں کی ریس کروانا اچھی بات نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گھوڑوں کی دوڑ کے مقابلے کروانے سے منع فرماتے تھے۔ ہاں جنگی تربیت کے حوالے سے اسلام نے ہمیں تعلیمات دی ہیں کہ گھڑ سواری کی جائے۔ واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی کے مغربی جانب مناخہ کے مقام پر کئی کلومیٹر لمبی جگہ کو بازار اور گھڑ سواری کی جنگی تربیت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

قارئین کرام! عمر بن عبدالعزیز کا یہ عمل جوئے کے لیے گھوڑوں کی ریس لگوانے پر کاری ضرب تھی۔

نابیناؤں اور محتاجوں کی خدمت

عمر بن عبدالعزیز کی حکومت ایک فلاحی حکومت تھی۔ حکومت رعایا کے ہر شخص کی ذاتی ضروریات کا بھی خیال رکھتی تھی۔ فتوحات ہوئیں تو بے شمار قیدی غلام بن کر آئے۔ آپ نے انہیں اپاہجوں اور نابیناؤں کی خدمت پر مامور کر دیا۔ نابینا افراد کی دیکھ بھال کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان میں ہر شخص کو ایک غلام دیا جاتا تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسی طریقے سے ہر محتاج کا خیال رکھا جاتا تھا۔

خارجیوں سے مناظرہ

شوذب حروری (خارجیوں کے سردار) اور اس کی جماعت نے الجزیرہ کے علاقہ میں بغاوت کی تو عمر بن عبدالعزیز نے محمد بن زبیر حنظلی کو ان کے نام ایک خط دے کر ان کی طرف بھیجا۔

وہ فرماتے ہیں کہ ہم ان خارجیوں کے پاس گئے اور ان کو عمر بن عبدالعزیز کا پیغام اور مکتوب پہنچایا تو انہوں نے ہمارے ساتھ اپنے دو آدمی بھیج دیے، ایک کا تعلق بنوشیبان سے تھا اور دوسرے کا حبشہ سے۔ یہ مؤخر الذکر (جس کا نام عاصم تھا) قوت تقریر اور زور بیان کے لحاظ سے بڑا ہی دلیر اور جری تھا۔

ہم ان دونوں شخصوں کو لے کر عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت خناصرہ شہر کے ایک مکان کی اوپر والی منزل میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس آپ کے صاحبزادے عبدالملک اور غلام مزاحم بھی موجود تھے۔ ہم اوپر بالا خانے میں گئے اور ان دونوں کی آمد کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا: ان کی تلاشی لے لو، کہیں ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو، پھر انہیں یہاں لے آؤ۔

ہم نے ایسا ہی کیا، یہ دونوں مکان میں داخل ہوئے اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے مسلمانوں کی حکومت کے خلاف خروج یعنی بغاوت کیوں کی ہے؟ مطلب یہ تھا کہ تمہیں ہم پر کیا اعتراضات ہیں؟

عاصم گویا ہوا: اللہ کی قسم! ہمیں آپ کی سیرت پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ آپ ملک میں عدل و انصاف نافذ کرتے ہیں۔ البتہ ہمارے اور آپ کے درمیان صرف ایک امر باعث اختلاف ہے، اگر آپ اسے تسلیم کر لیں تو ہم آپ کے اور آپ ہمارے، لیکن اگر اسے تسلیم نہ کریں تو نہ آپ کو ہم سے اور نہ ہمیں آپ سے کوئی واسطہ ہوگا۔

عمر بن عبدالعزیز: کہیے وہ کیا ہے؟

عاصم: ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے خاندان کے طرز عمل کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے طریق کار کے خلاف چلتے ہیں اور ان کے طریقہ کو ''مظالم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنے خیال کے مطابق ہدایت پر ہیں اور وہ گمراہی پر تھے تو ان سے براءت یعنی لاتعلقی کا اعلان کیجیے اور ان پر لعنت بھیجیں۔ بس یہی ایک بات ہے جو ہمیں اور آپ کو جمع کر سکتی ہے، یا جدا کر سکتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: بلاشبہ تمہاری بات سے میں اتنا تو سمجھ گیا ہوں کہ تم لوگوں نے طلب دنیا کی خاطر بغاوت اختیار نہیں کی۔ تم لوگ آخرت ہی کے طالب ہو، مگر تم اس کے راستے سے بھٹک گئے ہو۔ اچھا! میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں، اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اپنے علم کے مطابق سچ سچ بتانا۔

عاصم: فرمائیے۔

فرمایا: یہ بتاؤ کہ کیا سیدنا ابوبکر و عمر تمہارے بزرگوں میں سے نہیں ہیں؟ کیا تم ان سے محبت نہیں

رکھتے اور ان کے حق میں نجات کی شہادت نہیں دیتے؟

عاصم: کیوں نہیں، یقینا دیتے ہیں۔

فرمایا: تم جانتے ہو؟ کہ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا، خونریزی کی۔ ان کے بیوی بچوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنایا؟

عاصم: بیشک ایسا ہی ہوا ہے۔

فرمایا: تم جانتے ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان تمام قیدیوں کو رہا کر کے ان کے قبیلوں میں بھیج دیا؟

عاصم: یہ بھی صحیح ہے۔

آپ نے فرمایا: پھر کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے اور عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے براءت کا اعلان کیا تھا؟

خوارج کی ایک خیالی تصویر

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: کیا تم ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی اپنی براءت کا اظہار کرتے ہو؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ کیا اہل نہروان تمہارے اسلاف نہیں؟ کیا تم ان سے محبت نہیں کرتے اور ان کے لیے نجات کی شہادت نہیں دیتے؟

عرض کیا: کیوں نہیں، ضرور کرتے ہیں۔

فرمایا: تم جانتے ہو کہ اہل کوفہ نے جب اہل نہروان پر فوج کشی کی تو انہوں نے اپنے ہاتھ ظلم و جور سے روک لیے، نہ کسی امن پسند شخص کو ڈرایا دھمکایا، نہ کسی کا خون بہایا، نہ کسی کا مال لوٹا۔

عرض کیا، جی ہاں یہی ہوا۔

فرمایا: تمہیں یہ بھی معلوم ہے؟ کہ اہل بصرہ نے جب اہل نہروان پر عبداللہ بن وہب الراسبی کی قیادت میں فوج کشی کی تو انہوں نے لوگوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور خوب قتل کیا۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن خباب کے بھی درپے ہوئے۔ انہیں اور ان کی باندی کو قتل کر ڈالا۔ پھر عرب کے ایک قبیلہ پر شب خون مارا جو بنو قطیعہ کہلاتے تھے۔ انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا، مردوں، عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔

عرض کیا: یہ بھی صحیح ہے، بے شک ایسا ہی ہوا۔

فرمایا: تو کیا اہل کوفہ نے اہل بصرہ سے اور اہل بصرہ نے اہل کوفہ سے برأت اور بے تعلقی اختیار کی تھی؟

تم جانتے ہو کہ اہل کوفہ نے جب اہل نہروان پر فوج کشی کی تو انہوں نے اپنے ہاتھ ظلم و جور سے روک لیے، نہ کسی امن پسند شخص کو ڈرایا دھمکایا، نہ کسی کا خون بہایا، نہ کسی کا مال لوٹا۔

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: تو کیا تم اپنی جماعت کے ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک سے بھی برأت کا اظہار کرتے ہو؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں دین ایک ہے یا دو ہیں۔

عرض کیا: ایک ہی ہے۔

فرمایا: تو کیا اس ایک دین میں جس چیز کی گنجائش میرے لیے نہیں، کیا تمہارے لیے اس کی گنجائش موجود ہے؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: پھر آخر اس کی گنجائش کیسے نکل آئی کہ تم ابوبکر و عمر دونوں سے محبت رکھو اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ اس کے باوجود کہ ان کی روش اور طرز عمل میں کلی اختلاف رہا ہے اور اس کی گنجائش کہاں سے نکل آئی کہ اہل بصرہ اہل کوفہ سے اور اہل کوفہ اہل بصرہ سے محبت رکھیں۔ جب کہ ان کے طرز عمل میں شدید اختلاف رہا ہے۔ خود تمہارے لیے یہ گنجائش کیسے پیدا ہو گئی کہ تم ان دونوں فریقوں اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے محبت رکھو، جب کہ ان کے طریق کار میں جان، مال اور عورتوں کی عصمت جیسے عظیم الشان امور کے بارے میں اختلاف بلکہ تضاد رہا ہے۔

تمہارے خیال میں میرے لیے اپنے خاندان پر لعنت کرنے اور ان سے براءت کا اعلان کرنے کے سوا کوئی گنجائش اور چارہ کار ہی نہ ہو۔

اگر گناہگاروں پر لعنت کرنا ایسا ہی فریضہ ہے کہ اس کے سوا نجات کی کوئی صورت ہی نہیں تو خارجیوں کے نمائندے تم ہی بتاؤ کہ تم نے فرعون اور ہامان پر لعنت کب اور کتنے دن ہوئے بھیجی تھی؟

وہ کہنے لگا: مجھے یاد نہیں میں نے کب ان پر لعنت بھیجی، یا نہیں بھیجی۔

فرمایا: بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہارے پاس فرعون پر بھی لعنت نہ بھیجنے کی گنجائش ہو، مگر تمہارے خیال میں میرے لیے اس کے سوا کسی بات کی گنجائش نہ ہو کہ میں اپنے اسلاف پر لعنت بھیجوں اور ان سے براءت کا اعلان کروں۔

بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ تم نادان لوگ ہو۔ تم نے ایک عظیم مقصد کا قصد ضرور کیا، لیکن تم اس کے راستے سے بھٹک گئے۔

آج تم لوگوں سے ان چیزوں کو قبول کرتے ہو جنہیں رسول اللہ ﷺ رد فرمایا کرتے تھے اور ان باتوں کو رد کرتے ہو جنہیں رسول اللہ ﷺ قبول فرمایا کرتے تھے۔

تمہارے یہاں وہ لوگ امن میں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہاں مامون نہیں تھے اور تم ان لوگوں کے لیے خطرہ پیدا کرتے ہو جنہیں رسول اللہ ﷺ امن دیا کرتے تھے۔

انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، ہم ایسے نہیں ہیں۔

فرمایا: کیوں نہیں؟ دیکھو! تم ابھی اس کا اقرار کر رہے ہو، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا، جب کہ وہ بت پرست تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دعوت دی کہ وہ بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں۔

جو شخص یہ اقرار کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا، اس کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی تھی۔ وہ آپ ﷺ کے ہاں امن و امان میں آ جاتا اور اس کے حقوق تمام مسلمانوں کے برابر ہوتے تھے، لیکن جو شخص اس سے انکار کرتا، آپ ﷺ اس سے جہاد کرتے، پھر اس کی جان محفوظ ہوتی نہ مال محفوظ رہتا۔

عرض کیا: جی ہاں! یہی ہوتا تھا۔

فرمایا: کیا آج تمہاری حالت یہ نہیں کہ جو لوگ بت پرستی چھوڑ کر توحید و رسالت کا اقرار کر چکے ہیں اور مسلمان ہیں تم ان سے تو براءت اور لاتعلقی کا اعلان کرتے ہو۔ ان پر لعنت بھیجتے ہو، انہیں قتل کرتے ہو۔ ان کی جان و مال کو حلال سمجھتے ہو اور یہود و نصاریٰ وغیرہ دنیا کی غیر مسلم اور منکر اسلام قوموں سے تم ملتے ہو تو ان کی جان و مال کا احترام اور حفاظت کرتے ہو اور وہ تمہارے یہاں امن و سلامتی کے ساتھ رہتا ہے۔

یہ سن کر حبشی عاصم نے کہا: میں نے آج تک آپ کے دلائل سے زیادہ واضح اور وزنی دلائل کبھی نہیں سنے، لیجیے! میں تو گواہی دیتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں اور میں ان تمام لوگوں سے بری اور بے تعلق ہوتا ہوں جو آپ کے مخالفین ہیں۔

میں نے آج تک آپ کے دلائل سے زیادہ واضح اور وزنی دلائل کبھی نہیں سنے، لیجیے! میں تو گواہی دیتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں اور میں ان تمام لوگوں سے بری اور بے تعلق ہوتا ہوں جو آپ کے مخالفین ہیں۔

آپ نے شیبانی سے فرمایا: اور تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: آپ نے بڑی اچھی باتیں کہی ہیں اور

بہت عمدہ دلائل دیے ہیں، مگر میں جب تک مسلمانوں (خارجیوں) سے مشورہ نہ کرلوں اور ان کے جوابات نہ سن لوں، اس وقت تک ان کے معاملے میں کوئی رائے دینا پسند نہیں کرتا۔ فرمایا: ''پھر تم جانو اور تمہارا کام۔''

آپ نے حبشی کو جو تائب ہوگیا تھا، وظیفہ دینے کا حکم فرمایا۔ وہ پندرہ دن آپ کے پاس رہا، پھر اس کا انتقال ہوگیا اور شیبانی اپنی قوم میں واپس چلا گیا اور ان ہی کے ساتھ قتل ہوا۔

خارجیوں کا ایک اور فرقہ

جو ''الشراۃ'' کے لقب سے ملقب تھا۔ یہ لوگ سجستان، ہرات اور خراسان کے گوشوں میں رہتے تھے اور امت محمدیہ کو کافر کہتے تھے۔ یہ فرقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیزار ومتنفر تھا، مگر سیدنا ابوبکر وعمر کا مداح تھا۔

یہ لوگ بدزبان تھے اور محارم کو حلال سمجھتے تھے۔ بعض قرآن پاک کی آیتوں سے استدلال کیا کرتے تھے۔ سنت کے بالکل قائل نہ تھے۔ اس کے باوجود بڑے بہادر تھے۔ ان کی عورتیں بھی بے مثال جیالی ہوتی تھیں۔ عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوکر مردوں کی طرح جنگ کیا کرتی تھیں۔

غیلان کو عمر بن عبدالعزیز کے پاس لایا گیا۔ اس نے عمر سے مناظرہ کیا۔ عمر نے اس پر حجت قائم کردی۔ بولا: امیر المؤمنین! میں آپ کے پاس گمراہ ہوکر آیا۔ آپ نے مجھے صحیح راہ سمجھادی۔ میں اندھا تھا آپ نے روشنی عطا فرمادی۔ میں جاہل تھا آپ نے مجھے عالم بنادیا۔ اللہ کی قسم! میں آئندہ کبھی تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو نہ کروں گا۔

عمر بن عبدالعزیز نے غیلان کی خباثت بھانپ لی، اس لیے آپ نے اسے ڈرایا اور دھمکایا اور کہا۔ اللہ کی قسم! اگر اب مجھے خبر ملی کہ تو نے تقدیر کے مسئلہ میں زبان کھولی ہے تو میں تجھے قرار واقعی سزا دوں گا۔ عمر بن عبدالعزیز کی وفات تک غیلان خاموش رہا، پھر جب آپ فوت ہوگئے تو غیلان پھر اسی طرح مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے لگا۔

نواح موصل میں خارجیوں کا فتنہ

نواح موصل میں خارجہ حروریہ نے فتنہ برپا کر رکھا تھا اور راستے پر خطر بنا دیے تھے اور خوں ریزی عام کر رکھی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان لوگوں کو ڈاک کے گھوڑوں پر سوار کر کے بلوایا اور فرمایا: تم مجھ سے مناظرہ کرو۔ یہ دونوں جو بھی حجت پیش کرتے، عمر اسے توڑ ڈالتے تھے۔

ان لوگوں نے درخواست کی: ہم سیاحت پر جا رہے ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ راستے پر خطر نہیں بنائیں گے اور کسی کا خون نہیں بہائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم لڑائی کو دعوت دیں گے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نکل گیا اور اس نے پھر وہی قتل و لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ عمر نے کوفیوں کے ایک دستہ کو سعید جوشی کی سرکردگی میں اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا اس دستہ نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔

روایت حدیث میں آپ کا درجہ

آپ اپنے ماموں عبداللہ بن عمر سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے، سہل بن سعد سے، اپنے والد عبدالعزیز بن مروان سے، ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے، ابوبکر بن عبدالرحمن سے، عمر بن ابی سلمہ سے، سائب بن یزید سے، یوسف بن عبداللہ بن سلام سے، عبادہ بن صامت سے، تمیم داری سے، مغیرہ بن شعبہ سے، عقبہ بن مالک سے، ام ہانی سے، خولہ بنت حکیم سے سے روایت کرتے ہیں۔ پھر سعید بن المسیب سے، عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ سے، عروہ بن زبیر سے، عامر بن سعد بن ابی وقاص سے، ابو بردہ سے، عراک بن مالک سے، ابن شہاب زہری سے، محمد بن کعب سے اور عطور حبشی سے اور دیگر بہت سے لوگوں سے احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ سیدنا انس بن مالک نے آپ کی امامت میں نماز پڑھی اور کہا: میں نے اس نوجوان سے زیادہ کسی کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہ نہیں دیکھی۔

امن وامان کی صورت حال

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے خاندان کے لوگوں کو ریاست کا مطیع وفرمانبردار کرنے کے بعد ملک کے داخلی مسائل پر توجہ دی۔ اسلامی حکومت کوئی چھوٹی نہ تھی۔ یہ فرانس سے لے کر چین تک پھیلی ہوئی تھی۔ امن وامان پر پوری توجہ دی گئی۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کی گئی۔ جو سرکش تھے ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس طرح اصلاحات کی گئیں کہ ملک میں غربت اور افلاس ختم ہو کر رہ گیا۔ فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے کاموں پر مکمل پابندی عائد کردی گئی۔ امن وامان کی صورت حال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے دور میں بکری اور بھیڑیا ایک جگہ پانی پیتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کی ذہانت وفراست

عمر بن عبدالعزیز نے ولید بن ہشام المعیطی کو قنسرین کا امیر لشکر اور فرات بن مسلم کو وہاں کا امیر خراج مقرر کیا۔ ان دونوں کے درمیان اَن بن ہوگئی، ولید بن ہشام نے اس قصہ کو یہاں تک پہنچادیا کہ قنسرین کے چار معمر افراد کو تیار کیا کہ وہ فرات کے خلاف یہ شہادت دیں کہ وہ نماز نہیں پڑھتا۔ صحت واقامت کی حالت میں بھی رمضان کے روزے نہیں رکھتا۔ غسل جنابت تک نہیں کرتا اور
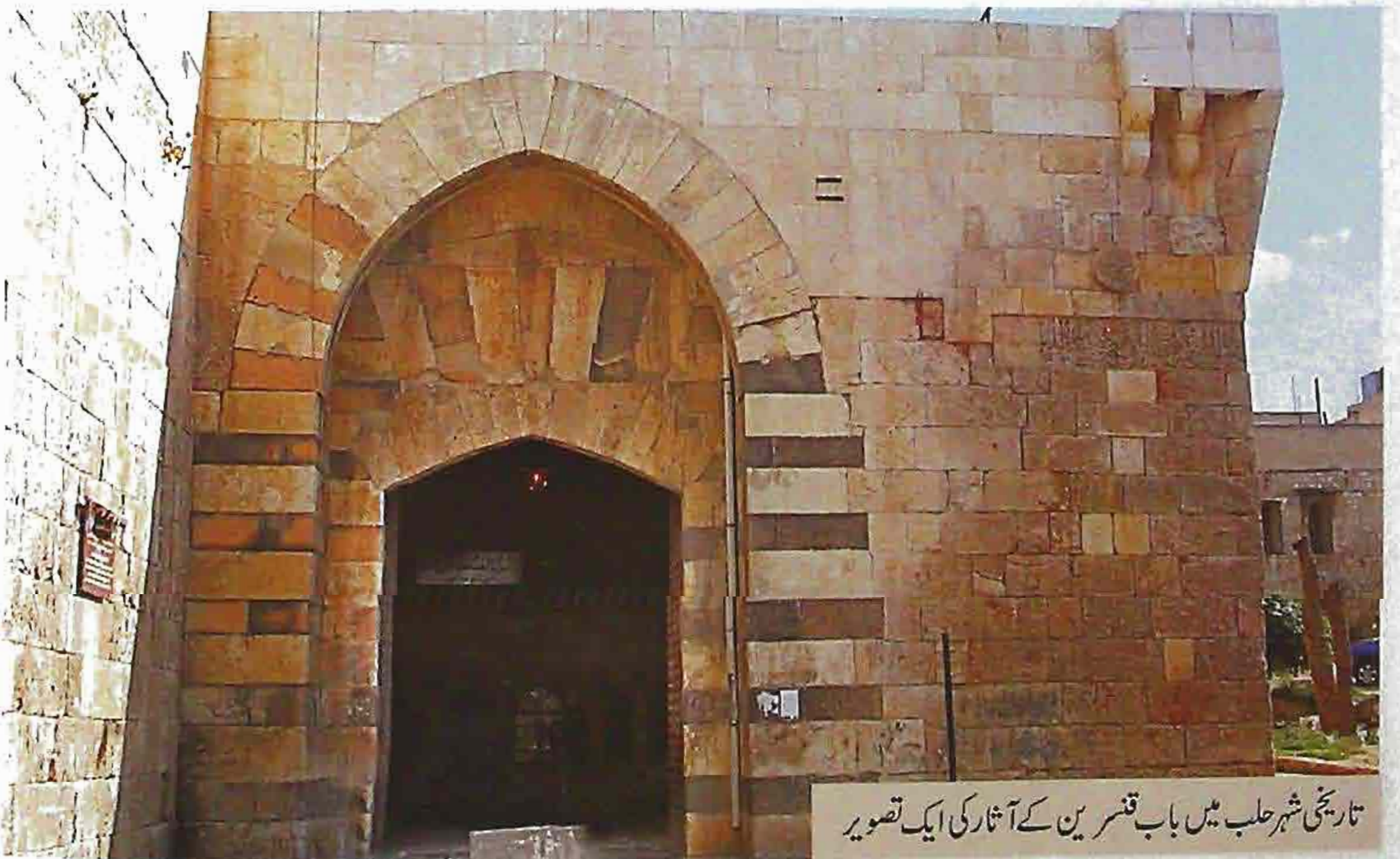
تاریخی شہر حلب میں باب قنسرین کے آثار کی ایک تصویر

ماہواری کی حالت میں بیوی کے پاس جاتا ہے۔ یہ لوگ جن کی داڑھیاں مہندی سے رنگین تھیں، جناب عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے اور یہ گواہی دی۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: یہ تو خیر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس نے نماز نہیں پڑھی۔ اللہ جانے جان بوجھ کر یا سہو و نسیان کی وجہ سے۔ یہ بھی تم نے دیکھا ہوگا کہ بظاہر اسے کوئی مرض نہیں تھا اس کے باوجود اس نے رمضان میں روزہ نہیں رکھا، لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ جنابت کا غسل نہیں کرتا اور خاص حالت میں بیوی کے پاس جاتا ہے؟ واللہ! یہ گالی کسی کو نہیں دی جا سکتی، بالخصوص فرات جیسے پاک دامن اور امانت دار شخص کو تو ہرگز ایسا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ اے غلام! ان بدکردار بڈھوں کو پولیس افسر کے حوالے کرو اور اس سے کہو کہ ہر ایک کی چوٹی پر بیس کوڑے لگائے اور بتقاضائے عمر ذرا نرم ضربیں لگائیں اور ان کو وہی ذلت و رسوائی کافی ہے جس کی طرف یہ لوٹ کر جانے والے ہیں، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ان کے جرم معاف نہ کر دے۔

بعد ازاں ان سے ضمانتیں لیں کہ فرات ہی خود آ کر ان سے اپنا حق وصول کریں یا انہیں معاف کر دیں اور معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ عزوجل کے ہاں قرب کا ذریعہ ہے۔ پھر آپ نے ولید اور فرات کے درمیان صلح صفائی کرا دی۔

آئندہ سال ولید، قنسرین کے چند سربرآوردہ نبطیوں کی معیت میں آیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرات کو لکھا کہ وہ بھی آئیں، وہ آئے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ عمر کے تخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جائیں۔ اتنے میں نبطی داخل ہوئے۔ عمر نے ان سے فرمایا: تمہارے امیر (فرات) کے میرے یہاں آنے کے لیے تم لوگوں نے انہیں زادِ سفر کے طور پر کیا کچھ مہیا کیا تھا؟ وہ بولے: امیر المومنین! کیا واقعی وہ آئے ہیں؟ فرمایا: تمہیں اس کا علم نہیں! عرض کیا: نہیں، واللہ! امیر المومنین! ہمیں کچھ خبر نہیں۔

اب عمر بن عبدالعزیز نے ولید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ولید ایک شخص قنسرین کی سرزمین کا بادشاہ ہے۔ وہ اپنے زیر سلطنت علاقے سے اور اپنی زیر حکومت زمین سے چل کر مجھ تک پہنچتا ہے، مگر کسی کو کانوں کان اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ وہ نہ کسی کو ''ہٹو بچو'' کہتا ہے، نہ کسی کو ڈراتا دھمکاتا

ہے۔ کیا مناسب نہیں ہوگا کہ اسے تواضع کا خوگر اور پاک دامن باور کیا جائے؟

ولید نے کہا: امیر المؤمنین! وہ واقعتاً عفیف ہیں اور میری جانب سے ان پر ظلم و تعدی ہوئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

جناب عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اعتراف خطا بڑی اچھی بات ہے، اور اصرار کے مقابلے میں اعتراف کی فضیلت بالکل واضح ہے۔ آپ نے ان دونوں کو اپنے اپنے عہدوں پر واپس کر دیا۔

تقویٰ اور پرہیز گاری

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت میں فقراء و مساکین کے لیے ایک گھر بنوایا جس میں چوبیس گھنٹے کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوتی تھیں۔ اس گھر میں ان کے اپنے گھر کے افراد کو بھی کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے کہ گھر کے افراد فقراء نہیں تھے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ان کا ایک غلام ہاتھوں میں دودھ کا کٹورا پکڑے ہوئے جا رہا ہے۔ اس کو آواز دے کر روکا اور اس سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ کہنے لگا: یہ دودھ آپ کی زوجہ محترمہ کے لیے لے جا رہا ہوں۔ دراصل عمر بن عبد العزیز کی زوجہ امید سے تھیں اور انہیں دودھ کی خواہش اور ضرورت بھی تھی۔ عورت کے لیے ایسی حالت میں دودھ کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اب اگلا سوال ہوا کہ یہ دودھ کہاں سے لے کر آ رہے ہو؟ غلام نے جواب دیا کہ فقراء و مساکین کے گھر سے لے کر آ رہا ہوں۔

عمر بن عبد العزیز اپنے گھر جاتے ہیں۔ اہلیہ

میری بچیو! صبر کرو، انسان کو جنت مشقت اور صبر کرنے سے ہی ملتی ہے۔

سے پوچھا: کیا تم نے غلام کو حکم دیا تھا کہ فقراء اور مساکین کے گھر سے دودھ لے کر آؤ؟ کہنے لگی: میں نے تو اسے نہیں کہا وہ اپنے طور پر ہی لینے چلا گیا ہے؛ تاہم مجھے دودھ کی خواہش اور ضرورت ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے: اگر پیدا ہونے والے مولود نے فقراء اور مساکین کے حصہ میں سے غذا لینی ہے تو مجھے ایسے مولود کی ضرورت نہیں۔

حکم دیا کہ اس دودھ کو جہاں سے لایا گیا ہے وہیں واپس بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ امیر المؤمنین کی اہلیہ نے دودھ کو مساکین کے گھر میں واپس بھجوا دیا۔

(عیدالاضحیٰ کی آمد قریب تھی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی بیٹیوں کے پاس عید پر پہننے کے لیے نئے کپڑے دستیاب نہ تھے۔ عید سے ایک دن پہلے عرفات کا دن تھا۔ بیٹیوں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! کل عید کا دن ہے۔ بنوامیہ کی تمام عورتیں عید کے موقع پر نئے کپڑے پہنیں گی، مگر ہمارے پاس پرانے ہی کپڑے ہیں۔ عید کے روز تمام عورتیں ہماری طرف دیکھیں گی کہ ہم نے کس قسم کے کپڑے پہن رکھے ہیں کیونکہ ہم خلیفہ کی بیٹیاں ہیں۔ ابا جان! کیا آپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں کہ آپ ہمارے لیے کپڑے خرید سکیں۔

عمر بن عبدالعزیز کا دل بھر آیا۔ آپ بیت المال کے ذمہ دار کے پاس تشریف لے گئے۔ اس سے کہا: کیا میری تنخواہ میں سے آپ کے پاس کوئی چیز باقی ہے؟ اس نے کہا: نہیں جناب! تنخواہ میں سے کوئی چیز باقی نہیں۔ کہنے لگے: پھر مجھے ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس میں دے دو۔ بیت المال کا نگران بھی اللہ والا تھا۔ اس نے عرض کی: امیر المؤمنین! اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ اگلے ایک ماہ تک زندہ رہیں گے۔ آپ نے جواب دیا: لا واللہ! نہیں بھئی تم ایک ماہ کی بات کرتے ہو، یہاں تو ایک پل کا بھروسہ نہیں، پھر اس وزیر مالیات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: تم نے مجھے بہت خوبصورت نصیحت

کی ہے۔

اپنی بیٹیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا بیٹیاں والد کے انتظار میں ہیں کہ خوبصورت لباس لائیں گے۔ بیٹیوں کو دیکھا اور ان سے فرمایا: میری بچیو! صبر کرو، انسان کو جنت مشقت اور صبر کرنے سے ہی ملتی ہے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں ملک اُردن سے دو ٹوکری پکی ہوئی تازہ کھجور آئی۔

آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

لوگوں نے بتایا: یہ رطب (تازہ کھجور) ہے جو اُردن کے گورنر نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: یہ کس چیز پر رکھ کر لائی گئی ہے؟

بتایا گیا: ڈاک کے لیے استعمال کی جانے والی سواریوں پر۔

عمر بن عبدالعزیز: ڈاک کی سواریوں کو استعمال کرنے کا میں دیگر مسلمانوں سے زیادہ حقدار نہیں۔ تم کھجور کی ان دونوں ٹوکریوں کو لے جا کر بیچ ڈالو اور ان کی قیمت ڈاک کے لیے استعمال کیے جانے والے جانوروں کے چارے پر خرچ کرو۔

اس وقت عمر بن عبدالعزیز کا بھتیجا حاضر تھا، اس نے نزدیک کھڑے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور اس سے کہا: جاؤ جب ان دونوں ٹوکریوں کی قیمت لگ جائے تو انھیں خرید لو اور میرے پاس لاؤ۔ جب

دونوں ٹوکریاں بازار بیچنے کے لیے لے جائی گئیں تو ان کی قیمت چودہ درہم متعین ہوئی۔ اس آدمی نے چودہ درہم میں کھجور کی یہ دونوں ٹوکریاں خرید لیں اور انھیں عمر بن عبدالعزیز کے بھتیجے کی خدمت میں حاضر کیا۔

بھتیجے نے کہا: ایک ٹوکری امیر المؤمنین کی خدمت میں لے جاؤ اور ایک میرے لیے رکھ چھوڑو۔

چنانچہ اس آدمی نے کھجور کی ایک ٹوکری حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

جواب دیا: کھجور کی دونوں ٹوکریاں آپ کے بھتیجے نے خرید لیں، پھر ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں بھیجی اور دوسری اپنے لیے رکھ لی۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

(اَلْآنَ طَابَ لِي أَكْلُهُ) ''اب میرے لیے اس کا کھانا جائز ہوا۔''

حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ جو کی روٹی روغن زیتون کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ بعض اوقات منقی (خشک انگور) کی ایک مٹھی ہی سے ناشتہ فرما لیا کرتے اور بچوں سے کہتے:

(هٰذَا خَيْرٌ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ) ''یہ فقر و فاقہ اور سادہ غذا جہنم کی آگ سے کہیں بہتر ہے۔''

رعایا کی مشکلات کا ازالہ

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ مصر کے شہر جیزہ میں ذو اصبح کی آزاد کردہ کالے رنگ کی فرتونہ نامی لونڈی رہتی تھی جو بڑی غریب اور محتاج تھی۔ اس نے امیر المؤمنین کے نام خط لکھوایا کہ میرے گھر کی دیوار بہت چھوٹی ہے۔ گزشتہ دنوں چور آئے، دیوار پھاند کر میرے گھر میں داخل ہوئے اور میری مرغیاں چرا کر لے گئے۔ آپ بتائیں میں کیا کروں میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے جس سے میں دیوار بنوا سکوں۔ امیر المؤمنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ رعایا کی شکایات کو بیوروکریسی پر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ مملکت کے طول و عرض سے آنے والی ڈاک کا بنفس نفیس مطالعہ

کرتے تھے۔ جب امیر المؤمنین نے فرتونہ کا خط پڑھا تو بلا تاخیر اس کا جواب دیا۔ آپ نے لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے بندے امیر المؤمنین کی طرف سے فرتونہ کے نام، اما بعد، میں نے تمہارا خط پڑھا اور تمہاری شکایت کا نوٹس لیا کہ تمہارے گھر کی چھوٹی دیوار کو پھاند کر چور گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ میں نے گورنر مصر ایوب بن شرحبیل کو خط لکھ دیا ہے کہ وہ فوری طور پر تمہاری دیوار اونچی کروائے اور ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی جائے۔

جیسے ہی میرا خط ملے فوراً فرتونہ کے گھر جاؤ اور اس کے گھر کی نئی دیوار اپنی نگرانی میں بنواؤ۔ دیکھو کسی اور شخص کی ڈیوٹی نہیں لگانی کہ وہ چلا جائے بلکہ تمہیں خود جانا ہے۔

گورنر مصر کی جانب آپ نے لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، امیر المؤمنین کی طرف سے ایوب بن شرحبیل کے نام، اما بعد، فرتونہ مولاۃ ذی اصبح نے میری طرف خط لکھا ہے جس میں اس نے اپنے گھر کی دیوار چھوٹی ہونے کا شکوہ کیا ہے اور اس کے گھر کا سامان اس چھوٹی دیوار کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ آپ کو جیسے ہی میرا خط ملے فوراً فرتونہ کے گھر جاؤ اور اس کے گھر کی نئی دیوار اپنی نگرانی میں بنواؤ۔ دیکھو کسی اور شخص کی ڈیوٹی نہیں لگانی کہ وہ چلا جائے بلکہ تمہیں خود جانا ہے۔

گورنر مصر ایوب بن شرحبیل مصر سے روانہ ہو کر جیزہ پہنچتا ہے۔ وہاں جا کر لوگوں سے پوچھتا ہے کہ یہاں فرتونہ نامی کی ایک غریب عورت رہتی ہے مجھے اس کا گھر بتاؤ۔ جب گھر بتایا جاتا ہے تو گورنر اس فقیر عورت کے گھر جاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ امیر المؤمنین نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تمہاری دیوار اپنی نگرانی میں بنواؤں۔ چنانچہ گورنر دیوار بننے تک وہیں رہتا ہے اور تعمیر مکمل ہوتی ہے تو واپس جاتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز راتوں کو جاگنے والے کثرت سے عبادت کرنے والے تھے۔ایک رات مصلے پر کھڑے ہوئے۔سورۃ القارعہ کی تلاوت کر رہے ہیں:

{ الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ. يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ}

ان آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔ان کے معانی اور مطالب پر غور کیا تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ امیر المؤمنین بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔چہرے پر پانی چھینٹے بہائے گئے۔ہوش آیا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے، پھر گھر کے صحن میں چل رہے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہیں: ہائے! ان لوگوں کی بربادی جو قیامت کے دن بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ہائے! ان لوگوں کی بربادی جو قیامت کے دن بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔

بیٹے کی عمدہ تربیت

عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہوا کہ ان کے ایک بیٹے نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے جس میں نگینہ کی قیمت ہزار درہم ہے۔انہوں نے اسی وقت اپنے بیٹے کو خط لکھا کہ جیسے ہی تمہیں میرا خط ملے فوراً اس انگوٹھی کو فروخت کر دو اور جو پیسے ملیں اس سے ایک ہزار فقیروں کو کھانا کھلا دو۔فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا تمہارے لیے باعث برکت ہو گا۔

پھر ایسا کرنا کہ لوہے کی انگوٹھی خریدنا اور اس پر لکھوانا۔

(رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا عَرَفَ قَدْرَ نَفْسِهِ)

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنی قدر و قیمت پہچان لیتا ہے۔''

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کس طرح اپنے بیٹے کی تربیت کی۔

فقراء و محتاجین کا غم

عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ سیدہ فاطمہ بنت عبدالملک کہتی ہیں: میں نے ایک مرتبہ امیر المؤمنین کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ اپنے رخسار پر رکھے رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین کیوں رو رہے ہیں؟ جواب میں فرمایا: مجھے امت مسلمہ کی سربراہی سونپ دی گئی ہے، مگر میں نے لوگوں کے احوال پر غور کیا:

(فَتَفَكَّرْتُ فِي الْفَقِيرِ الْجَائِعِ، وَالْمَرِيضِ الضَّائِعِ، وَالْعَارِي الْمَجْهُودِ، وَالْمَظْلُومِ الْمَقْهُورِ، وَالْغَرِيبِ الْمَأْسُورِ، وَالْكَبِيرِ، وَذِي الْعِيَالِ فِي أَقْطَارِ الأَرْضِ)

”میں نے زمین کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے بھوکے غریبوں، لاچار مریضوں، کپڑوں سے محروم مزدوروں، بے بس مظلوموں، غریب الدیار قیدیوں، عمر رسیدہ افراد اور بال بچوں والے لوگوں کے متعلق سوچا کہ ان سب کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے پوچھا جائے گا۔ ان سب کا مقدمہ اللہ کی بارگاہ میں محمد رسول اللہ ﷺ پیش کر رہے ہوں گے تو میں اس وقت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں خود پر ترس کھا کر رو رہا ہوں۔“

اموال زکاۃ کی فراوانی

جب مالداروں نے دیکھا کہ آپ مال زکاۃ کو نہایت دیانت داری اور ذمہ داری سے مستحقین تک پہنچاتے ہیں تو مالدار اپنے مال کی زکاۃ وصدقات ادا کرنے میں پیشقدمی کرنے لگے۔ وہ اپنے مالوں میں سے بہت سارا مال لائے؛ تاکہ اسے حکام جہاں مناسب سمجھیں فقراء میں بانٹ دیں اور صدقہ فطر کے ادا کرنے میں بھی لوگ پیش قدمی کرنے لگے۔

جب سے مالدار اس زکاۃ کو لائے اسی وقت سے یہ زکاۃ بلاتاخیر مستحق فقراء پر صرف کی جانے لگی۔ اس زکاۃ سے کیا فائدہ جو وقت پر ناداروں کے ہاتھ میں نہ پہنچے تاکہ وہ اپنی حاجات پوری کر لیں۔

اگر مختلف علاقوں کے حکام کو زکاۃ کا پیسہ تقسیم کرنے کے لیے منتظم بنایا جاتا تو انہیں اس میں تاخیر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر وہ تاخیر کرتے تو عمر بن عبدالعزیز فوراً انہیں حکم فرماتے کہ فی الفور زکاۃ کی رقم بانٹ دی جائے۔ ایک حاکم کے پاس عیدالفطر کے موقع پر ایک آدمی بہت سی زکاۃ لایا اور اس نے عمر بن عبدالعزیز سے مشورہ کے لیے اسے روک لیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا: اللہ کی قسم! لوگوں نے مجھے اور تمہیں اپنے گمان کے مطابق نہیں پایا۔ آج تک تم نے اسے کیوں روک کر رکھا؟ میرا خط دیکھتے ہی فوراً اسے بانٹ دو۔

زکاۃ الفطر

صدقہ فطر کی وصولیابی کا حکم

عمر بن عبدالعزیز نے حکام کو لکھا تھا کہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے اپنے علاقہ کے لوگوں سے صدقہ فطر وصول کرو۔ یہ صدقہ نہ آزاد سے معاف کیا جائے نہ غلام سے، نہ چھوٹے سے نہ بڑے سے، نہ مرد سے اور نہ عورت سے۔ ہر شخص سے گیہوں کا آدھا صاع اور کھجوروں کا ایک صاع وصول کیا جائے یا اس کی قیمت آدھا درہم وصول کی جائے۔ کیونکہ آپ کے زمانے میں چیزیں سستی تھیں۔ صدقہ فطر لوگوں کی طرف سے اور ان کے کارندوں کی طرف سے وصول کیا جائے۔

مالداروں کے ہر قبیلے سے دو امین شخص چنے جاتے تھے جن کو حاکم چنتا تھا۔ وہ جمع کی ہوئی زکاۃ اپنی تحویل میں لے کر اسے شہر لے جا کر مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دیہاتی عام طور پر اس سے بے نیاز تھے اور ان میں افلاس نہیں پایا جاتا تھا جیسے کثیر آبادی والے شہروں میں افلاس پایا جاتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ہر شخص خوشحال تھا

بسا اوقات صدقے کی وصولی پر متعین شخص شہروں اور قصبوں کے قبائل کے پاس جاتا اور ان کے مالداروں سے صدقہ وصول کرتا۔ وہ اسی وقت ان کے فقراء کو جمع کر کے اسے تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چونکہ زکاۃ وصول کرنے میں اور اسے فی الفور بانٹنے میں اس کی بہترین نگرانی میں سخت دوڑ دھوپ کی جاتی تھی۔ اس لیے ہر شخص مالدار اور خوش حال نظر آتا تھا۔ بلکہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں زکاۃ کی پہلی تقسیم ہی سے بہت سے لوگ خوشحال ہو گئے تھے۔ خوش حال ہو جانے کے بعد انہیں زکاۃ نہیں دی جاتی تھی۔ ایک فقیر کو ایک کا یا دو تین اشخاص کا صدقہ مل جایا کرتا تھا۔ وہ فقیر اپنی جگہ چھوڑنے کے بعد فقیر نہ رہتا تھا۔ حتی کہ اگلے سال جب فقراء کو پکارا جاتا تو پہلے سال کے فقراء نہیں پائے جاتے تھے۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: مجھے عمر بن عبدالعزیز نے صدقہ وصول کرنے کے لیے افریقہ بھیجا۔ میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء تلاش کیے۔ تو وہاں کوئی فقیر ہی نہیں ملا جسے صدقہ دیا جاتا، عمر نے لوگوں کو غنی بنا دیا تھا۔ آخر کار میں نے اس مال سے غلام خرید کر انہیں آزاد کر دیا۔

زکاۃ کے مستحقین کی عدم دستیابی

رات گئے ایک شخص امیر المؤمنین کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ آدھی دنیا کا حکمران گھر سے باہر نکل آتا ہے۔ کوئی پروٹوکول نہ کوئی سیکورٹی، ایک اجنبی دستک دیتا ہے، وہ رات کو تاخیر سے مگر خلیفہ وقت بلاتردد اس کی آواز پر گھر کا دروازہ کھول کر باہر آجاتا ہے۔

وہ شخص اپنے ہاتھ میں پکڑی اشرفیوں کی تھیلی امیر المؤمنین کی طرف بڑھا کر عرض کرتا ہے: میں اتنے سو میل دور فلاں بستی سے آیا ہوں اور یہ مال زکاۃ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لایا ہوں۔ امیر المؤمنین نہایت تاسف کے ساتھ کہتے ہیں: میرے بھائی! یہ مال کہیں راستے ہی میں تقسیم کر دیا ہوتا، میرے پاس لانے کی کیا ضرورت تھی؟ نو وارد عرض کرتا ہے: امیر المؤمنین! سارا راستہ آواز

لگاتا آیا ہوں کہ لوگو! میرے پاس زکاۃ کا مال ہے۔کوئی ضرورت مند ہو تو لے سکتا ہے۔لیکن سیکڑوں میل کے اس سفر کے دوران کوئی ایک مستحق بھی مال لینے نہیں آیا۔

یہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز تھے جن کی اسلامی خلافت میں اس قدر امن اور خوشحالی تھی کہ سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا مسافر بلا خوف وخطر سفر کرتا رہا اور اسے زکاۃ کا کوئی مستحق بھی نہ ملا۔امیر المؤمنین سے رات گئے اس کی ملاقات بھی بلا روک ٹوک ہوگئی۔

صدقہ فطر کی وصولی اور تقسیم

اولاد زید بن خطاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے: عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ محض ڈھائی سال (30 ماہ) ہے۔آپ فوت نہیں ہوئے حتی کہ ایک شخص ہمارے پاس کثیر مال لے کر آتا اور کہتا: یہ مال مستحق فقراء میں بانٹ دو، مگر وہ اپنا مال لے کر ہی واپس جاتا۔فقراء کو ڈھونڈتا، مگر کوئی فقیر نہ ملتا اور مجبوراً اسے مال لے کر واپس لوٹنا پڑتا۔عمر نے لوگوں کو مالدار بنا دیا تھا۔خالی صدقہ فطر ہی تمام مسلمانوں کے فقراء کو کافی ہوتا تھا۔

خلیفہ کی اکلوتی قمیص

اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز بیمار ہو جاتے ہیں۔ فاطمہ کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک امیر المؤمنین کی عیادت کرنے آتا ہے۔ عیادت کرنے کے بعد جب نکلنے لگا تو اپنی بہن فاطمہ سے کہا: امیر المؤمنین کی قمیص کی دھلائی کر دو، وہ کافی میلی ہو چکی ہے۔ وہ خلیفہ ہیں، لوگ ان کی عیادت کے لیے آ رہے ہیں۔

فاطمہ نے اپنے بھائی کی بات سنی اور سر جھکا دیا۔ چند دن گزرے، مسلمہ پھر خلیفہ کی تیمار داری کے لیے آتا ہے۔ دیکھا کہ خلیفہ کی قمیص بدستور میلی ہے۔ اس نے پھر اپنی بہن کو توجہ دلائی کہ قمیص دھو ڈالو۔ تیسری مرتبہ پھر اس نے دیکھا کہ خلیفہ کی قمیص صاف نہیں ہے؛ اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔ اب کی بار تو وہ باقاعدہ ناراض ہو گیا۔ بہن سے کہا: میں نے تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ امیر المؤمنین کی قمیص بدل ڈالو۔ فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگیں: اللہ کی قسم! خلیفہ کے پاس اس قمیص کے سوا دوسری کوئی قمیص ہی نہیں ہے۔

جاگیروں کی تقسیم کا پس منظر

اللہ کے رسول ﷺ کی جہاد کی فضیلت کے حوالے سے بڑی مشہور حدیث ہے: (جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي) ''میری امت کی روزی گھوڑوں کے کھروں، اور نیزوں کی نوکوں میں مقرر کر دی گئی ہے۔'' پھر جب یہ کھیتی کرنے لگیں تو عام لوگوں میں سے ہوں گے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان جب تک جنگی قوت فراہم کرنے میں سرگرم عمل رہیں گے سرخرو رہیں گے، ورنہ عام آدمیوں کی طرح ہو جائیں گے۔

جب خیبر فتح ہوا تو سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: ''ہم لوگ اس وقت تک آسودہ حال نہ ہوئے جب تک خیبر کو فتح نہ کر لیا گیا۔'' ایک دوسری جگہ فرماتی ہیں: ''جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: اب ہمیں پیٹ بھر

کر کھجور ملے گی۔''

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ خیبر کی جنگ کے نتیجہ میں حاصل شدہ اراضی کو آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ بعض مؤلفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے بطور جاگیر زمین دینے والے سیدنا عمر فاروق ہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب سے پہلے کسریٰ اور آل کسریٰ کے مالوں اور جائیدادوں پر قابض ہوئے۔

قارئین کرام! آیئے ذرا میرے ساتھ مل کر تصور کریں کہ مسلمانوں نے کس طرح اور کس حد تک فتوحات حاصل کیں۔ آج کے دسیوں ملک اور لاکھوں مربع میل رقبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آتا ہے۔ آج شام، عراق، ایران کے علاقوں کو چشم تصور سے دیکھیں یہاں کتنی آباد زمینیں تھیں۔ کتنے دریا، ندی، نالے، جھیلیں، باغات اور کھیتیاں تھیں۔ اس لاکھوں مربع میل کے پورے رقبے کو دشمن چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مسلمانوں کے پاس بے حد وحساب مال غنیمت آتا ہے۔ اس میں سے خمس نکال کر مدینہ بھجوا دیا جاتا تھا۔ باقی مال معرکوں میں حصہ لینے والے مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

مدینہ منورہ کے قریب واقع خیبر کے مشہور قلعے کی تصویر

قارئین کرام! راقم الحروف نے اس پر خوب غور و فکر کیا ہے یہ جو جائیدادیں اور زمینیں مسلمانوں کے حصے میں آئی تھیں بے حد و حساب تھیں۔ ان کو ایک حد تک آزاد چھوڑا جا سکتا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کو کسی مصرف میں لایا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی غزوہ حنین کے موقع پر بعض سرداروں کو مؤلفۃ القلوب کے تحت سو سو اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی سندر نامی غلام کو اس کی درخواست پر حکم فرمایا تھا کہ میں ہر مسلمان کو تمہارے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق نے اللہ کے رسول کی وصیت کی حفاظت فرمائی اور اس کا خرچہ اپنے ذمہ لے لیا۔

سیدنا عمر فاروق کے دور میں وہ ان کے پاس چلا گیا عرض کی کہ اللہ کے رسول کی میرے بارے میں وصیت کی حفاظت کیجیے۔ تو انہوں نے اس سے کہا: اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو میں تمہیں اتنا ہی خرچہ دیا کروں گا جو ابوبکر صدیق دیتے تھے۔ ورنہ جس علاقے کی زمین چاہو گے میں وہاں کی زمین تمہارے نام کر دوں گا۔ سندر نے مصر میں زمین طلب کی۔ کیونکہ وہ علاقہ زرخیز تھا۔ آپ نے عمرو بن العاص کو لکھا تو انہوں نے سندر کو ایک وسیع قطعہ زمین اور گھر مرحمت فرما دیا۔ سندر اس میں زندگی گزار کر فوت ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کی اولاد نہ تھی اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کی جائیداد بیت المال میں جمع کر دی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق نے سب سے پہلی زمین سندر کو عطا کی تھی۔ اس کے بعد شام

خیبر کے یہودیوں کی قدیم بستی کے آثار

خیبر میں موجود قدیم یہودی بستی اور باغ فدک کے آثار

میں سیدنا فاروق اعظم کے دور میں ان کی اجازت سے چراہ گاہیں اور زمینیں عطا کی گئیں۔ مسلمان مجاہدین نے ان پر اپنے گھر بنا لیے۔ درخت لگا لیے۔ انہیں سیدنا عثمان نے اور آپ کے بعد میں آنے والے خلفاء نے بحال رکھا۔

قارئین کرام! یہ میرا موضوع نہیں نہ ہی اس پر بحث کروں گا۔ آپ مجھ سے لاکھ اختلاف کر سکتے ہیں، مگر ایک بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ ''خمس'' کی صورت اتنی زیادہ جائیداد حکومت وقت کو ملتی ہے کہ اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خمس کی تقسیم حکمران کا صوابدیدی اختیار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کو بھی اس خمس میں سے حصہ ملا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اور ان کے بعد والے حکمرانوں سے بھی مختلف صحابہ اور شرفاء نے ان کے نام زمینیں الاٹ کرنے کی درخواستیں کیں جو مفاد عامہ میں قبول کر لی گئیں۔ اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا، ان میں کھیتی باڑی کرنا، باغات لگانا مستحسن اقدامات ہوتے ہیں۔ مگر ان کاموں کے لیے مزدوروں اور پانی کا بندوبست کرنا، اناج کی ترسیل، یہ سارے مسائل اس وقت ہی حل ہو سکتے ہیں جب یہ زمینیں کسی کی ملکیت ہوں اور مالک کو معلوم ہو کہ اگر وہ ان کو آباد کرے گا ان پر محنت کرے گا تو یہ آباد ہوں گی۔ اسی اصول کے تحت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو قطعات اراضی ملے۔ یہ اراضی حجاز میں سویدا، خیبر اور فدک یمن میں جبل درس، شام کی سرزمین میں بعلبک کے علاقہ میں تھیں۔

عمر بن عبدالعزیز کے لیے عطیات کی بھرمار

عمر بن عبدالعزیز کو دوسرے اموی امراء کی طرح مختلف عطیات ملتے رہے۔ یہ عطیات بے شمار تھے۔ بڑی بڑی قیمتی جائیدادیں مختلف شہروں، حجاز، شام مصر اور بحرین میں پھیلی ہوئی تھیں۔ بعض امراء عمر بن عبدالعزیز کے لیے ایسے قطعات اراضی سے دست بردار ہو گئے جو کافی آمدنی والے تھے۔ لوگوں نے اپنی خوشی سے انہیں دیا۔ آپ نے بھی انہیں خوشی سے قبول کیا۔ خواہ یہ مال کہیں سے آیا ہو، خواہ ورثہ کا ہو، یا کسی سے ظلم کر کے چھینا ہو۔ اس سلسلہ میں آپ پر تو کوئی گناہ نہیں تھا۔ گناہ تو اس پر تھا جس نے اسے حرام طریقے سے حاصل کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کسی بھی ہدیے کو رد نہیں کیا۔ ان اموال کی وجہ سے آپ نہایت امیر کبیر بن گئے۔ مؤرخین کے مطابق ان کی جائیدادیں اتنی زیادہ تھیں کہ عمر انہیں شمار نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی آپ نے سب کو دیکھا تھا۔ لوگوں کا اندازہ ہے کہ اس جائیداد اور زرعی زمینوں سے انہیں سالانہ چالیس ہزار دینار تک آمدنی ہوتی تھی۔

یہ وہ دور تھا جب بڑی بڑی زمینوں کے قطعات اور چراگاہیں مختلف مفتوحہ علاقوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ وہ قطعات اراضی تھے جو کسی کی ملکیت نہ تھے۔ جب مسلمانوں نے فتوحات حاصل کیں تو دشمن ان علاقوں کو خالی چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

مصالحت کا اہتمام

اہل مشرق میں سے ایک شخص اپنے بھتیجے کی معیت میں عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا، دونوں کا کسی بات میں تنازعہ تھا۔ وہ شخص پہلے پہل تو اصلاح اور صلح وصفائی کی طرف مائل تھا۔ پھر اچانک اسے غصہ آیا اور اس کے نفس نے اسے قطع رحمی کی پٹی پڑھائی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے فرمایا: میں نے نہ تم سے زیادہ شیریں کسی کو دیکھا نہ تم سے زیادہ تلخ۔ نہ تم سے زیادہ قریب کسی کو دیکھا نہ تم سے زیادہ بعید، ابھی ابھی تم صلح صفائی کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک تمہارے نفس نے تمہیں قطع رحمی اور ظلم کی راہ پر لگا دیا۔

اس شخص کی مونچھیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ منہ کو ڈھک رہی تھیں۔ عمر نے اپنے حجام سے فرمایا اس بوڑھے کو یہاں سے لے جاؤ اور اس کی مونچھیں کاٹ کر لاؤ۔ وہ مونچھیں بنوا کر واپس آیا تو فرمایا: دیکھو یہ کیسی اچھی لگتی ہیں، اس سے نظافت بھی حاصل ہوتی ہے اور فطرت صحیحہ سے مطابقت بھی۔ ہاں اب آؤ اپنے بھتیجے سے صلح کر لو۔

اس نے عرض کیا: بہت بہتر جناب!

آپ نے ان دونوں کے مابین صلح کروا دی اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: الحمدللہ! اللہ تیرا شکر ہے کہ دونوں میں صلح ہوگئی۔

امتیازی ضیافت قبول کرنے سے انکار

عمر بن عبدالعزیز کسی سفر میں ایک چرچ کے سامنے ٹھہرے ہوئے تھے۔ چرچ والے کھانے کے تھال ادھر ادھر لے جا رہے تھے۔ دریافت فرمایا: یہ تھال کیسے ہیں؟

جواب ملا: یہاں لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ پھر ایک تھال آپ کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ جس میں پستہ اور بادام تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ سارے تھال اسی قسم کے ہیں؟

عرض کیا گیا: نہیں۔ فرمایا: پھر اپنا کھانا اٹھا لے جاؤ، ہم اسے نہیں کھائیں گے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ کے بعض خصائل

عمر بن عبدالعزیز کے بلند اخلاق، اعلیٰ صفات اور نہایت قریبی رشتہ داری کی وجہ سے عبدالملک بن مروان نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دی، اس وقت ان کی عمر بیس برس تھی۔ سیدہ فاطمہ کے بارے میں اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ یہ اپنے وقت کی سب سے خوبصورت، ذہین وفطین اور خوب سیرت خاتون تھیں۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ سیرت نگاروں کے مطابق دمشق کی تاریخ میں یہ دن بڑا یادگار تھا۔ ایک طرف خلیفہ وقت کی صاحبزادی اور دوسری طرف بنوامیہ کا خوبصورت شہزادہ تھا۔ جس کا والد ایک مدت تک مصر کا گورنر رہا تھا۔ راقم الحروف نے اپنی

کتاب ''سنہری کرنیں'' میں اس عظیم خاتون پر بڑی تحقیق اور محنت سے ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان: ''فاطمہ بنت عبدالملک کا سنہری کردار'' ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی سے اس عظیم خاتون کے کردار کو اگر الگ کر دیا جائے تو آپ کی سیرت ادھوری رہ جاتی ہے۔ آیئے اس عظیم خاتون کے بارے میں مزید جانتے ہیں۔

''وہ ایک خلیفہ کی بیٹی تھی، دوسرا خلیفہ اس کا دادا تھا۔ وہ (چار) خلفاء کی بہن تھی اور ایک خلیفہ اس کا خاوند تھا''۔

اسلامی تاریخ نے جن خواتین کا تذکرہ بڑے اہتمام اور تفصیل سے کیا ہے ان میں فاطمہ بنت عبدالملک کا نام بڑا نمایاں ہے۔ اموی خاندان کی نورِ چشم یہ خاتون اپنے دور میں سب سے زیادہ مشہور و محترم تھیں۔ دمشق میں 67 ہجری کو پیدا ہوئیں۔ ان کے والد عبدالملک، دادا مروان، خاوند عمر بن عبدالعزیز اور چار بھائی ولید، سلیمان، یزید اور ہشام سب کے سب خلافت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ اعزاز شاید ہی کسی دوسری عورت کو ملا ہو کہ اس کے سات محرم رشتہ دار بہت وسیع و عریض اسلامی مملکت کے خلفاء تھے، اس لیے کسی شاعر نے کہا تھا کہ:

بِنْتُ الْخَلِيفَةِ، وَالْخَلِيفَةُ جَدُّهَا
أُخْتُ الْخَلَائِفِ وَالْخَلِيفَةُ زَوْجُهَا

''وہ ایک خلیفہ کی بیٹی تھی، دوسرا خلیفہ اس کا دادا تھا۔ وہ (چار) خلفاء کی بہن تھی اور ایک خلیفہ اس کا خاوند تھا''۔

فاطمہ اپنے دور کی نہایت دانا، معاملہ فہم، عالمہ، فاضلہ، نیک سیرت اور نہایت خوبصورت خاتون تھیں۔ وہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج بھی تھیں۔ نہایت فیاض اور سخی تھیں۔ بڑے ناز و نعم میں پلیں بڑھیں، ہوش سنبھالا تو گھر میں بادشاہی تھی، نوکر چاکر اور دنیا بھر کی نعمتیں موجود تھیں، مگر اس کے باوجود نخوت اور غرور نام کو نہ تھا۔ لوگوں کے ساتھ مکمل تعاون کرتیں، علم کی دلدادہ تھیں، علم حاصل کیا تو اسے دیگر لوگوں کو بھی سکھایا۔ اپنے والدین کی بڑی لاڈلی تھیں۔ شادی کی عمر کو پہنچیں تو ان کی شادی ان کے چچازاد سیدنا عمر

بن عبدالعزیز کے ساتھ ہوئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شادی اس دور کی سب سے اہم اور یادگار شادی تھی۔ جہیز میں بے حد و حساب مال اور سامان ملا، سونے چاندی کے زیورات کا کوئی حساب نہ تھا، ان زیورات میں ایک نہایت بیش قیمت ہیرا بھی تھا۔

فاطمہ کے سسر عبدالعزیز بیس سال تک مصر کے گورنر رہے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد یہ اپنے خاوند کے ہمراہ مدینہ منورہ منتقل ہو جاتی ہیں، اس دور میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے۔ یہ جوڑا اس دور کا سب سے خوش قسمت اور سعادت مند جوڑا تھا۔ اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ان کا ایک محل مدینہ میں، ایک قاہرہ میں اور ایک دمشق میں تھا۔ نوکر، چاکروں کی قطار لگی رہتی۔ شادی ہوئی تو خلافت اس گھرانے میں تھی۔

سیدہ فاطمہ کے والد عبدالملک نے وفات پائی تو خلافت ان کے بھائی ولید کے پاس آئی اور ان کی وفات کے بعد خلافت ان کے دوسرے بھائی سلیمان کے پاس تھی۔ یہ سارا عرصہ سیدہ نے نہایت عیش و عشرت میں گزارا۔ خاوند عمر بن عبدالعزیز نہایت محبت کرنے والے تھے۔ مکارم اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ محدث اور متقی و پرہیز گار تھے۔ طبعی رجحانات میں دونوں ہم آہنگ تھے اور یہ ذہنی ہم آہنگی اور فکری اتحاد ہمیشہ قائم رہا۔ سیدہ فاطمہ نے ایک بلند کردار بیوی کی طرح ہر موقع پر عظیم شوہر کی ہم نوائی کی۔

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے شادی کے موقع پر سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے الفاظ نوٹ کیے ہیں۔

انہوں نے اپنے سسر کا نہایت بلیغ و فصیح الفاظ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ نے فاطمہ کو میرے عقد میں دے کر میری قلبی تمناؤں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور میری روحانی مسرتوں کو پروان چڑھنے کا موقع دیا ہے۔

آپ نے فاطمہ کو میرے عقد میں دے کر میری قلبی تمناؤں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور میری روحانی مسرتوں کو پروان چڑھنے کا موقع دیا ہے۔

قارئین کرام! پھر اس گھرانے میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔

یہ 98 ہجری کا زمانہ ہے۔ سوریا کے شہر حلب کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ''دابق'' ہے۔ وہاں پر خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک بیمار ہیں۔ ان کی اولاد ابھی نابالغ تھی، بیماری کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ موت سامنے نظر آنے لگی، سوچ رہے ہیں کہ اپنا نائب کسے مقرر کریں۔ اس وقت امت کے ایک بڑے خیر خواہ عالم دین رجاء بن حیوہ جو حکومت میں چیف سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ امت پر بھلائی کریں اور اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز کی بطور خلیفہ وصیت کر جائیں۔ سلیمان بن عبدالملک کو یہ بات پسند آئی۔ انہوں نے اپنے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی وصیت کی اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کیا۔ اس طرح عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین بن گئے۔

اب سیدہ فاطمہ خاتون اول تھیں، مگر جیسے ہی عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنتے ہیں ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، انہوں نے بطور خلیفہ تمام پروٹوکول مسترد کر دیے اور ایک عام شخص کی زندگی اختیار کر لی۔ عمر بن عبدالعزیز کی اور بھی بیویاں اور لونڈیاں تھیں، انہوں نے سب کو اکٹھا کیا اور کہا: میں ایسی آزمائش سے دوچار ہوا ہوں جس نے مجھے تم سے ایک الگ حیثیت دے دی ہے، لہٰذا تم میں سے جس کا جی چاہے اپنے گھر چلی جائے۔

سیدہ فاطمہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے وفاداری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ انہوں نے محلات کو چھوڑ کر ایک چھوٹے سے مکان میں رہنا پسند کیا اور دنیاوی مال و منال پر اپنے خاوند کو ترجیح دی۔ یہ مکان

مسجد اموی کے قریب تھا اور کچی اینٹوں سے بنا ہوا تھا، اس گھر کی لپائی سیدہ فاطمہ خود کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ ایران کے علاقے سے کوئی عورت ضروری کام کے سلسلے میں امیر المؤمنین سے ملنے کے لیے دمشق آتی ہے۔ اس نے امیر المؤمنین کے محل کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے اسے اس چھوٹے سے گھر کے بارے میں بتایا، جب وہ دروازے پر آئی تو کوئی دربان نہ تھا، ایک چھوٹا سا لڑکا دروازے پر تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو دیکھا ایک شخص مٹی کی اینٹوں سے دیوار بنا رہا ہے اور ایک عورت اسے اینٹیں پکڑا رہی ہے۔ وہ عورت کہنے لگی: بی بی! تم اس مزدور سے پردہ کیوں نہیں کرتیں۔ کہنے لگیں: یہ امیر المؤمنین ہیں اور میں ان کی اہلیہ فاطمہ ہوں۔

قارئین کرام! خلیفہ کی بیٹی، بہن اور اہلیہ میں اس قدر انقلاب آتا ہے کہ وہ مکمل طور پر اپنے خاوند کے رنگ میں رنگی جاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کی ہر ادا کو اپنایا۔ جو شوہر نے چاہا' اسی کو بجالائیں۔ فقیری اختیار کی، وہ لمبی لمبی نمازیں ادا کرتیں، اللہ کے خوف سے روتیں اور اپنے خاوند کے خیر کے کاموں میں خوب ساتھ دیتیں۔

سیدہ فاطمہ بنت عبد الملک کے پاس خوب سونا چاندی جواہرات اور جاگیر تھی۔ جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے بنوامیہ کی تمام جائیدادیں اور جاگیریں ضبط کیں تو اپنی اہلیہ فاطمہ کی وہ جاگیر بھی بحق سرکار ضبط کرلی جو انہیں باپ اور بھائیوں نے عطا کی تھی' کیونکہ یہ مسلمانوں ہی کا مال تھا۔ اس پر بھی سیدہ فاطمہ نے کسی قسم کے ملال کا اظہار نہیں کیا' بلکہ اپنے شوہر کی ہم نوائی کی۔ جہاں تک سونے چاندی، ہیرے، جواہرات اور قیمتی سامان کا تعلق ہے اس کے بارے میں شام کے مشہور محقق عالم دین شیخ علی الطنطاوی لکھتے ہیں:

''سیدہ فاطمہ کے پاس بڑی مقدار میں سونا اور جواہرات تھے اس دور کی تمام خواتین میں کسی کے پاس بھی اتنے زیورات نہ تھے۔ ایک دن سیدنا عمر کہنے لگے: فاطمہ یہ زیورات تمہارے لیے جائز نہیں۔ یہ ناجائز طور پر بیت المال سے لیے گئے ہیں۔ تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں کہ یا تو مجھے اختیار کرلو اور ان زیورات کو بیت المال میں جمع کروادو، بصورت دیگر

مجھ سے جدائی کا راستہ اختیار کرلو...... سیدہ فاطمہ اسی مدرسہ سے فیض یاب تھیں جہاں سے عمر بن عبدالعزیز نے تعلیم پائی تھی۔ فوراً جواب دیا: مجھے زیورات اور جواہرات کی ضرورت نہیں، میں آپ کی رفاقت اختیار کرتی ہوں۔ یہ کہا اور تمام زیورات بیت المال میں جمع کروا دیے۔''

پھر ایک دن وہ بھی آیا جب ان کے خاوند کا انتقال ہوگیا اور خلافت ان کے بھائی یزید کے پاس آ گئی۔ اس نے اپنی بہن فاطمہ کے تمام زیورات واپس بھجوا دیے۔ فاطمہ نے زیورات دیکھے تو اپنا خاوند یاد آ گیا، فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے...... اپنے خاوند کی وفائیں، محبتیں اور شفقتیں یاد کرتے ہوئے انہوں نے ایک تاریخی جملہ کہا، کہنے لگیں:

'وَمَا كُنْتُ لِأُطِيعَهُ حَيًّا وَأَعْصِيَهُ مَيِّتًا'

''میں جس شخص کی زندگی میں اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتی رہی یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کی وفات کے بعد اس کی نافرمان بن جاؤں''۔

میں جس شخص کی زندگی میں اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتی رہی یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کی وفات کے بعد اس کی نافرمان بن جاؤں۔

یہ کہتے ہوئے تمام زیورات واپس بیت المال میں بھجوا دیے، خلیفہ نے انہیں اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

سیدہ فاطمہ بنت عبدالملک نے وفا کی اعلیٰ مثال پیش کی۔ خلافت کے بعد ان کے خاوند کی سالانہ آمدنی کم وبیش ایک سو پچاس دینار تھی۔ اب گھر میں بہت عام سا کھانا پکتا تھا، عموماً دال ہی پکتی تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ نے گھر کے اکلوتے معمولی سے نوکر کو کھانا دیا تو وہ ناراض ہوگیا۔ غصے میں کہنے لگا: یہ کیا ہوا؟ ہر روز دال! ہر روز دال! میں دال کھا کھا کر تنگ آ گیا ہوں۔ سیدہ نے جواب دیا کہ سنو! یہی تمہارے آقا امیر المؤمنین کی بھی خوراک ہے۔

ایک دن سیدہ فاطمہ امیر المؤمنین کے پاس بیٹھی تھیں۔ سامنے ان کی بیٹیاں منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تیزی سے گزریں تو سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: فاطمہ! انہیں کیا ہوا ہے' منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے

میرے پاس سے بھاگ گئی ہیں؟ سیدہ نے جواب دیا: ان کے پاس کھانے کے لیے روٹی اور پیاز ہی تھا، انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ اس لیے رکھے ہوئے ہیں کہ پیاز کی بو آپ تک نہ پہنچ سکے۔

سیدہ فاطمہ نے بلاشبہ اپنے دور میں مسلمان خواتین کے لیے اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں۔ ایک دن ان کے پاس ان کا چھوٹا بیٹا روتا ہوا آیا پوچھا کیا ہوا؟ بتایا گیا کہ مال فے میں سے کچھ سیب امیر المؤمنین کے پاس آئے۔ انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنا شروع کر دیے، ان کا یہ چھوٹا بیٹا بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ گلابی رنگ کا ایک سیب بچے کو اچھا لگا اور اس نے اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ بیٹے کے ہاتھ میں سیب دیکھ کر امیر المؤمنین نے بہت نرمی سے بچے کے ہاتھ سے سیب لے لیا؛ چنانچہ وہ روتا ہوا اپنی والدہ سیدہ فاطمہ کے پاس آیا۔ ماں کا دل تڑپ اٹھا۔ اپنی جیب سے کچھ سکے نکالے، ان کے سیب منگوائے اور بچے کو کھلانے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد امیر المؤمنین بھی تشریف لے آئے۔ گھر میں اسی طرح کے گلابی سیب دیکھے تو نہایت فکرمند ہوئے کہ یہ تو مال فے کے سیبوں جیسے ہیں؟! جب معلوم ہوا کہ اہلیہ نے ذاتی پیسوں سے منگوائے ہیں تو بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میرا اپنا بھی سیب کھانے کو جی چاہتا تھا، سیب کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اہلیہ سے بچے کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: فاطمہ! اللہ کی قسم! میں نے بچے کے ہاتھ سے نہیں بلکہ اپنے دل سے سیب چھینا تھا......

(وَلَكِنْ كَرِهْتُ أَنْ أُضَيِّعَ نَفْسِي بِتُفَّاحَةٍ مِنْ فَيْئِ الْمُسْلِمِينَ قَبْلَ أَنْ يُقَسَّمَ الْفَيْئُ)

''لیکن میں نے اس بات کو اچھا نہیں جانا کہ میں مسلمانوں کے مال فے کی تقسیم سے پہلے محض ایک سیب کے بدلے اپنی امانت داری کو ضائع کر دوں''۔

سیدہ فاطمہ جو ایک زمانے میں ریشم وحریر کے بے شمار لباسوں کی مالکہ تھیں اور اپنی ہم عصر خواتین میں خوبصورت ترین لباس پہننے میں معروف تھیں، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کے پاس کپڑوں کے صرف دو جوڑے تھے جنہیں وہ باری باری پہنتی تھیں۔ کھانے کے لیے گھر میں روٹی، پیاز اور دال ہی ہوتی تھی، کتنے ہی دن ایسے ہوتے جب وہ بھوکی ہی سو جاتیں، انہوں نے زندگی کے اس صبر آزما دور میں بھی صبر وشکر کیا۔ اپنے رب اور اپنے خاوند کی رضا چاہی۔

اس خاتون کو دنیا سے رخصت ہوئے سینکڑوں برس بیت گئے، مگر وہ رہتی دنیا تک ایک مثال ہیں۔ وہ روشنی کی ایسی کرن ہیں جن کے وجود سے اسلامی تاریخ کا چہرہ منور ہے۔ بلاشبہ انہوں نے عزیمت کی راہ اپنائی، مگر تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف سے ثبت کروالیا۔ انہوں نے تنگی ترشی سے دنیاوی زندگی کا مختصر عرصہ کامیابی سے گزار لیا۔ اب قیامت تک کے انسان ان کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کرتے رہیں گے۔

زیاد بن ابی زیاد کی آمد

عیاش بن ربیعہ نے ایک مرتبہ اپنے غلام زیاد بن ابی زیاد مدنی کو اپنے کسی کام کے لیے عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ زیاد مدینے کے مشہور عالم وزاہد تھے۔ جب زیاد آپ کے پاس پہنچے تو جلدی سے بولے: السلام علیکم یا عمر بن عبدالعزیز! پھر انہیں خیال آیا کہ امیر المؤمنین کو پورے القاب کے ساتھ سلام کہنا چاہیے تھا۔ کہنے لگے: السلام علیکم یا أمیر المؤمنین!

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ابن ابی زیاد! ہم تمہارے پہلے سلام سے بھی مطمئن ہیں اور اسے آداب اسلامی کے خلاف نہیں سمجھتے۔

اس وقت کاتب آپ کو وہ مظالم پڑھ کر سنا رہا تھا جو بصرہ سے آئے تھے۔ آپ نے زیاد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زیاد دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ گئے۔ کاتب جیسے جیسے مظالم سناتا جا رہا تھا، آپ سرد آہیں بھر رہے تھے۔ پھر جب وہ فارغ ہوگیا تو کمرے سے تمام لوگ ہٹا دیے گئے۔ حتی کہ خادم کو بھی ہٹا دیا گیا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز زیاد کی طرف آئے اور اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔

زیاد کہتے ہیں کہ میں ادنیٰ سی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ مجھ سے عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ابن ابی زیاد! کیا تم اپنے کرتے میں گرم ہو؟ اور ہمارے زمانے میں آرام سے ہو؟ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین میں عافیت سے ہوں۔

ابن ابی زیاد! کیا تم اپنے کرتے میں گرم ہو؟ اور ہمارے زمانے میں آرام سے ہو؟ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین میں عافیت سے ہوں۔

پھر آپ نے مجھ سے مدینہ کے صلحاء کا حال معلوم کیا کہ ان میں سے مردوں اور عورتوں کا کیا حال ہے؟ اور ان میں سے ایک ایک کا حال پوچھا۔ کسی بھی مرد یا عورت کو نہیں چھوڑا۔

اور بھی مجھ سے چند باتیں پوچھیں جن کے نفاذ کا آپ نے مدینہ میں حکم فرمایا تھا۔ میں نے ان سب کے بارے میں آپ کو تفصیلی حالات بتائے۔ آپ نے عیاش کی ضرورتیں پوری کرنے کا حکم جاری فرمایا اور زیاد کو اپنی خاص جیب سے بیس دینار دیے اور فرمایا: ان سے اپنا کام چلاؤ۔ اگر فے تمہارا حق ہوتا تو ہم تمہیں تمہارا حق دے دیتے۔

زیاد نے دینار قبول نہیں کیے، مگر آپ کے پیہم اصرار پر قبول کرنا پڑے۔ پھر عیاش کو لکھا کہ زیاد کو میرے ہاتھ فروخت کردو؛ تاکہ میں ان کو آزاد کردوں۔ لیکن عیاش نے بجائے فروخت کرنے کے خود ہی زیاد کو آزاد کردیا۔

کسر نفسی کی ایک مثال

عمر بن عبدالعزیز زیاد کی نیکی اور تقویٰ سے بہت متاثر تھے۔ آپ اس جگہ زمین پر بیٹھ گئے جہاں زیاد بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے: مجھے وہ جگہ محبوب نہیں جہاں میں زیاد سے اونچا دکھائی دوں۔ جب زیاد بن ابی زیاد اپنا مقصد حل کرا چکے تو روانہ ہونے کے لیے کھڑے ہوئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کے انچارج کو حکم دیا کہ زیاد اور ان کے رفقاء کے لیے سرکاری خزانے کا دروازہ کھلا رکھے؛ تاکہ وہ اس سے اپنی ضروریات کے مطابق لے لیں۔

خزانچی نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ زیاد نے بیت المال میں داخل ہوکر اپنے لیے اور ساتھیوں کے

لیے اسی (80) سے کچھ زیادہ درہم لیے۔ خازن نے یہ معاملہ دیکھا تو کہنے لگا: امیر المؤمنین کو خوب معلوم ہے کہ کس شخص میں یہ صلاحیت ہے کہ اسے بیت المال سے رقم لینے کی کھلی چھوٹ دی جائے۔

سیدہ فاطمہ کی وفاشعاری

امراء کی بیویاں عموماً خوبصورت کپڑے پہن کر بن سنور کر رہتی ہیں۔ خصوصاً جب خاوند گھر آنے والا ہو تو خصوصی اہتمام کرتی ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک اپنے دور کی سب سے خوبصورت، پڑھی لکھی، سمجھ دار اور نہایت نازونعم میں پلی ہوئی خاتون تھیں۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز نے خلافت سنبھالی تو تمام بیویوں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا کہ اب تمہارا گزارا معمولی خوراک پر ہو گا۔ اس لیے جس نے مجھے چھوڑنا ہے میں اسے بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ جس نے میرے ساتھ رہنا ہے، اسے دنیاوی زندگی میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ تاریخی کتب کے مطالعہ سے (واللہ اعلم) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت عبدالملک کے سوا دیگر خواتین اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔

فاطمہ بیوی ضرور تھیں، مگر خلافت کے دور میں ان کے درمیان تقریباً اجنبیوں جیسا تعلق رہا۔ عمر بن عبدالعزیز یا تو خلافت کے کاموں میں مصروف رہتے یا عبادت میں لگے رہتے، اس لیے اہلیہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دے پاتے۔ فاطمہ کے کپڑے بڑے معمولی ہوتے اور وہ بن سنور کر بھی نہ رہتی تھیں۔ ایک دن ان کے خاندان کی بڑی خواتین نے سمجھایا کہ یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؛ کچھ بن سنور کر رہا کرو آخر تم امیر المؤمنین کی بیوی ہو، مگر فاطمہ نے کوئی پروا نہ کی۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نے فاطمہ کو ملامت کی کہ بن سنور کر رہا کرو۔ اپنے کپڑوں کا خیال رکھا کرو۔ فاطمہ نے خاتون سے پوچھا کہ بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں کہ بیوی کو وہی انداز اپنانا چاہیے جو اس کے خاوند کو پسند ہو۔ فاطمہ نے جواب میں کہا: ہاں بالکل خاوند کو راضی رکھنا اور اس کی تمنا پوری کرنا ہی ایک اچھی عورت کا کام ہے، مگر میرے خاوند عمر بن عبدالعزیز یہی چاہتے ہیں کہ میں بن سنور کر نہ رہا کروں۔ اس لیے میں ان کی رضا کے لیے بناؤ سنگھار سے گریز کرتی ہوں۔

جن سُرَّق (ثرق) کا قصہ

عمر بن عبدالعزیز ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کہ صحراء میں دیکھا کہ ایک مردہ اژدہا پڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: کھدائی والے کو بلاؤ۔ ساتھیوں نے کہا: آپ حکم فرمائیں، ہم کھدائی کریں گے۔ انہوں نے کہا: اس اژدہا کے لیے زمین کو کھودو، پھر آپ نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا۔ اسی دوران دور سے ایک آواز آئی: (رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَا سُرَّقُ) ''اے سرق! تم پر اللہ کی رحمت ہو۔'' عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: آواز دینے والے! اللہ تم پر رحم فرمائے، تم کون ہو؟ اگر تم ظاہر ہو سکتے ہو تو ہمارے سامنے آؤ۔ اس نے کہا: میں ایک جن ہوں اور جسے آپ نے دفن کیا ہے یہ ہمارے درمیان ایک صالح جن تھا۔ اس نے میرے ہمراہ اللہ کی رسول ﷺ کی بیعت کی تھی۔ ہم بیعت کرنے والے کل نو جنات تھے۔ وہ تمام جنات جو بیعت میں ہمارے ساتھ تھے فوت ہو گئے ہیں۔ بس میرے اور سرق کے علاوہ کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔ تمام وفات پا چکے ہیں اور سرق بھی فوت ہو گیا جسے آپ نے زمین میں دفن کیا ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

(تَمُوتُ يَا سُرَّقُ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ وَيَدْفِنُكَ مِنْ خَيْرِ أُمَّتِي)

''اے سرق! تم ایک بے آباد زمین میں وفات پاؤ گے اور میری امت کا ایک اچھا انسان تمہیں دفن کرے گا۔''

عمر بن عبدالعزیز اسے قسم دلاتے ہوئے پوچھا: سچ سچ بتاؤ! کیا تم نے خود اللہ کے رسول ﷺ سے یہ الفاظ سنے تھے۔ اس نے قسم کھائی کہ میں نے یہ الفاظ اللہ کے رسول ﷺ سے سنے تھے، یہ سن کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رونے لگ گئے۔ (امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور فرمایا: اسے امام بیہقی نے بھی بیان کیا ہے اور اسے حسن روایات میں شمار کیا ہے۔)

باغیوں کے خلاف کاروائی

دشمنان اسلام نے جب دیکھا کہ اسلامی حکومت کا موجودہ سربراہ انتہائی شریف النفس انسان ہے تو انہوں نے ان کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے سر اٹھانا شروع کیا۔

باغیوں نے آذربائیجان میں بہت سے معصوم مسلمانوں کا خون کر ڈالا۔ امیر المؤمنین نے اپنے سپہ سالار ابن حاتم کو ان کی سرکوبی اور ان پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسلامی فوج کے ساتھ ایک بھرپور کاروائی کی اور باغیوں کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچا کر انہیں تہہ تیغ کر دیا۔

لوگوں کے لیے جہاد کی تربیت کا انتظام

عمر بن عبدالعزیز نے دس تابعی افریقہ بھیجے تاکہ وہ انہیں دینی تعلیم دیں اور جہاد کا شوق دلائیں۔ جب عمر بن عبدالعزیز ان کو جہاد کے لیے بلائیں تو سر سے کفن باندھ کر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ہر تابعی اپنی جگہ پر ایک بے مثال نمونہ تھا اور ان کے ذمے محکمہ قضاء اور فتویٰ بھی تھا۔ یہ تابعی اپنے ساتھ مغرب میں بہت سا علم لے گئے۔

افریقہ میں بربر کی ایک جماعت تھی جو پہلے ہی سے موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی۔ اس نے قرآن و فقہ ان عربوں سے سیکھ لیا تھا جو موسیٰ بن نصیر کے ساتھ تھے۔ پھر جب 100 ہجری میں افریقہ کے حاکم اسماعیل بن عبیداللہ بن ابی مہاجر ہوئے تو چونکہ آپ جنگ، خراج اور صدقات کے رئیس تھے اور اچھے اخلاق والے تھے۔ اس لیے تمام بربر مسلمان ہو گئے اور کوئی غیر مسلم نہیں رہا۔

مفتوحہ اقوام کا دل جیتنا

یہ تو ایک قطعی فیصلہ تھا کہ اگر فاتحین غازی لوگوں سے اچھا معاملہ کریں گے تو اسلام میں لوگ جوق در جوق داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح بہت سے سندھی امراء نے عمر بن عبدالعزیز کی دعوت مان لی۔ جب آپ نے انہیں اسلام کو سینے سے لگانے کی دعوت دی تو 99 ہجری میں خود شاہ ہند مسلمان ہو گیا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں مشک، عنبر، اگر بتیاں اور کافور بطور تحائف بھیجے۔

دریائے سندھ کے ماوراء بہت سے ہندو عمر بن عبدالعزیز کی دعوت سے مسلمان ہو گئے۔ جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان نے اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں سخت دوڑ دھوپ کی اور اس کے لیے خلوص سے کام کیا اور تقریباً چار ہزار غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ پھر انہیں عمر نے لکھا: دیکھو! جو تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے۔ اس سے جزیہ موقوف کر دو۔ اس سے لوگ اسلام کی طرف دوڑ پڑے۔ عمر کے اندر دعوت اسلام کا جذبہ اس قدر کارفرما تھا کہ آپ نے شاہ روم لادن ثالث کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

عمر بن عبدالعزیز کے دور میں تالیف قلوب

آپ کے زمانہ میں تالیف قلوب والوں کا حق بھی لوٹ آیا جب کہ فاروق اعظم نے اسے ختم فرما دیا تھا۔ اس معاملے میں کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مصارف زکاۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اسلام کے غلبے اور عزت کی وجہ سے تالیف قلوب کی مد میں اب کسی کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔ جیسے عمر بن عبدالعزیز کے دور میں بہت سے علاقوں میں مصارف زکاۃ کے پہلے دو مصارف فقراء اور مساکین کے سلسلے میں زکاۃ قبول کرنے والا کوئی فرد نہیں ملتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے دور میں تالیف قلب ایک منظم حرکت کے ساتھ دین کی طرف متوجہ ہونے کا ایک سبب بن گئی۔ مختلف اقوام نے خلیفہ کی اور اس کے حکام کی توجہ، محبت و پیار دیکھا اور غیر مسلموں کو ترغیب دلا کر انہیں اسلام کی طرف لانے کی حرص دیکھی تو جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ عمر بن عبدالعزیز نے دل پر چھانے کے لیے عطیات دینے میں اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا؛ حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے ایک عیسائی پادری کو اس کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کرنے کے لیے ایک ہزار دینار دیے۔

عہد عمر میں خلق کثیر کا قبول اسلام

باوجود اس کے کہ نومسلموں کو زمینی پیداوار کا عشر معاف نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم عمر بن عبدالعزیز نے اس کام میں جسے آپ کے نانا عمر بن خطاب لے کر کھڑے ہوئے تھے، ایسی حیرت انگیز کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ آخر کار پر خطر جماعتیں تیزی سے اسلام میں شامل ہونے لگیں۔ جزیہ کا معاف کرنا اور ذمیوں کے قبضے میں زمینیں رہنے دینا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ برتنا، یہ تمام ایسے محرکات تھے جو لوگوں کو اللہ کے دین میں بڑی تعداد میں داخل ہونے کی رغبت دیتے تھے۔

عدل کا کرشمہ!

قارئین کرام! سیدنا عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں ہونے والا ایک نہایت منفرد نوعیت کا واقعہ جو میں نے اپنی کتاب سنہرے فیصلے میں بیان کیا تھا، قارئین کے استفادہ کے لیے یہاں بھی درج کر رہا ہوں۔ آپ حیران ہوں گے کہ دنیا میں ایسے عادل حکمران بھی گزرے ہیں۔

سمرقند کی ایک گہری سرد رات میں ایک شخص اپنے گھر سے چاروں طرف گھپ اندھیرے میں نکلتا ہے۔ اس کا رخ شاہی محل کی طرف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا
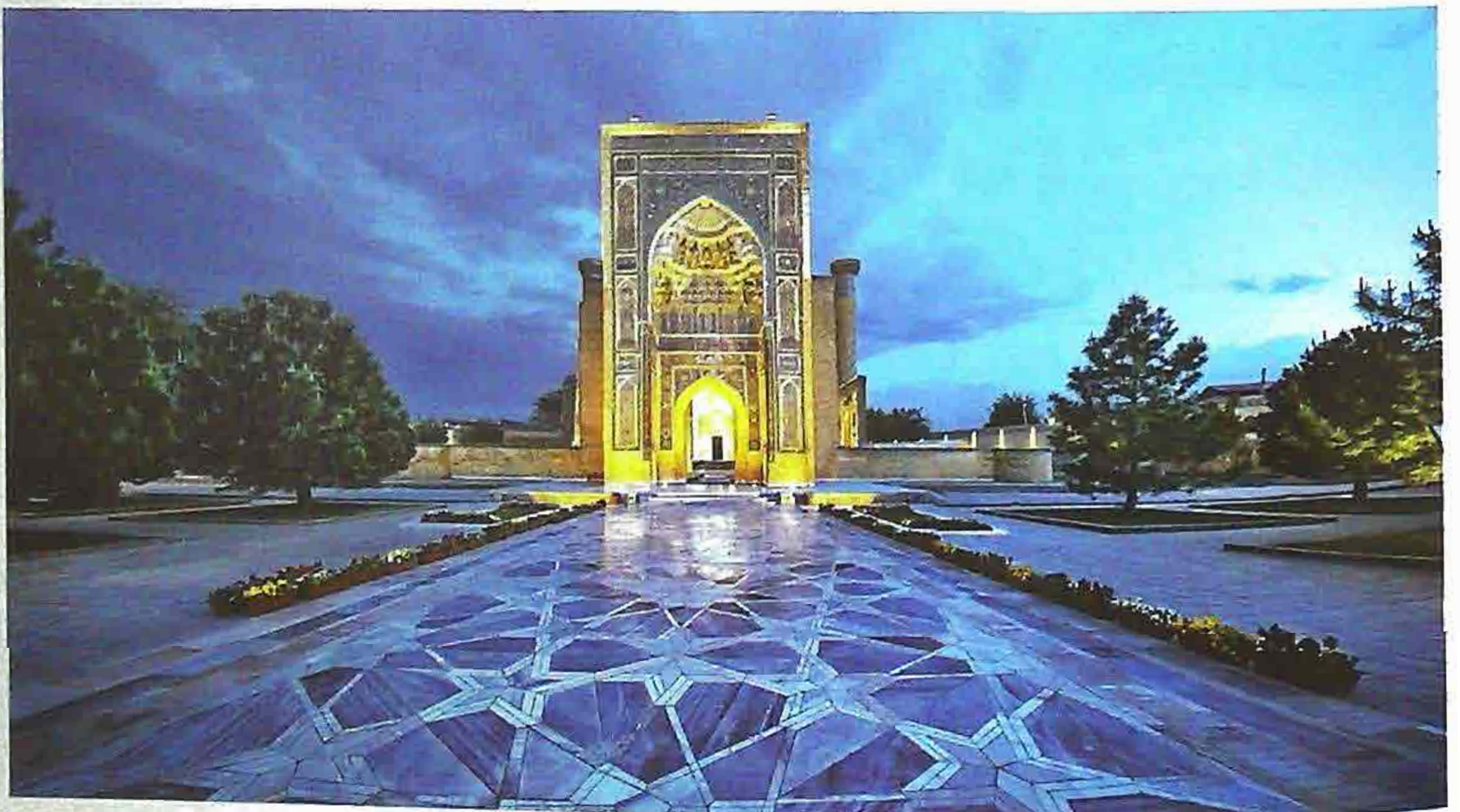
سمرقند کی مسجد کا خوبصورت منظر

بالآخر محل کے قریب جا پہنچا۔ اس کے ایک جانب معبد ہے۔ اس کے دروازے پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے۔ جس پر مورتیاں کھدی ہوئی ہیں۔ اس پر رعب طاری ہے وہ زندگی میں پہلی مرتبہ معبد میں داخل ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے اس کو کبھی یہ موقع میسر نہیں آیا۔

اگلے کمرے کے وسط میں اس نے ایک عظیم ڈیل ڈول والے شخص کو دیکھا، اس کی سفید لمبی داڑھی تھی۔ سفید داڑھی والے شخص نے اس کو اس کے نام سے پکارا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

یہ بھاری بھر کم نوجوان بزدل نہیں بلکہ نہایت بہادر شخص ہے۔ اس کا قد خاصا لمبا ہے۔ نہایت ذہین وفطین ہے۔ سوچ وفکر بلند ہے۔ نہایت مدبر ہے۔ مقامی زبان تو اس کی مادری ہے، مگر اس میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہے اور وہ بڑی روانی سے عربی زبان بولتا ہے۔ اسے معبد کے سب سے بڑے عہدے دار نے ملاقات کے لیے بلوا رکھا ہے۔ اس ملاقات کے شوق اور خوف نے اسے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا ہے۔ اس معبد میں بہت کم لوگ ہی داخل ہو سکتے ہیں اور جو اس کے ذمہ داران ہیں وہ تو ایک مرتبہ داخل ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان کو سورج کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا، اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ اگلے کمرے کے وسط میں اس نے ایک عظیم ڈیل ڈول والے شخص کو دیکھا، اس کی سفید لمبی داڑھی تھی۔ سفید داڑھی والے شخص نے اس کو اس کے نام سے پکارا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اسے سمجھ آ گئی کہ یہ معبد کا چوکیدار ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد کاہنوں کے سردار کے سامنے جا پہنچا۔ ان کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ معبد سے کبھی نکلتے ہی نہیں۔ بہت کم لوگ ہی ان سے ملاقات کر پاتے ہیں۔ اس ملک کے حقیقی حکمران یہی کاہن تھے۔ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ ان کی حکم عدولی دراصل خداؤں کی نافرمانی کے مترادف ہے اور ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

اس نوجوان کی نگاہیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ کاہن ایک صف میں کھڑے تھے۔ اس نے بڑے کاہن کی طرف اپنے کان لگا دیے جو آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا

میزان عدل کی تصویر کشی

تھا۔ پہلے تو اسے کچھ سمجھ نہ آئی، مگر بتدریج اس کو مفہوم سمجھ آنے لگا کہ وہ سمرقند کی تاریخ، اس کا ماضی بیان کر رہا تھا...... اور پھر کس طرح مسلمانوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے اس قبضہ کے خلاف کتنی ہی ناکام کوششیں کیں مگر اب ان کا اقتدار بتدریج پکا ہوتا جا رہا تھا۔ اب ہم آخری حربہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل شخص ہے وہ دمشق میں رہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا جائے۔ جس کے ہاتھ ہم اپنی شکایت ارسال کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کرتا ہے۔ چونکہ تم عربی زبان سے واقف ہو، لہٰذا ہم نے اس اہم کام کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے۔ تم نہایت ذہین اور دلیر بھی ہو۔ گفتگو کا فن جانتے ہو۔ کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو؟ نوجوان نے اثبات میں جواب دیا۔

بڑا کاہن کہنے لگا: پھر فوری طور پر اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں وافر مقدار میں زادِ راہ مہیا کر دیا جائے گا۔ نوجوان وہاں سے نکلا تو خوشی اور مسرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا: آج سب سے بڑے کاہن نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے۔ مجھے ایک عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے۔ اب وقت ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکوں۔ سمرقند کو آزادی دلانے میں میرا بھی حصہ ہو گا۔ وہ

گھر واپس آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ معبد کی طرف سے اس کو زادراہ وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا۔ اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا۔ وہ اس پر سوار ہوا اس کا رخ بخارا کی طرف تھا۔ وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا حلب پہنچ گیا۔ دمشق اس کی آخری منزل تھی جواب بالکل قریب تھی۔ پھر وہ دن بھی آیا جب وہ دمشق میں داخل ہو رہا تھا۔

دمشق جو مسلمانوں کا دار الخلافہ تھا۔ ان کی عظمت کا نشان بہت بڑا شہر نہایت صاف ستھرا تہذیب یافتہ اسے یہ شہر سمرقند سے کہیں بڑا نظر آیا۔

معبد کی طرف سے اس کو زادراہ وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا۔ اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا۔ وہ اس پر سوار ہوا اس کا رخ بخارا کی طرف تھا۔ وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا حلب پہنچ گیا۔

وہ ایک سرائے میں اترا اور اس کے مالک سے پوچھا کہ امیر المؤمنین سے ملنے کا کیا طریقہ ہے۔

سرائے کے مالک نے کہا کہ ہمارے امیر المؤمنین سے ملنا نہایت آسان ہے۔ تم مسجد اموی کی طرف چلے جاؤ وہاں کسی بھی شخص سے ان کے گھر کا راستہ پوچھ لینا۔ وہاں پر کوئی پہرے دار نہیں ہے، نہ ہی ملاقات پر کوئی پابندی ہے۔

وہ مسجد اموی میں داخل ہوا۔ ایسی خوبصورت عمارت اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ یہی شاہی محل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک شخص سے پوچھ ہی لیا۔ اس کے لہجے اور شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ اس نے کہا: کیا تم قصر خلافت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟

مگر کیا یہ قصر خلافت نہیں ہے؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔ اس شخص نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا: نہیں اجنبی دوست! یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہ مسجد ہے، مسلمانوں کی عبادت کی جگہ ہے۔ کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟

آدمی نے سمرقندی سے سوال کیا تو اس نے کہا: میں نماز کیسے پڑھوں، مجھے نماز کا طریقہ بھی معلوم نہیں۔

اموی مسجد کا ایک مینار

اس نے پوچھا: تمہارا دین کیا ہے؟

کہنے لگا: میں سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔

سوال ہوا: جواب دیا: معبد کا خدا۔

اب اس نے اگلا سوال کیا: اگر تم اس سے مانگو تو کیا تمہیں عطا کرتا ہے اور اگر تم بیمار ہو تو تمہیں شفا دیتا ہے؟

کہنے لگا: مجھے معلوم نہیں۔

اس شخص نے موقع غنیمت جانا کہ ایک شخص شکل وصورت سے ذہین وفطین ہے، اجنبی ہے اس کا کوئی دین اور مذہب نہیں، اس کو دین کے اصول بتائے جائیں؛ چنانچہ اس نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور پھر چند ساعتوں کی بات تھی اس سمرقندی کے دل کا غبار چھٹ گیا اور اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور دین اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب اس شخص نے اپنے اس نومسلم بھائی سے کہا: چلو! ہم امیر المؤمنین سے ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ ہرچند کہ یہ وقت انہوں نے گھر والوں کے لیے مختص کیا ہوا ہے، مگر پھر بھی وہ ہم سے مل لیں گے کیونکہ وہ بہت متواضع اور منکسر المزاج ہیں۔ مسجد سے نکل کر وہ گلی میں آئے۔ نہایت ہی سادہ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اس نے بتایا کہ یہ امیر المؤمنین کا گھر ہے۔ اس کو تعجب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ بڑا عالیشان محل ہو گا، مگر یہ تو معمولی گھر ہے!! اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیز نے اس کا حال پوچھا، آنے کا مقصد معلوم کیا: بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف شکایت پیش کی کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے۔ یہ قبضہ دھوکے سے ہوا

ہے، نہ تو اعلان جنگ ہوا اور نہ ہی ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ جناب عالی! ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز فرمانے لگے: اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ ہمیں عدل وانصاف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آواز دی: اے غلام! کاغذ اور قلم لایا جائے۔

غلام دو انگلیوں کے برابر کاغذ لے کر حاضر ہوگیا۔ اس پر دو سطریں لکھیں، اس پر مہر لگائی، اس کو سر بمہر کر کے سمرقندی سے کہا کہ اسے اپنے شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ۔

سمرقندی واپس ہوا۔ اب اس کا سینہ توحید کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ راستے میں جس جگہ نماز کا وقت ہو جاتا، وہاں سیدھا مسجد میں داخل ہوتا۔ نماز پڑھتا اور اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کر کے اپنی منزل کو روانہ ہو جاتا۔ اس سفر کی ایک عجیب لذت تھی۔ اب اس کے لیے کوئی شخص اجنبی تھا نہ وہ دوسروں کے لیے اجنبی رہا۔ جب وہ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں جاتا تو لوگ اس کی طرف دیکھتے۔ اس کی شکل وشباہت سے پتہ چل جاتا کہ وہ مسافر ہے۔ اس علاقے کی کسی بستی کا رہنے والا نہیں ہے۔ پھر نمازیوں میں اس کی مہمان نوازی کے لیے مقابلہ شروع ہو جاتا۔ ہر کوئی اسے اپنے گھر میں لے جانے اور اس کی ضیافت کے لیے اصرار کرتا۔ اب اس کو مسجد کی اہمیت اور اس دین حنیف کی بے شمار خوبیوں کا ادراک ہو چلا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب وہ سمرقند میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا معبد کی طرف گیا۔ اس نے کاہنوں کو رپورٹ دینی تھی۔ ان کو خلیفۃ المسلمین کے جواب سے مطلع کرنا تھا۔ وہ معبد میں داخل ہوا۔ اب وہ اس کی تاریک گلیوں اور غلام گردشوں سے خائف نہیں تھا۔

پتھروں سے بنے ہوئے بت جو کبھی اس کے لیے بھول بھلیوں سے کم نہ تھے، اب وہ ان کی حقیقت سے واقف ہو چکا تھا۔ یہ بت تو ہاتھوں

ہمارے ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے۔ یہ قبضہ دھوکے سے ہوا ہے، نہ تو اعلان جنگ ہوا اور نہ ہی ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ جناب عالی! ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے

کے بنائے ہوئے ہیں۔ کسی کارپینٹر کے ہاتھوں کی کاریگری کا نتیجہ، نفع ونقصان سے عاری' اپنے آپ کو کلہاڑے کی ضرب سے نہ بچا سکنے والے، وہ ان پر حقارت کی نظر ڈالتا ہوا بڑے دروازے پر جا پہنچا۔ دربان اس کو خوب پہچانتا تھا۔ اس کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے۔ چند منٹوں کے بعد وہ بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔ کاہن کو اسے دیکھ کر اعتبار نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہوگا، مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ان کو تفصیل سے سفر کے حالات بیان کیے۔ کیسے گیا' کہاں کہاں سے گزرا۔ اس نے اپنا اسلام لانے کا واقعہ جان بوجھ کر نہ بتایا۔ خلیفہ سے ملاقات اور حکم نامہ حاصل کرنے تک ایک ایک بات ان کے گوش گزار کی گئی۔ کاہنوں کے چہروں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ بشاشت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ ہماری آزادی کا وقت آ گیا ہے۔ خلیفہ کی طرف سے واضح آرڈر ہے کہ قاضی کے سامنے اس مقدمہ کو پیش کیا جائے۔ کاہنوں کو مکمل آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دلائل دیں۔ مدعا علیہ قتیبہ بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا اور پھر قاضی جو بھی فیصلہ دے گا اسے نافذ کیا جائے گا۔

چند منٹوں کے بعد وہ بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔ کاہن کو اسے دیکھ کر اعتبار نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہوگا، مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔

آخر کار وہ دن آ گیا جس کا اہل سمرقند کو انتظار تھا۔ بے شمار لوگ اس تاریخی مقدمہ کی کاروائی سننے کے لیے چلے آئے۔ عدالت مسجد میں لگی ہوئی ہے۔ وہ کاہن جن کو کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا تھا، مقدمہ کی پیروی کے لیے حاضر تھے۔ مسلمانوں کا سپہ سالار، قائد، فاتح قتیبہ بن مسلم بھی حاضر ہے۔ سب کے سب قاضی کے منتظر ہیں۔

کاہن کس بات کی امید پر مقدمہ لے آئے ہیں؟ ذرا غور کیجیے، ایک فاتح قوم مفتوح علاقوں سے نکل جائے۔ مقدمہ جس شخصیت پر دائر کیا گیا ہے وہ عظیم قائد اور سپہ سالار ہے۔ نگاہیں مسجد کے دروازوں کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب قاضی داخل ہوتا ہے۔ حاضرین کو بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا؛ ایک چھوٹے قد کا، نحیف جسم کا مالک شخص، معمولی لباس پہنے ہوئے، سر پر عمامہ رکھے دروازے سے داخل ہوا۔ اس کے پیچھے اس کا غلام ہے۔ لوگوں میں سناٹا چھا گیا۔ بعض نے اپنی انگلیاں منہ میں

دبالی ہیں۔ اچھا تو یہ ہے مسلمانوں کا قاضی جو خلیفہ اور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف فیصلہ دے گا۔

قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالی۔ اس کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے کمانڈر کا نام لے کر اسے بلایا جا رہا ہے کہ وہ عدالت کے سامنے حاضر ہو۔ امیر شہر حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اب غلام کاہنوں کے سردار کو بلوا رہا ہے۔ جو امیر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ عدالت کی کاروائی شروع ہوتی ہے۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا:

(إِنَّ الْقَائِدَ الْمُبَجَّلَ قُتَيْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ قَدْ دَخَلَ بَلَدَنَا غَدْرًا مِنْ غَيْرِ مُنَابَذَةٍ وَلَا دَعْوَةٍ إِلَى الْإِسْلَامِ)

"عظیم قائد قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوئے۔ ہمارے لڑائی کا اعلان نہیں کیا گیا اور ہمیں اسلام کی دعوت بھی نہیں دی گئی۔"

قاضی نے اب امیر کی طرف دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو؟

فاتح جرنیل نے قاضی کو دیکھا اور یوں گویا ہوا: قاضی کی خیر ہو،

(إِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ وَهٰذَا بَلَدٌ عَظِيمٌ قَدْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ بِنَا مِنَ الْكُفْرِ وَأَوْرَثَهُ الْمُسْلِمِينَ)

"لڑائی تو دھوکے کی چالوں پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑا ملک ہے، اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی ملکیت اور وراثت میں دے دیا ہے"۔

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں صورتوں میں انکار پر لڑائی کی دعوت دی تھی؟

سپہ سالار: جی نہیں! ایسا تو نہیں ہوا۔

قاضی: (إِنَّکَ قَدْ أَقْرَرْتَ)

’’تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا‘‘۔

اب آگے قاضی کے الفاظ پر غور کریں:

(وَإِنَّ اللّٰهَ مَا نَصَرَ هٰذِهِ الأُمَّةَ إِلَّا بِاتِّبَاعِ الدِّينِ وَاجْتِنَابِ الْغَدْرِ)

’’اللہ رب العزت نے اس امت کی مدد صرف اس وجہ سے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا‘‘۔

(وَإِنَّا وَاللّٰهِ مَا خَرَجْنَا مِنْ بُيُوتِنَا إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا خَرَجْنَا لِنَمْلِكَ الأَرْضَ)

’’اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے‘‘۔

(وَلَا لِنَعْلُوَ فِيهَا بِغَيْرِ الْحَقِّ، حَكَمْتُ بِأَنْ يَخْرُجَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْبَلَدِ)

’’نہ ہی حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد تھا۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلم فوج اس ملک سے نکل جائے۔‘‘

(وَيَرُدُّوهُ إِلَى أَهْلِهِ ثُمَّ يَدْعُوهُمْ وَيُنَابِذُوهُمْ وَيُعْلِنُوا الْحَرْبَ عَلَيْهِمْ)

’’اس کے اصل باشندوں کو حکومت واپس کریں۔ پھر انہیں جزیہ دینے یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیں۔ اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔‘‘

اہل سمرقند اور کاہنوں نے اس فیصلے کو سنا‘ ان کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا‘ ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت ساروں کو تو پتہ ہی نہ چلا کہ عدالت برخاست ہو چکی ہے۔ قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) ایلچی بڑی حیرت سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو خوب غور سے دیکھا۔ اس کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ بڑے

کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا۔ اپنے عقیدے اور منہج کے بارے میں سوچنے لگا: کتنا ہی عجیب وغریب اس کا عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟

اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور' عدل وانصاف کرنے والا دین' یہ دین جس کی بلندیوں کو سورج کی شعائیں اور چاند کی روشنی بھی چھونے سے قاصر ہے۔

میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا۔ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقینا اسلام عدل وانصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔

وہ آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر بیٹھا رہا' سوچتا رہا' سوچتا رہا۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا۔ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقینا اسلام عدل وانصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے دیکھا۔ قاضی کے سامنے کس طرح حاکم سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا کبھی ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہوسکتا ہے۔ وہ ابھی اس غور وفکر میں تھا کہ اسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟

بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ ہاں وہ عظیم فوج جس کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ جس نے قیصر وکسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر رکھ دیا۔ جو طاقت بھی اس کے راستے میں آئی اسے خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ مگر آج وہی فوج ایک نحیف ونزار جسم کے مالک قاضی کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے۔ آج صبح کی بات ہے ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام تھا۔ اس نے مقدمہ کی سماعت کی۔ چند منٹوں کی سماعت۔ عدالت میں دوطرفہ بیانات سنے۔ سپہ سالار کا اقرار اور پھر دو تین فقروں

سمرقند کی ایک خیالی تصویر

پر مشتمل فیصلہ۔ مسلمانوں کے کمانڈر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔

عدالت کے حکم کے مطابق وہ شہر سے نکلنے کے بعد اہل شہر کو لڑائی کی تیاری کے لیے باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ کیا اہل سمرقند اس سیل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلہ کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا باطل دین اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا۔ کیا وہ نور اسلام کا مقابلہ کر پائے گا؟!

نہیں ہرگز نہیں، رب کا فیصلہ آ چکا ہے کہ ظلم وستم کی رات کو ختم ہونا ہے۔ دنیا پر نئی صبح طلوع ہو رہی ہے۔ اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا: تمہاری کیا رائے ہے، ہمیں کیا کرنا چاہیے، کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ ارے جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس نے انہیں پکارا۔ سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا: ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنتے ہو۔ کان اس کی طرف لگ گئے۔ اس نے کہا:

(فَلَقَدْ شَهِدْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)

سمرقند کی ایک خیالی تصویر

''میں تو اس بات کی گواہی دے چکا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

اور اب بڑے کاہن کی باری تھی، وہ بولا: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے پیغمبر اور رسول ہیں۔

پھر سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے مسلم مجاہدین کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لی ہیں۔ اس ملک سے واپس مت جاؤ، ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنوں کا راج بھی دیکھا ہے، ان کے ظلم وستم سے ہم خوب واقف ہیں۔ آپ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ ہم سب نے تمہارے دین کو قبول کر لیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد مسلمان فوج واپس ایک اسلامی ملک میں ان سے لڑنے کے لیے نہیں، بلکہ ان کی حفاظت اور خدمت کے لیے داخل ہو رہی تھی۔

(لَمْ يَبْقَ حَاكِمٌ وَلَا مَحْكُومٌ وَلَا غَالِبٌ وَلَا مَغْلُوبٌ. صَارَ الْجَمِيعُ إِخْوَانًا فِي اللّٰهِ)

''کوئی حاکم و محکوم باقی نہیں رہا، کوئی غالب اور مغلوب نہیں رہا، سب کے سب اللہ کی خاطر بھائی بھائی بن گئے ہیں۔''

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں؛ ہاں فرق کرنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے والے اور خیر کے کاموں میں سبقت حاصل کرنے والے کو فضیلت ضرور حاصل ہے۔

قارئین کرام! اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی نعمت داخل ہوگئی اور اس میں سے آج تک یہ نعمت نکل نہیں سکی۔

(قارئین کرام! یہ مضمون جو آپ نے پڑھا ہے اس کو لکھتے وقت میں نے شیخ علی طنطاوی کی کتاب ''رجال من التاریخ'' سے استفادہ کیا تھا۔)

رعایا کے حقوق کی ادائیگی کا نادر نمونہ

قارئین کرام! ہم اس حاکم کو عادل کہتے ہیں جو نہ صرف انسانوں کے ساتھ بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی شفقت کرتا ہو۔ یہاں میں اس بات کا ضرور ذکر کرنا چاہوں گا کہ عمر بن عبدالعزیز نے حکمران کے لیے عدل و انصاف کے ان ضروری تقاضوں کو اپنے پیارے رسول ﷺ سے سیکھا تھا۔ جن کا فرمان ہے کہ حیوانوں کے ساتھ نرمی کی جائے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک اونٹ آتا ہے یہ آپ کے قریب ہوتا ہے۔ اونٹ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: یہ اپنے مالک کی شکایت کر رہا تھا کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم ڈالتا ہے۔

وہ نبی رحمت تو اس قدر شفیق اور مہربان تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر جانور کو ذبح کرنا ہے تو ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کرلو۔ اسے جانور کے سامنے تیز نہ کرو، کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ پر ان تمام حکمرانوں نے عمل کیا جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں اس عادل حکمران پر جس نے اپنے دورِ حکومت میں مثالی عدل و انصاف قائم کیا۔ ظلم کا خاتمہ کیا، ہمیشہ حق اور مظلوم کا ساتھ دیا۔ ظالم کو آہنی ہاتھوں سے دبوچا اور اپنے بیگانے سب سے انصاف کیا۔

ایک مرتبہ امیر بصرہ نے ایک شخص کو امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ارسال کیا کہ اس شخص کی زمین پر کچھ لوگوں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اس شخص کو اس کا حق واپس دلایا جائے۔ امیر المؤمنین نے معاملے کا جائزہ لے کر اس کی زمین واپس دلوا دی۔ وہ شخص دعائیں دیتا ہوا رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا:

تمہارا بصرہ سے یہاں تک آنے کا کرایہ کتنا لگا ہوگا؟ اس نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ

نے میری لاکھوں کی پراپرٹی واپس دلوادی ہے اور مجھ سے کرایے کی معمولی رقم کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟!

فرمایا: وہ جو زمین تمہیں واپس دلوائی گئی ہے وہ کوئی تم پر احسان نہیں کیا گیا۔ وہ تمہارا حق تھا جو تمہیں دلوایا گیا۔ پھر اپنے خزانچی سے کہا: اس شخص کو ساٹھ درہم کرایے کی مد میں ادا کر دو؛ تاکہ اس پر اپنا حق وصول کرتے وقت کوئی اضافی مالی بوجھ نہ پڑے۔

سیرت نگار اور مؤرخین لکھتے ہیں: عمر بن عبد العزیز خلافت سنبھالنے کے دن سے لے کر اپنی شہادت کے دن تک مسلسل لوگوں کو ان کے حقوق دلواتے رہے اور ظلم وزیادتی سے غصب کردہ اموال اور جاگیریں اصل حقداروں کو واپس کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے امیر المؤمنین کے پاس شکایت کی کہ ولید بن عبد الملک کے بیٹے رَوح نے ان کی کچھ دکانوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ براہ کرم ہمیں وہ دکانیں روح سے واپس لے کر دی جائیں۔ ان سے اس دعوے کا ثبوت طلب کیا گیا تو انہوں نے تسلی بخش ثبوت فراہم کر دیا۔ امیر المؤمنین نے روح سے فرمایا: ان کی دکانیں انہیں واپس کرو۔ روح نے شکایت کرنے والوں کو دھمکی دی کہ تم لوگ اس شکایت کا برا نتیجہ دیکھو گے۔ ان میں سے ایک شخص چپکے سے امیر المؤمنین کے پاس آیا اور انہیں روح کی دھمکیوں سے آگاہ کیا۔ عمر بن عبد العزیز نے پولیس آفیسر کعب بن حامد کو بھیجا کہ جا کر دیکھو، اگر تو روح شرافت سے ان کی جائیداد واپس کر دے تو بہتر، ورنہ تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا۔

کعب بن حامد نے تلوار کا دستہ پکڑا اور تھوڑی سی تلوار باہر نکال کر کہا: ان کی دکانیں واپس کر دو ورنہ...... یہ دیکھ کر روح خوفزدہ ہو گیا اور دکانیں ان کے اصل مالکوں کو واپس کر دیں۔

مساوات محمدی کا دور دورہ

قارئین کرام! آج کے اس دور میں بعض ممالک ، بعض حکمران اور لیڈر مساوات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر جب ہم ان کی شخصی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ان کو بے پناہ مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا رہن سہن اور کھانا پینا بڑا سادہ ہے، مگر جب ان کے محلات کو دیکھتے ہیں یا ان کے وسیع دستر خوان کو دیکھتے ہیں تو ہم کہہ اٹھتے ہیں کہ ساری باتیں کہنے کی حد تک ہیں۔ عملاً مساوات والی کوئی بات نہیں۔ مگر آیئے ذرا اسلامی مساوات کو دیکھتے ہیں جس کی ایک جھلک ہمیں سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں نظر آتی ہے۔

قرآن کریم نے سورۃ الحجرات آیت نمبر 13 میں ہمیں بتایا ہے:

{ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ }

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، پھر تمہیں گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً تم میں اللہ کے ہاں زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔''

اب ذرا اپنے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات کو بھی ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے انسانوں کے درمیان کس طرح کی مساوات کا سبق دیا۔ ارشاد ہوا: لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ (آدم) بھی ایک ہے۔

(أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى)

''خبردار رہو! کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، یا کسی سرخ رنگت والے کو سیاہ رنگت والے پر یا سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں؛ ہاں فضیلت اگر ہوگی تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوگی۔''

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر لوگوں میں مساوات قائم کی۔ قارئین کرام! ہمیں مساوات کے مفہوم کو بھی سمجھنا چاہیے کہ لوگوں میں کوئی چھوٹے قد کا ہے کوئی بڑے قد کا، کسی کا رنگ گورا ہے کسی کا کالا، مگر ایک عادلانہ حکومت لوگوں میں کس قسم کی مساوات قائم کر سکتی ہے۔ اس کا جواب ہمیں سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی سیرت سے ملتا ہے کہ انہوں نے قسم کھائی کہ میں معیشت میں اپنے اور عام آدمی کے درمیان فرق نہیں کروں گا۔ اس کام کا آغاز میں اپنی ذات سے کروں گا؛ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے دور ایک عام آدمی کی آمدن کم از کم اتنی ضرور تھی کہ وہ بڑے آرام سے اپنی زندگی گزار سکے۔ انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی ضرورت سے ہمیں آگاہ کرے تو میری پوری خواہش اور کوشش ہوگی کہ میں اس کی ضرورت کو بہر طور پورا کروں۔

عمر بن عبدالعزیز نے حقیقی معنوں میں مساوات محمدی کا منظر پیش کیا۔ حکومتی عہدوں پر ایک عام اور خاص آدمی کے درمیان فرق کو ختم کر دیا گیا۔ کسی بھی شخص کو اتنا کچھ ہی ملتا تھا جو اس کا حق بنتا تھا۔ انہوں نے خاندان بنوامیہ کے امراء، دیگر خاندانوں کے امراء اور غریب آدمی کے درمیان فرق کو ختم کر کے رکھ دیا۔ پہلے بنوامیہ کے یا بعض مخصوص خاندانوں کے امراء کو عطیات محض اس وجہ سے دیے جاتے تھے کہ اس کا تعلق حکومتی خاندان سے ہے۔ یا اس کا خاندان معزز ہے۔ غیر معروف خاندان سے تعلق رکھنے والوں کو حکومتی عہدوں یا عطیات سے اس لیے محروم کر دیا جاتا تھا کہ ان کے پاس خاص سفارش نہیں ہے یا انہیں کوئی جاننے والا نہیں ہے۔

طبقہ امراء کو خصوصی مراعات اور اموال تحفے میں لینے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ جب ان کے عطیات بند ہوئے تو انہوں نے امیر المؤمنین سے شکایت کی تو اس کا انہوں نے بڑا مختصر مگر واضح جواب دیا۔ میرے پاس تمہارے لیے کوئی خصوصی مراعات نہیں۔ جو اموال بیت المال میں ہیں وہ صرف تمہارے لیے نہیں، بلکہ ان پر عام مسلمانوں کا بھی حق ہے۔ خواہ وہ قریب کے شہر میں رہتا ہو یا

برک الغماد نامی شہر میں واقع مسجد ابوبکر صدیق کے آثار، خلفیہ اول نے حبشہ جاتے ہوءے اس جگہ قیام کیا

مکہ مکرمہ سے دور برک الغماد نامی شہر میں رہتا ہو۔ قارئین کرام! برک الغماد مکہ مکرمہ سے ساحل سمندر پر یمن کی طرف جائیں تو یمن کے قریب ایک ساحلی بستی کا نام تھا۔ عربوں نے جب کہنا ہوتا تھا کہ فلاں شہر بہت دور ہے تو وہ برک الغماد کی مثال دیتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے شکوہ کرنے والوں پر واضح کر دیا کہ بیت المال پر جتنا تمہارا حق ہے اتنا ہی دور دراز کے علاقوں میں رہنے والوں کا حق ہے۔

جب انہوں نے یہ اصول قائم کر دیا تو ان کے ہاں تمام مسلمان برابر تھے۔ جو بھی ضرورت مند ہوتا اسے بیت المال سے مالی اعانت لینے کا حق حاصل تھا۔ ایک اموی امیر نے زمین کا بہت بڑا قطعہ حاصل کر لیا۔ ممکن ہے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے دور سے پہلے کسی خلیفہ سے یہ زمین اپنے نام لکھوالی ہو۔ اب اس زمین کو اپنے جانوروں کے لیے چراہ گاہ بنا لیا۔ یہ وسیع قطعہ اراضی تھا۔ امیر نے اعلان کر دیا کہ اس زمین میں صرف اسی کے جانور چریں گے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: اس چراہ گاہ سے عام مسلمان بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جہاں تک امیر کا تعلق ہے تو وہ بھی ایک عام مسلمان کی طرح ہے۔ ان کی دلیل پر ذرا غور کیجیے، فرمایا:

(إِنَّمَا الْغَيْثُ يُنْزِلُهُ اللّٰهُ لِعِبَادِهِ . فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ)

''جب بارش نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے تمام بندوں کے لیے نازل فرماتا ہے۔ اس لیے تمام لوگ اس میں برابر کے شریک ہیں۔''

عام اور خاص کے درمیان مساوات کو انہوں نے اس طرح عام کیا کہ ایک شخص نے انہیں کسی وجہ سے گالی دی۔ اس مقدمہ کو انہوں نے اسی طرح لیا جس طرح کوئی شخص کسی عام آدمی کو گالی دے تو جو سزا قانون اس صورت میں اسے دیتا ہے وہی اس موقع پر بھی دی جائے گی۔

آپ کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف میں مقدمہ پیش ہوتا ہے کہ کسی شخص نے عمر بن عبدالعزیز کو گالی دی ہے۔ مدینہ کے گورنر ابوبکر ابن حزم نے اپنے طور پر فیصلہ کیا کہ ایسے شخص کی گردن اڑا دینی چاہیے۔ انہوں نے اپنی تلوار نکالی اور گالی دینے والے کو دھمکایا۔ گورنر کی قسمت اچھی تھی کہ اس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو ایک خط میں یہ مقدمہ لکھ بھیجا۔ یہ بھی لکھ دیا کہ میری تو خواہش تھی کہ ایسے شخص کی گردن اتار دوں۔ اس خط کا جواب جلد ہی مل جاتا ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا: (لَوْ قَتَلْتَهُ لَقَتَلْتُکَ بِهِ) ''اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میں اس کے بدلہ میں تمہیں قتل کر دیتا۔'' یاد رکھو! کوئی شخص گالی دینے کے جرم میں قتل نہیں کیا جائے گا؛ ہاں اگر کوئی بدبخت اللہ کے نبی ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

یاد رکھو! کوئی شخص گالی دینے کے جرم میں قتل نہیں کیا جائے گا؛ ہاں اگر کوئی بدبخت اللہ کے نبی ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

جب تمہارے پاس یہ خط پہنچے تو اس شخص کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کرو۔ اگر یہ توبہ کر لیتا ہے تو اسے چھوڑ دو۔

معزز قارئین کرام! شاتم رسول ﷺ کے قتل کا فیصلہ بھی حکومت اور اس کی ماتحت عدالت کرے گی۔ شاتم رسول پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے گا۔ جرم ثابت ہونے پر عدالت اپنا فیصلہ سنائے گی اور حکومت ہی اسے قتل کرے گی۔ کوئی عام شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا اور نہ اس کی اجازت ہے۔

زمانہ خلافت میں حج کا ارادہ

حج کا موسم قریب آیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام مزاحم سے فرمایا: میرا حج کرنے کو جی چاہتا ہے، تمہارے پاس میرے مال میں سے کوئی رقم باقی ہے۔

اس نے عرض کیا کہ دس درہم سے کچھ زائد موجود ہیں۔ فرمایا: کیا ان سے حج ہو جائے گا؟

چند دن بعد مزاحم نے عرض کیا: امیر المؤمنین! تیاری کر لیجیے، ہمیں بنو مروان کے مال سے سترہ ہزار دینار مل گئے ہیں۔ فرمایا: ان کو بیت المال میں داخل کر دو، اگر یہ حلال کے ہیں تو ہم بقدر ضرورت لے چکے ہیں اور اگر حرام کے ہیں تو جتنا ہم کھا چکے ہیں وہی بہت ہے۔

مزاحم کہتے ہیں کہ جب عمر نے دیکھا کہ مجھے یہ بات گراں گزری ہے تو آپ نے فرمایا: دیکھو! مزاحم! جو کام میں اللہ کے واسطے کیا کروں اسے گراں نہ سمجھا کرو، میرا نفس بلند سے بلند مرتبے کا مشتاق رہتا ہے، جب بھی اسے کوئی مرتبہ حاصل ہوا فوراً اس نے اس سے بلند تر مرتبہ کی تگ و دو شروع کر دی۔

دنیا کے مناصب میں سب سے بلند تر اور آخری منصب خلافت ہے وہ اس نے حاصل کر لیا۔ اب وہ صرف جنت کا مشتاق ہے۔

پرانے وقتوں کے حج کی تصویر

عمر بن عبدالعزیز کے بعض اقوال

- اس شخص کی امیدوں کا دامن وسیع نہیں ہونا چاہیے جسے معلوم نہیں شاید وہ صبح کے بعد شام تک اور شام کے بعد صبح تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ شاید صبح و شام کے درمیان موت آ کر اسے اچک لے۔
- دیکھو میں موجد نہیں بلکہ پیروکار ہوں۔
- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔
- گناہ لوگوں کی گردنوں کے طوق ہیں اور پوری پوری ہلاکت گناہوں پر اصرار کرنا ہے۔
- اپنے دشمنوں سے جہاد کی طرح اپنی خواہشوں سے بھی جہاد کرو۔
- اللہ سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں درمیانی راہ اختیار کرو۔
- نعمتوں کو شکر سے اور علم کو لکھ کر مقید کر لو۔
- کوئی بھی دو چیزیں علم اور قدرت وعفو کے ملنے سے بہتر نہیں۔
- لوگوں سے میل جول عقلوں کے لیے پیوند ہے۔
- میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو نہیں دیکھا جو مظلوم سے زیادہ مشابہ ہو۔ اسے دائمی غم اور لگاتار حسد رہتا ہے۔
- وہ شخص جس کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی زندہ باپ نہ ہو، موت میں ڈوبا ہوا ہے۔
- جس نے اپنا دین خصومات کا ہدف بنا لیا، وہ بہت جلد اسے چھوڑ دے گا۔
- جس شخص میں تین خوبیاں ہوں وہ کامل انسان ہے۔ جو غصہ میں حق سے باہر نہ ہو۔ رضا میں باطل نہ ہو۔ قدرت پانے پر معاف کر دے اور بدلہ لینے سے باز رہے۔

تراشے

آپ نے ایک مظلوم کے قصہ میں یہ تبصرہ لکھا:

''عدل تمہارے سامنے ہے۔

ایک شخص کے پرچہ پر جس نے اس میں اپنی بیوی کی شکایت لکھی تھی یہ تحریر لکھی:

''حقوق'' میں تم دونوں برابر ہو۔

ایک شخص کے رقعہ پر جس میں اس نے اپنے بیٹے کی شکایت لکھی تھی، یہ تحریر لکھی: اگر میں تجھ سے اس کے بارے میں انصاف نہ کروں تو تیرے حق میں میں ظالم ہی ہوں گا۔

عمر بن عبدالعزیز کے فضائل ومناقب

جہاں تک خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی شخصی زندگی کی بات ہے تو وہ بہت ہی تقویٰ شعار اور عبادت گزار تھے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے مصلیٰ (نماز گاہ) میں داخل ہو جاتے اور قبلہ رخ ہو کر کھلی زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنا چہرہ مٹی میں لوٹ پوٹ کر کے روتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

عمر بن عبدالعزیز پر موت کا ڈر چھایا ہوا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور آپ کے دل و دماغ پر پورے طور سے چھا گیا تھا۔ یہ خوف بچپن ہی سے آپ پر مسلط تھا۔ کم سنی میں جب کبھی آپ کو موت کا خیال آتا تھا تو آپ رونے لگتے تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ کو معلوم ہوا کہ آپ رو رہے ہیں۔ رونے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ اس وقت آپ قرآن پاک کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ قرآن ہر سینے کو اس کے غم سے شفا دیتا ہے۔ آپ کی والدہ نے آدمی بھیج کر رونے کا سبب معلوم فرمایا: آپ نے کہا: مجھے موت یاد آ گئی تھی۔ پھر جب خادم نے رونے کا سبب آپ کی والدہ کو بتایا تو والدہ بہت زیادہ رونے لگیں۔ آپ اس لیے روئیں کہ آپ کو بھی موت یاد آ گئی۔ اور اس لیے بھی کہ آپ کے بیٹے کو بچپنے میں ہی خیال آ رہا ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔

موت کے خوف کے دائرے کی دن بدن وسعت

آپ کے دل میں موت کے خوف کا دائرہ دن بدن بڑا اور وسیع ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جوں جوں آپ سن رشد کی طرف قدم بڑھاتے جا رہے تھے، یہ دائرہ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ حالانکہ بالعموم نوجوانوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات نہیں آیا کرتے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز میں یہ دونوں متضاد باتیں ساتھ ساتھ جاری تھیں اور دوش بدوش یا امتزاجی شکل میں چل رہی تھیں۔ بلکہ موت کا ڈر اس وقت پورے شباب پر ہوتا ہے اور زور پکڑ جاتا ہے جب عمر بن عبدالعزیز کے پیروں کے نیچے دنیا آ جاتی ہے اور اس سے ہر طرح سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آپ کے دل و دماغ میں کسی دوسری فکر کے آنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ نہ کبھی آپ کے دل سے فکر موت ہٹا تھا کہ ایک وقت ہو اور دوسرے وقت نہ ہو۔

دنیا سے بیزاری اور آخرت سے محبت

جب عمر بن عبدالعزیز نے دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال پھینکی اور وہ خواہشیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں جو دل کی مٹی سے پھلتی پھولتی ہیں۔ جب آپ نے عیش و آرام اور لذتوں پر خاک ڈال دی تو آپ کا نفس آپ کا تابعدار بن گیا، خواہ وہ کتنا ہی قوی تھا۔ وہ دینی آداب و اخلاق سے آراستہ ہو گیا اور آپ نے عزم بالجزم کر لیا کہ آپ جنت تک لے جانے والے راستہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ حالانکہ جنت کے اور انسان کے درمیان ایک انتہائی دشوار گزار تنگ گھاٹی ہے جسے دبلا پتلا شخص ہی عبور کر سکتا ہے۔

قبروں کی زیارت بڑی عبرت ناک ہے

عمر بن عبدالعزیز کے رنگ کو بدلنے والی اور آپ کے شباب کی تازگی کو ختم کر دینے والی قبرستان کی زیارت سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپ کے ساتھ قبرستان گیا۔ آپ قبریں دیکھ کر رونے لگے، پھر آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ ابوایوب! یہ

میرے خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ گویا انہوں نے دنیا میں عیش و آرام کیا ہی نہ تھا؟ کیا تم انہیں پچھڑے ہوئے نہیں دیکھ رہے ہو؟ ان پر عبرتیں ہیں اور ان پر بوسیدگی نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں اور سوتے سوتے ان کے جسموں پر کیڑے مکوڑے تیر گئے ہیں۔ پھر آپ دیر تک روتے رہے۔ پھر ذرا ہوش میں آئے تو فرمایا: آؤ چلیں! میرے خیال میں ان سے بڑھ کر کسی کو آرام و راحت نصیب نہیں جو قبروں میں اتر کر اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

عمر بن عبدالعزیز نے موت کے سلسلے میں اپنے کانوں سے اور دل سے واعظوں کے اقوال سنے:

ایک دن یزید رقاشی آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے کہا: مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ بولے: امیر المؤمنین! آپ اس وقت خلیفہ ہیں، مگر فوت ہو جائیں گے۔ فرمایا: اور فرمایئے، کہنے لگے: جنت اور جہنم کے درمیان کوئی اور گھر نہیں!

خود عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانے میں موت کے سب سے بڑے واعظ تھے۔ آپ کثرت سے بطور تمثیل یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ جس کا ترجمہ یوں ہے:

''وہ شخص کہ جب اس کے چہرے پر دھوپ اور غبار پڑتا تھا تو وہ تغیر اور پراگندگی سے ڈرتا تھا۔ وہ اپنے چہرے کی رونق و تازگی کو برقرار رکھنے کے لیے سایہ میں رہنے کا عادی تھا۔ وہی شخص عنقریب قبر کی مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگا۔''

عمر بن عبدالعزیز اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہتے تھے اور شدت خوف سے مرغ بسمل کی طرح تڑپا کرتے تھے۔

جب فاطمہ بنت عبدالملک سے آپ کی عبادت کے بارے میں پوچھا گیا تو بولیں اللہ کی قسم! آپ کثرت سے نمازیں نہ پڑھتے اور بہت زیادہ روزے نہ رکھتے تھے، لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ جب آپ کو بستر پر اللہ تعالیٰ کا تصور آجاتا تو شدت خوف سے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے تھے۔ حتی کہ ہمیں محسوس ہوتا کہ شاید صبح تک آپ ختم ہو جائیں گے۔

عمر بن عبدالعزیز کا زہد

ابن عیاش کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز کے مکان کے صحن سے کمرے کے اندر جانے کے لیے دو سیڑھیاں تھیں۔ یعنی مکان کا کمرہ صحن سے نشیب میں تھا، دو قدموں کے ذریعہ اس میں اترتے تھے، ان میں سے ایک سیڑھی اکھڑ گئی۔ آپ کے اعزہ میں سے کسی صاحب نے اس کی مرمت کروادی؛ تاکہ آپ کو اترنے میں دقت نہ ہو۔ عمر بن عبدالعزیز تشریف لائے اور اس پر نظر پڑی تو فرمایا: اسے کس نے ٹھیک کروایا؟ عرض کیا گیا: فلاں صاحب نے اس کی اصلاح کردی ہے۔ فرمایا: اسے بلاؤ، وہ صاحب آئے تو ان سے فرمایا: افسوس ہے تجھے اس پر حسد ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز اینٹ پر اینٹ رکھے بغیر دنیا سے چلا جائے؟ یعنی میں اپنے لیے کوئی بھی تعمیراتی کام کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ اصلاح کے بعد تخریب نہ ہوتی تو میں اسے پہلی حالت کی طرف لوٹا دیتا۔

امیر المؤمنین کے ہاں زیان کی آمد

ایک مرتبہ زیان بن عبدالعزیز عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔ کچھ دیر تک باتیں ہوئیں، پھر آپ نے فرمایا: یہ رات میرے لیے بڑی لمبی ہو گئی اور اس میں نیند کم آئی، میرا خیال ہے اس کا سبب وہ کھانا تھا جو رات میں نے کھایا۔ زیان نے پوچھا: کھانا کیا تھا؟ فرمایا: مسور اور پیاز۔ زیان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو بڑی کشائش دے رکھی ہے، مگر آپ خود ہی اپنی جان پر تنگی ڈالتے ہیں۔ زیان نے آپ کو ملامت کے انداز میں فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا: میں نے تجھے اپنی حالت بتا دی اور اپنا بھید تجھ پر کھول دیا، مگر میں نے تجھے خیر خواہ نہیں بلکہ بد خواہ پایا۔ قسم کھاتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔

امیر المؤمنین کا صبح وشام کا کھانا

ابو اسلم کہتے ہیں: مجھ سے عمر بن عبدالعزیز کے ایک حبشی غلام نے بیان کیا: سردیوں کے دن تھے۔ میں ''دیر سمعان'' میں عمر بن عبدالعزیز کے مکان پر گیا۔ دیکھا کہ آپ ایک کونے میں بیٹھے دھوپ تاپ رہے ہیں اور ایک چادر لپیٹ رکھی ہے۔ ابو اسلم نے اپنا کپڑا سر پر رکھا اور اسے رخساروں کی جانب سے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور دونوں کہنیاں گھٹنوں پر رکھ کر کہا: حبشی غلام نے مجھے عمر بن عبدالعزیز کے بیٹھنے کا نقشہ اس طرح بتایا تھا۔

میں قریب گیا تو سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: بیٹھو، میں بیٹھ گیا آپ نے پھر فرمایا: نیچے ہو جاؤ۔ میرے دل میں خیال ہوا کہ آپ جوتے اتارنے کو فرما رہے ہیں۔ میں نے جوتے اتار دیے۔ پھر آپ مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ میں کچھ بے تکلف اور مانوس ہوا تو یہ مناسب نہ لگا کہ میں آپ کو یا سیدی کہہ کر خطاب کروں کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ ہو۔ اس لیے میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں؟ فرمایا میں نے کپڑے دھوئے ہیں۔ عرض کیا: کتنے کپڑے ہیں آپ کے؟ فرمایا: بس قمیص اور تہبند کی چادر، ذرا دیر بعد عمرو بن مہاجر آئے۔ یہ آپ کے پہرے دار تھے۔ ان سے فرمایا: تم کہاں تھے؟

کہنے لگے: میں باہر ایک ذمی کی دادرسی کر رہا تھا۔ فرمایا: فلاں کو بلاؤ، ذرا سی دیر میں ایک نوجوان آیا۔ آپ نے اسے فرمایا: اس غلام کا کھانا ابھی لاؤ۔ وہ فوراً ایک موٹی سی صحنک لے آیا، جس میں روٹی کے ٹکڑوں پر پانی، نمک اور زیتون ڈالا ہوا تھا، فرمایا: کھاؤ۔ جب میں کھانے لگا تو آپ اٹھ کر چلے گئے اور پیچھے سے ان کی پنڈلیوں کی چمک چادر کے نیچے سے مجھے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

یہ تو آپ کے پاس میرے دن کا قیام کا واقعہ تھا اور جب رات ہوئی تو مؤذن نے مغرب کی اذان دی۔ آپ نکلے اور نماز پڑھی، ہم چار آدمی تھے۔ ایک میں، دوسرے عمرو بن مہاجر، اور دو آدمی انصار کے جو مدینہ سے آئے تھے۔ آپ نماز سے واپس تشریف لائے تو میں اور دونوں انصاری اوپر بالا خانے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں وہی صحنک جس میں صبح کے وقت کھانا کھایا تھا، پھر آ گئی۔ اب اس

میں مسور کی دال کا ثرید تھا، جس پر پیاز کے تراشے ڈالے گئے تھے۔ یہ صحنک آپ کے خدام اور دربان کے لیے تھی۔ خادم نے یہ صحنک پیش کرتے ہوئے کہا: اگر امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے ہاں اس کے علاوہ کوئی اور کھانا ہوتا تو تمہیں ضرور کھلایا جاتا۔ خود آپ نے بھی اسی سے روزہ افطار کیا۔

عمر بن عبدالعزیز اور آپ سے پہلے کے تین خلفاء

عبدالرحمن بن سلیمان بن عبدالملک کہتے ہیں: ایک روز میں عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے خادم مزاحم بھی موجود تھے۔ آپ ایک کھردرے سے گدے پر تشریف فرما تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا:

عبدالرحمن! قریب آ جاؤ، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ گدے پر بٹھا لیا۔ پھر فرمایا: عبدالرحمن ان تینوں نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا: وہ تینوں کون؟ فرمایا: تیرا دادا (عبدالملک) تیرا باپ (سلیمان) اور تیرا چچا (ولید)۔ میں نے عرض کیا: آپ کی طرح انہوں نے بھی خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، پھر بلاوا آیا تو چل دیے۔ فرمایا: میں ان کا قصہ بتاؤں؟ عرض کیا: ضرور، فرمایا: دوسروں کی طرح میں بھی تیرے دادے عبدالملک کی صحبت میں رہا ہوں۔ اس کی تیمارداری میں بھی شریک رہا۔ اس کے دفن میں بھی اوروں کے ساتھ شرکت کی۔ میں نے کسی کو اس سے زیادہ دنیاوی امور میں سمجھدار نہیں دیکھا۔

پھر یہ تمام چیزیں تیرے چچا ولید بن عبدالملک کے سپرد ہوئیں، میں اس کے پاس بھی رہا اس کی تیماری داری میں بھی شریک رہا۔ دوسروں کے ساتھ اس کے دفن میں حصہ لیا۔ میں نے کسی کو اس سے بڑھ کر دنیا پر غالب نہیں دیکھا۔

پھر یہ ساری چیزیں تیرے باپ سلیمان بن عبدالملک کے سپرد ہوئیں، زندگی بھر میرا ان کا ساتھ رہا۔ ان کی تیماری داری اور کفن دفن میں بھی شریک ہوا۔ میں نے ان سے کھانوں کا شوقین کسی کو نہیں دیکھا۔

اب یہ دنیا میری طرف متوجہ ہوئی ہے اور مجھ سے میرے دین کا سودا کرنا چاہتی ہے۔ یہ فرماتے

ہوئے آپ پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار رو پڑے۔ یہ دیکھ کر آپ کے خادم مزاحم نے کہا: عبدالرحمن! تم اٹھ جاؤ امیر المؤمنین کو خلوت مہیا کرو۔ میں اٹھ کر ابھی مکان کے دروازے تک نہیں پہنچا تھا کہ آپ کے رونے کی آواز اس طرح بلند ہونے لگی، جیسے بیل کے ڈکارنے کی آواز ہو۔

ایک حکیمانہ نصیحت

مسلمہ بن عبدالملک فرماتے ہیں: میں نماز فجر کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے خلوت خانے میں حاضر ہوا۔ یہاں کوئی اور شخص داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک لونڈی عمدہ قسم کی کھجوروں کا تھال لائی، یہ آپ کو بہت مرغوب تھیں۔ آپ نے دونوں ہاتھ سے کچھ کھجوریں اٹھائیں اور فرمایا: مسلمہ! اگر کوئی شخص ان کو کھا کر پانی پی لے۔ کیونکہ کھجور پر پانی پینا بڑا اچھا رہتا ہے۔ تو کیا خیال ہے رات تک کے لیے کافی ہوں گی؟ میں نے عرض کیا: مجھے خبر نہیں۔ پھر اس سے کچھ زیادہ اٹھا کر فرمایا: اور اتنی؟ عرض کیا: ہاں امیر المؤمنین! اس سے کم بھی کافی ہو سکتی ہیں اور اتنی کافی کہ ان کے بعد پھر کسی اور کھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ فرمایا: پھر آخر کس لیے کھانے میں اسراف کر کے آگ میں داخل ہوتے ہیں۔ مسلمہ کہتے ہیں: یہ نصیحت مجھے جتنی کارآمد ہوئی کبھی کوئی نصیحت اتنی کارآمد ثابت نہیں ہوئی۔

اہل علم کی قدر شناسی

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھ سے میراث کا ایک مسئلہ دریافت کیا، میں نے اس کا جواب عرض کیا تو آپ نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا:

میمون میں نے دیکھا ہے کہ قابل مردوں کی ملاقات سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔

اہلیہ کی گواہی

ایک مرتبہ لوگوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد آپ کی بیگم محترمہ سے دریافت کیا کہ اللہ کے واسطے عمر بن عبدالعزیز کے معمولات کے بارے میں کچھ بتائیں؟ تو آپ کی بیگم نے جواب دیا: اللہ کی قسم! وہ رات بھر نہیں سوتے تھے۔ اللہ کی قسم! ایک رات میں ان کے قریب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے آنسو جھاڑ رہے ہیں جیسے بارش سے بھیگی ہوئی چڑیا اپنے جسم سے بارش کا پانی جھاڑتی ہے۔ میں نے عرض کیا: آپ کو کیا ہو گیا ہے امیر المؤمنین؟! فرمایا: تم پوچھتی ہو مجھے ہو کیا گیا ہے؟!

امتِ محمدیہ کے امور کی ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر آ چکی ہے۔ ان میں انتہائی کمزور بھی ہیں اور بھوکے پیاسے فقیر و مسکین بھی اور بیوائیں بھی ہیں۔ پھر کیوں نہ روؤں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے دریافت فرمائے گا، پھر میں کیا جواب دوں گا؟!

ایک مرتبہ عید کے روز مسلمانوں کو عید کی نماز پڑھانے کے بعد اپنے خچر پر سوار ہو کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے۔ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا: آپ لوگ تھوڑا سا میرا انتظار کریں۔ وزرا، امراء، صلحا اور عوام الناس سب ٹھہر گئے۔ آپ اپنے خچر سے اترے اور اس قبرستان میں جا کر کھڑے ہو گئے جس میں بنو امیہ کے خلفا، امراء اور رؤسا مدفون تھے، اور وہاں آپ نے کچھ اشعار پڑھے۔

پھر آپ روتے روتے بیٹھ گئے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں، پھر لوگوں کے پاس واپس آئے اور فرمایا:

(أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ؟)

''جانتے ہو کہ موت نے کیا جواب دیا ہے؟''

لوگوں نے عرض کی: نہیں جانتے۔

آپ نے فرمایا: موت کہہ رہی تھی: میں نے دونوں آنکھوں کی سیاہی سے ابتدا کی، چنانچہ پہلے میں

نے دونوں آنکھیں کھالیں، پھر میں نے دونوں کہنیوں سے ہتھیلیاں الگ کیں، پھر دونوں کہنیوں کو بازوؤں سے الگ کیا، پھر دونوں بازوؤں کو کندھوں سے الگ کیا۔ پھر میں نے دونوں پاؤں کو پنڈلیوں سے الگ کیا، اور دونوں پنڈلیوں کو گھٹنوں سے علیحدہ کیا اور دونوں گھٹنوں کو رانوں سے الگ کیا، پھر ایک ایک کر کے سب کو کھا گئی۔

ایک روز خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کھڑے ہوئے اور فرمایا:

(وَاللّٰهِ! لَا أَعْلَمُ ظَالِمًا إِلَّا أَنْصَفْتُكُمْ مِنْهُ وَلَا يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ أَحَدٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ وَلَوْ كَانَ ابْنِي)

''اللہ کی قسم! جس ظالم کی خبر مجھے پہنچے گی میں تمہیں اس سے انصاف دلاؤں گا۔ اور میرے اور ظالم کے درمیان کوئی آدمی رکاوٹ نہیں بن سکتا حتی کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق واپس دلا دوں، خواہ وہ ظالم میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔''

لوگوں نے آپ کی بات سن کر عرض کی: آپ کی بات مبنی برحق ہے۔

آپ رات کی تاریکی میں گھوم گھوم کر پوچھتے رہتے کہ ہے کوئی مریض جس کی میں عیادت کروں؟ ہے کوئی بیوہ جس کی دیکھ بھال کرسکوں؟ ہے کوئی بھوکا جس کو کھانا کھلاسکوں؟

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں یہ دستور تھا کہ نماز جمعہ کے بعد آپ کے نمائندے رجسٹر لے کر کھڑے ہو جاتے جس میں ضرورت مند لوگوں کے نام درج تھے۔ پھر آپ طالبعلموں، یتیموں، مسکینوں، مریضوں، بیواؤں، محتاجوں اور مفلسوں کے درمیان عطیات تقسیم فرماتے تھے۔ نماز کے بعد یہ سارے محتاجین بیک زبان پکار اٹھتے:

(اللّٰهُمَّ اسْقِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيزِ مِنْ سَلْسَبِيلِ الْجَنَّةِ)

''اے پروردگار! خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب فرما۔''

خلافت کا عہدہ سنبھالنے سے قبل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز موٹے تازے تھے، لیکن خلافت کے بعد انتہائی کمزور ہو گئے۔ ایک عالم دین کا کہنا ہے کہ جس زمانے میں عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ میں والی تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کا جسم بھرا ہوا، ملائم، موٹا تازہ اور گورا تھا۔ لیکن جب خلافت کی ذمہ

داری سنبھالی تو طوافِ کعبہ کے دوران کمزوری ولاغری کی وجہ سے آپ کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔

زیاد نامی ایک عالم دین خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ پھیکا پھیکا ہے، صورت رونے کی سی ہے، آنسوؤں کا اثر پلکوں سے عیاں ہے، بھوک اور فقر و فاقہ کا اثر رخساروں سے ظاہر ہے اور کپڑے پھٹے ہوئے اور ان کو پیوند لگے ہوئے ہیں۔ زیاد نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! وہ محل کہاں ہیں جن میں آپ رہائش پذیر تھے، وہ شاہی پوشاکیں کہاں گئیں جنھیں آپ زیب تن کیا کرتے تھے۔ وہ ناز و نعم کدھر گئے جن میں آپ خوش و خرم زندگی گزارا کرتے تھے؟

خلیفہ نے فرمایا:

(كَيْفَ بِي لَوْ رَأَيْتَنِي بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِذَا طُرِحْتُ فِي الْقَبْرِ وَقُطِعَتْ أَكْفَانِي وَسَارَتِ الدُّودُ عَلَى خَدِّي وَأَكَلَ عَيْنِي وَوَقَعَ التُّرَابُ فِي أَنْفِي وَاللّٰهِ! لَقَدْ كُنْتُ أَشَدَّ تَغَيُّرًا مِمَّا تَرَاهُ)

”جب میں قبر میں دفن کر دیا جاؤں اور آپ کی نگاہ میرے اوپر اس حالت میں پڑے کہ میرا کفن چیتھڑا چیتھڑا ہو چکا ہو، میرے رخساروں پر کیڑے مکوڑے چل رہے ہوں، میری آنکھیں کھا چکے ہوں اور میری ناک پر مٹی پڑی ہو، تو ذرا بتلائیں کہ میں آپ کو کیسا دکھائی دوں گا؟ اللہ کی قسم! جو تغیر آپ میرے اندر دیکھ رہے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ بدتر دکھائی دوں گا!!“

پند و نصیحت سے تأثر

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا، اس وقت آپ کے سامنے چولہا رکھا تھا جس میں آگ سلگ رہی تھی۔ آپ نے ان صاحب سے کہا: مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، اس نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ کو کسی کے جنت میں داخل ہو جانے سے کیا فائدہ؟ جب کہ آپ خود جہنم میں جا رہے ہوں اور کسی کے جہنم میں داخل ہونے سے آپ کا کیا نقصان؟ جب آپ خود جنت میں جا رہے ہوں؟ یہ سن کر عمر اتنا روئے کہ سامنے رکھا آگ کا چولہا آپ کے آنسوؤں سے بجھ گیا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھا: اما بعد! دنیا کو یوں سمجھو گویا وہ تھی ہی نہیں اور آخرت کو یوں سمجھو گویا وہ ہمیشہ سے ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے یوں سمجھو کہ بس وہ ہو چکا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حسن بصری رحمہ اللہ ہی نے عمر بن عبدالعزیز کو یہ بھی لکھا: اما بعد! بڑے ہولناک واقعات اور ہوشربا حالات آپ کے آگے آنے والے ہیں۔ یعنی موت اور موت کے بعد کے حالات ان میں سے آپ نے ابھی تک کچھ بھی تو قطع نہیں کیا، اور اللہ کی قسم! ان کے مشاہدہ اور معائنہ سے کوئی مفر نہیں۔ یہ مشاہدہ یا تو سلامتی کے ساتھ ہو گا یا ہلاکت کے ساتھ، غور فرمائیے کیا آپ نے سلامتی کا راستہ اختیار کر رکھا ہے یا ہلاکت کا...... والسلام

علم اور علماء سے محبت

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: ''اگر تم سے ہو سکے تو عالم بنو، یہ نہ ہو تو متعلم بنو۔ اتنا بھی نہ کر سکو تو کم ازکم یہ ضرور کرو کہ علماء سے محبت ہی رکھو۔ اگر تم سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اتنا تو ہو کہ علمائے کرام سے بغض تو نہ رکھو۔ فرمایا: جس نے اس نصیحت کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نکال ہی دے گا۔''

گورنر کے خلاف شکایت پر اس کی سرزنش

عمر بن عبدالعزیز نے غزوہ بن عیاض بن عدی کو مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ ایک مرتبہ عمر مکہ سے تشریف لا رہے تھے۔ کچھ لوگ الوداع کہنے کے لیے آپ کے ساتھ آ رہے تھے۔ مرالظہر ان پہنچے تو گورنر مکہ بھی ساتھ تھے۔

ایک شخص نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو نیکی کی توفیق دے۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے اور مشکل یہ ہے کہ میں اسے بیان بھی نہیں کر سکتا۔ آپ نے گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا:

بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اس سے حلف لے رکھا ہے کہ وہ تمہارے خلاف حرف شکایت

بھی زبان پر نہیں لا سکتا۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو بلا خوف و خطر ٹھیک بتاؤ۔''

اس نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی دے اس نے گورنر کی طرف اشارہ کر کے کہا: مجھ سے میرے مال کا سودا کرنا چاہا۔ یہ چھ ہزار درہم دیتا تھا، میں اتنے پر فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

ادھر میرے ایک قرض خواہ نے اس کے پاس استغاثہ دائر کیا۔ اس نے پکڑ کے مجھے جیل میں ڈال دیا اور جب تک میں نے اپنا مال تین ہزار میں اس کو نہیں دے دیا اس نے مجھے رہا نہیں کیا۔ اس نے مجھ سے طلاق کی قسم لی ہے اگر کبھی میں اس کی شکایت کروں گا تو میری بیوی کو طلاق۔

عمر بن عبدالعزیز نے گورنر مکہ کی طرف دیکھا۔ اپنے ہاتھ کی چھڑی اس کی آنکھوں کے درمیان نشان سجدہ میں چبھوتے ہوئے فرمایا:

تیرے ماتھے کی اس محراب نے مجھے فریب دیا۔'' پھر اس شخص سے فرمایا: جاؤ! تمہارا مال واپس کیا جاتا ہے اور تم پر قسم بھی نہیں پڑی۔ اس لیے کہ اس قسم کے جبر و اکراہ کی صورت میں قسم مؤثر نہیں ہوتی۔

عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں عام لوگوں کی خوشحالی

ایک اسلامی حکومت میں خیر و برکات کس طرح نازل ہوتی ہیں کہ عدل و انصاف پر مبنی حکومت کو قائم ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرتا ہے کہ ہر طرف خیر و برکت اور خوشحالی کا دور دورہ نظر آنے لگتا ہے۔ آیئے تاریخ کے حوالے سے ایک منظر دیکھتے ہیں:

زید بن خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز صرف ڈھائی سال یعنی تیس ماہ تک خلیفہ رہے۔ اتنی مختصر مدت میں حالات اس قدر بہتر ہو گئے کہ ایک شخص ہمارے پاس اچھی خاصی رقم لاتا اور کہتا:

آپ کی نظر میں جو ضرورت مند ہوں ان کو یہ مال دے دیجیے۔ بڑی دوڑ دھوپ اور پوچھ گچھ کے بعد بھی ہمیں کوئی آدمی ایسا نہ ملتا جسے یہ مال دے دیا جائے۔ بالآخر اسے وہ مال واپس لے جانا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاتھوں لوگوں کو اتنا غنی کر دیا تھا۔

لوگوں کے رویوں پر حکمرانوں کا اثر

عربی کا ایک مقولہ ہے: ف لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ جیسا بادشاہ ہوتا ہے ویسی ہی عموماً اس کی رعیت ہوتی ہے۔

اب ذرا دیکھیں کس خلیفہ کے دور میں کیا ہوتا رہا:

حجاج بن یوسف کا دور قتل و غارت کا اور فتنہ وفساد کا دور تھا۔ کتنے ہی لوگ جیلوں میں ٹھونسے گئے۔ کتنے ہی قتل کر دیے گئے۔ صبح سویرے لوگوں میں اس قسم کی گفتگو ہوتی:

مَنْ قُتِلَ الْبَارِحَةَ وَمَنْ صُلِبَ وَمَنْ جُلِدَ

''کل کس کو قتل کیا گیا۔ کون سولی پر چڑھایا گیا اور کس کو کوڑے مارے گئے''۔

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک عمارتیں بنانے اور کارخانے لگانے کا شوقین تھا۔ لوگ اس کے دور میں ایک دوسرے سے بلڈنگیں بنانے' کارخانے لگانے' نہریں کھودنے اور شجر کاری کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

> واللہ! اگر میرے پاس مدینہ کے گورنر کا ایلچی آتا تھا تو میں گھبرا جایا کرتا تھا' اب جب کہ میرے پاس رب العلمین کا ایلچی آ رہا ہے تو میں کیوں نہ گھبراؤں؟

اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا۔ وہ کھانے پینے کا شوقین تھا۔ گانے بجانے سے بھی دل لبھا لیتا تھا۔ لوگ قسم ہا قسم کے کھانوں کی باتیں کرتے۔ مغنیات اور لونڈیوں کا ذکر ہوتا اور مجالس میں شادی بیاہ اور تقریبات کے حوالے سے گفتگو ہوتی۔

جب عمر بن عبدالعزیز کا مبارک دور آیا تو لوگ ایک دوسرے سے اس طرح کی باتیں پوچھتے: تم نے کتنا قرآن پاک حفظ کر لیا ہے؟ رات میں کتنے نوافل پڑھے ہیں؟ اس ماہ میں کتنے روزے رکھے ہیں؟ فلاں نے کتنا قرآن پڑھ لیا ہے اور فلاں کا کب ختم ہوگا؟۔

(ایک مرتبہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حاضرین مجلس کو

مدینہ کے ایک شخص کے متعلق بتایا کہ جب اُس کا آخری وقت آیا تو وہ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔ اُسے کہا گیا: تم اتنے گھبرا کیوں رہے ہو؟ وہ کہنے لگا: میں کیوں نہ گھبراؤں۔ واللہ! اگر میرے پاس مدینہ کے گورنر کا ایلچی آتا تھا تو میں گھبرا جایا کرتا تھا' اب جب کہ میرے پاس رب العلمین کا ایلچی آرہا ہے تو میں کیوں نہ گھبراؤں؟

(عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک شخص سے پوچھا: تمہاری قوم کا سردار کون ہے؟ وہ شخص کہنے لگا: میں۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز نے کہا: اگر تم واقعی اپنی قوم کے سردار ہوتے تو ایسا کبھی نہ کہتے۔

دین پر آنکھیں قربان کرنے والا قیدی

عمر بن عبدالعزیز نے شاہ روم کے پاس ایک سفیر بھیجا۔ یہ سفیر ایک دن بادشاہ کے پاس سے اٹھا تو گھومتے پھرتے ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک شخص کے قرآن پڑھنے اور چکی پیسنے کی آواز آرہی تھی۔ یہ اس کے پاس گیا اور اسے سلام کیا، مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ اس نے دو تین مرتبہ سلام کیا، بالآخر اس نے یہ کہا کہ اس شہر میں سلام کیسا؟

سفیر نے بتایا کہ وہ شاہ روم کے نام امیر المؤمنین کا ایک پیغام لے کر آیا ہے اور اس سے دریافت کیا: تمہاری سرگزشت کیا ہے؟ اس نے بتایا: مجھے فلاں جگہ سے قید کیا گیا تھا۔ مجھے شاہ روم کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے مجھے دعوت دی کہ میں عیسائی ہو جاؤں، مگر میں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہیں کرو گے تو آنکھیں نکال دی جائیں گی۔ میں نے آنکھوں کی بجائے دین کو ترجیح دی اور عیسائی ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ گرم سلائیوں سے میری آنکھیں داغ کر ضائع کر دی گئیں اور مجھے یہاں پہنچا دیا گیا۔ اب مجھے یومیہ اتنی گندم پیسنے کو ملتی ہے اور کھانے کو روٹی ملتی ہے۔

سفیر واپسی پر عمر بن عبدالعزیز کے پاس گیا تو اس شخص کا قصہ بھی گوش گزار کیا۔ سفیر کا بیان ہے کہ میں ابھی پورا قصہ بیان نہیں کر پایا تھا کہ امیر المؤمنین کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ انہوں نے فوراً روم کے بادشاہ کے نام خط لکھا:

مجھے تمہارے پاس قید ہمارے فلاں مسلمان بھائی کی خبر پہنچی ہے۔ اس کے احوال کی تفصیل معلوم ہوئی۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تو نے اس کو رہا کر کے میرے پاس نہیں بھیجا تو میں تیرے مقابلے میں ایسا لشکر بھیجوں گا، جس کا پہلا دستہ تیرے پاس ہو گا اور پچھلا میرے پاس۔“

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں
کہ اگر تو نے اس کو رہا
کر کے میرے پاس
نہیں بھیجا تو میں تیرے
مقابلے میں ایسا لشکر
بھیجوں گا، جس کا پہلا
دستہ تیرے پاس ہو گا
اور پچھلا میرے پاس۔

سفیر پھر شاہ روم کے یہاں گیا، اس نے کہا: بڑی جلدی دوبارہ آ گئے ہو، خیریت تو ہے؟ قاصد نے عمر بن عبد العزیز کا خط پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر کہا: ہم عمر جیسے نیک انسان کو لشکر کشی کی زحمت نہیں دیں گے، بلکہ قیدی واپس کر دیں گے۔

سفیر کا بیان ہے کہ مجھے اس کی رہائی کے انتظار میں چند دن وہاں رکنا پڑا۔ ایک دن بادشاہ کے دربار میں گیا تو عجیب منظر دیکھا۔ بادشاہ اپنے تخت سے نیچے بیٹھا ہے اور چہرے پر حزن وملال کے آثار تھے۔

مجھے دیکھتے ہی کہا: جانتے ہو میں اس طرح کیوں بیٹھا ہوں؟ میں نے کہا: مجھے خبر نہیں، مگر آپ کی اس نشست کا منظر میرے لیے باعث حیرت ضرور ہے۔ بادشاہ نے کہا: مجھے بعض علاقوں سے خبر پہنچی ہے کہ اس نیک آدمی یعنی عمر کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کے سوگ میں اس طرح بیٹھا ہوں۔

پھر کہا: کوئی نیک آدمی جب برے لوگوں میں گھرا ہوا ہو تو اسے بہت کم مدت رہنے دیا جاتا ہے؛ یہاں تک کہ وہ ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔

سفیر کہتا ہے: مجھے اس اطلاع سے اس مظلوم قیدی کی رہائی کے متعلق مایوسی ہوئی، اس لیے میں نے بادشاہ سے کہا: مجھے واپسی کی اجازت دیجیے۔ بادشاہ نے کہا: یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم ان کی زندگی میں ان کی بات مان لیں اور ان کی موت کے بعد اس سے پھر جائیں؛ چنانچہ اس قیدی کو رہا کر کے میرے ساتھ بھیج دیا گیا۔

خلیفہ کا گھر ویران اور رعایا کے گھر آباد

عراق کی ایک عورت عمر بن عبدالعزیز کے پاس کسی کام کے لیے آئی۔ گھر کے دروازے پر پہنچی تو کہنے لگی: کیا امیر المؤمنین کے دروازے پر دربان نہیں ہوتا؟

اسے بتایا گیا کہ یہاں کوئی دربان نہیں، اندر جانا چاہتی ہو تو جا سکتی ہو۔ یہ عورت زنان خانہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ کے پاس گئیں۔ فاطمہ گھر میں لحاف کے لیے روئی ٹھیک کر رہی تھیں۔ سلام دعا کے بعد فاطمہ نے بیٹھنے کو کہا، اس نے بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھا، گھر میں کوئی خاص چیز نظر نہ آئی تو بولی: افسوس! میں نے اس ویران گھر سے اپنا گھر آباد کرنے آئی تھی؟

اس مٹی بنانے والے مزدور سے پردہ تو کرلو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہے۔ فاطمہ نے کہا: یہ مزدور نہیں، میرے شوہر امیر المؤمنین ہیں۔

فاطمہ نے کہا: تیرے گھر جیسے گھروں کی آبادی ہی نے تو اس گھر کو اجاڑا ہے۔ اتنے میں عمر بن عبدالعزیز گھر تشریف لائے اور گھر کے کنویں سے پانی کے ڈول نکال نکال کر مٹی کے ڈھیر پر ڈالنے لگے۔ آپ کی نظر بار بار فاطمہ پر پڑ رہی تھی۔ اجنبی عورت نے فاطمہ سے کہا: اس مٹی بنانے والے مزدور سے پردہ تو کرلو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ تمہاری طرف ہی دیکھ رہا ہے۔ فاطمہ نے کہا: یہ مزدور نہیں، میرے شوہر امیر المؤمنین ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز اپنے کام سے فارغ ہو کر فاطمہ کی طرف آئے اور سلام کیا۔ پھر گھر میں اپنی جائے نماز کی طرف گئے، نماز پڑھی۔ پھر فاطمہ سے اس عورت کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فلاں عورت ہے۔

آپ نے توشہ دان اٹھایا۔ اس میں کچھ انگور تھے، جنہیں چن چن کر آپ نے اس خاتون کو دیا۔ پھر دریافت فرمایا: تم کس ضرورت سے آئیں؟ اس نے بتایا کہ وہ عراق سے آئی ہے۔ اس کی پانچ بے کس و بے سہارا لڑکیاں ہیں اور وہ آپ کے دست شفقت کی طلب گار بن کے آئی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز بے کس بے سہارا کا لفظ دہرا دہرا کر رونے لگے۔ پھر آپ نے کاغذ قلم لیا اور عراق کے گورنر کے نام خط لکھنا شروع کیا، عورت سے فرمایا:

بڑی لڑکی کا نام بتاؤ، اس نے نام بتایا تو آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ عورت نے کہا: الحمدللہ! پھر دوسری، تیسری اور چوتھی کا نام دریافت فرمایا اور ایک ایک کا وظیفہ مقرر فرماتے جا رہے تھے۔ عورت ہر ایک وظیفے پر الحمدللہ کہتی جاتی، جب چوتھی لڑکی کا وظیفہ منظور ہوا تو عورت خوشی سے نہال ہو گئی۔ آپ کو دعائیں دیں اور جزاک اللہ کہا۔

اس پر آپ نے ہاتھ روک لیا اور فرمایا: جب تک تو تمام تعریفوں کے مستحق اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہی، ہم وظیفہ لگاتے رہے۔ اب جو تو نے میرا شکریہ ادا کیا تو اس کے بعد کا وظیفہ لگانا نفسانیت پر مبنی ہو گا۔ ان چاروں لڑکیوں کو کہنا کہ اسی میں سے پانچویں کو بھی دے دیا کریں۔

وہ خاتون شام سے یہ تحریر لے کر کچھ عرصے بعد عراق پہنچی اور خط عراق کے گورنر کے سامنے پیش کیا۔ اس نے خط پڑھا تو روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ کچھ سنبھلا تو کہنے لگا: اللہ تعالیٰ صاحب خط پر رحم فرمائے۔ عورت بولی: کیا ہوا؟ کہنے لگا: خط لکھنے والے کا انتقال ہو گیا۔ یہ سن کر عورت چیخنے اور واویلا کرنے لگی اور واپسی کا ارادہ کیا۔

عراق کے گورنر نے کہا: ٹھہرو! فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں کسی بھی معاملے میں ان کی تحریر کو رد نہیں کر سکتا، پھر خط کی تعمیل کی اور اس کی لڑکیوں کا وظیفہ لگا دیا۔

زندگی ہی میں قبر کی خریداری

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی قبر کی جگہ بیس دینار میں اور بقول بعض دس دینار میں خریدی تھی۔

زندگی کے آخری لمحات وواقعات

مال اور اس کی وصیت

عمر بن عبدالعزیز کے برادر نسبتی اور چچازاد مسلمہ بن عبدالملک، مرض وفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو وصیت فرمائی کہ میری وفات کے وقت میرے پاس موجود رہنا، تجہیز وتکفین کا انتظام خود کرنا۔

قبر تک میرے ساتھ جانا اور لحد میں خود اتارنا۔ پھر مسلمہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ذرا غور کرو مسلمہ! تم مجھے کہاں چھوڑ کے آؤ گے اور دنیا مجھے کن حالات کے حوالے کرے گی۔

مسلمہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین! کوئی مالی وصیت فرمائیے۔ فرمایا: میرے پاس کوئی مال ہی نہیں جس کی وصیت کروں۔ عرض کیا: یہ میرے پاس ایک لاکھ دینار ہیں۔ ان کے بارے میں آپ جو چاہیں وصیت فرمائیں۔ فرمایا: مسلمہ! تمہیں اس سے بہتر بات بتاؤں؟ یہ جہاں سے لیے ہیں، وہیں لوٹا دو۔ مسلمہ نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! آپ نے ہمارے سخت دلوں کو نرم کر دیا اور نیک لوگوں میں ہمارا نام کر دیا۔

> میرے پاس کوئی مال ہی نہیں جس کی وصیت کروں۔ عرض کیا: یہ میرے پاس ایک لاکھ دینار ہیں۔ ان کے بارے میں آپ جو چاہیں وصیت فرمائیں۔

مسلمہ نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! آپ نے اس مال سے اپنی زندگی میں تو اپنی اولاد کا منہ بند ہی رکھا۔ کم از کم ان بچوں کے بارے میں مجھے اور میرے جیسے لوگوں کو وصیت ہی کر جاتے تاکہ ہم لوگ آپ

کے بعد ان کے مصارف کا انتظام کر سکتے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: مجھے بٹھا دو۔ آپ کو بٹھایا گیا تو آپ نے فرمایا: مسلمہ! میں نے تمہاری بات سنی۔ تم نے جو یہ کہا کہ میں نے اس مال سے ان کے منہ بند کیے رکھے۔ اللہ شاہد ہے کہ میں نے ان کا حق جو واقعی ان کا تھا، کبھی ان سے نہیں چھینا، مگر میں یہ نہیں کر سکتا تھا کہ دوسروں کا حق چھین چھین کر انہیں دیتا رہتا۔

رہا یہ کہ میں ان کی نگہداشت کے لیے کسی کو وصیت کر جاؤں تو ان کے لیے میرا وصی اللہ ہے، جس نے کتاب نازل کی اور وہی نیک لوگوں کا متولی ہے۔

عمر کی اولاد میں دو ہی قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں یا تو نیک آدمی ہوگا، سو مجھے اس کے لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اسے مستغنی کر دے گا یا وہ برا آدمی ہوگا؛ سو میں ایسا کیوں کروں کہ اسے مال دے کر اللہ کی نافرمانی پر اس کی مدد کروں۔

پھر فرمایا: میرے بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ وہ آئے تو انہیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ فرمایا:

میں قربان جاؤں۔ یہ بے چارے نوعمر ہیں جنہیں کنگال چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان کے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ پھر روتے ہوئے فرمایا: بیٹو! میں تمہارے لیے بہت سی خیر چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم جس کسی مسلمان یا ذمی کے پاس سے گزرو گے وہ تمہارا حق پہنچانے گا کہ یہ اس خلیفہ عادل کی نادار اولاد ہے، جس نے رعایا کو سب کچھ دیا، مگر اپنی اولاد کو کچھ نہیں لینے دیا۔

بیٹو! میں دوراہے پر کھڑا تھا، یا تو تم مالدار ہو جاتے اور میں جہنم کا ایندھن بن جاتا، یا تم ہمیشہ کے لیے فقیر و قلاش ہو جاتے اور میں جنت میں چلا جاتا۔ میرے خیال میں میرے لیے یہی دوسرا راستہ بہتر تھا۔ جاؤ! اللہ! تمہارا حافظ و نگہبان ہو، جاؤ! اللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہو، جاؤ! اللہ تمہیں رزق دے گا۔

آنے والے خلیفہ کو نصیحت

جب عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت قریب آیا تو رجاء بن حیوہ نے آپ سے عرض کیا: امیر المؤمنین! اپنے بعد آنے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے لیے وصیت و نصیحت کی کوئی تحریر لکھوا دیجیے۔ فرمایا: واللہ! میں جانتا ہوں کہ وہ بھی مروان کی اولاد ہے۔ اس پر رجاء بن حیوہ نے عرض کیا: کم از کم اس پر حجت تو قائم ہو جائے گی اور یہ آپ کے لیے عنداللہ عذر کی دستاویز ہوگی۔ آپ نے اپنے کاتب کو حکم فرمایا کہ لکھو:

یزید! غفلت کے وقت کی لغزش سے بچ کر رہو، کیونکہ اس لغزش کا ازالہ نہیں ہو سکتا، نہ رجوع ہی کی توفیق ہوتی ہے۔ دیکھو! تم دنیا کی ان ساری چیزوں کو ان لوگوں کے لیے چھوڑ جاؤ گے جو تمہیں کلمہ خیر سے بھی یاد نہیں کریں گے۔ یزید! انہیں نہ چھوڑنا جو تمہارے مداح نہ ہوں اور ان کی طرف نہ پلٹنا جو تمہارا عذر قبول نہ کریں۔ تمہیں اس ذات کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس کے یہاں تمہارے عذر و معذرت کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ والسلام

اس وقت جب آپ یہ وصیت لکھوا رہے تھے۔ تمام وادی آہ و بکا سے گونج رہی تھی اور سب زار و قطار رو رہے تھے۔

خلیفہ عادل کے خلاف سازش

عمر بن عبدالعزیز کی عدل گستری اور صالحانہ طرز حکومت بنو امیہ کے خاندان کے لیے دردسر بن چکی تھی۔ ان کی عیش و عشرت اور چیرہ دستیاں ماند پڑ چکی تھیں۔ ناجائز آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہوئے تو انہوں نے سازش کی کہ کسی بھی طریقے سے اس عادل و زاہد خلیفہ سے جان چھڑائی جائے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک غلام کو سات ہزار درہم کی رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ امیر المؤمنین کے کھانے میں زہر ملا دے۔ آپ نے یہ زہریلا کھانا کھا لیا۔

علاج کے لیے آنے والا نصرانی طبیب

رومی بادشاہ کو اطلاع ملی عمر بن عبدالعزیز کو زہر دیا گیا ہے، اس نے اپنے ملک کے سب سے بڑے پادری اور طبیب کو آپ کی خدمت میں بھیجا، ایک خط بھی اس کے ہاتھ دیا، جس میں آپ کے لیے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار تھا اور یہ کہ آپ جیسے اہل خیر و اہل تقویٰ کا حق ہمارے ذمہ واجب ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ پر زہر کا اثر ہے، میں اپنے یہاں کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے طبیب کو خدمت عالی میں بھیج رہا ہوں، یہ پورے غور وفکر سے آپ کا علاج کریں گے۔

طبیب آیا تو آپ نے فرمایا: ''دیکھ لو۔ اس نے نبض دیکھ کر کہا: امیر المؤمنین! آپ کو زہر دیا گیا ہے! فرمایا: پھر تم کیا کرو گے۔ عرض کیا: میں آپ کو ایسی دوا پلاؤں گا جو آپ کے جسم کے رگ و ریشہ سے زہر کا اثر کھینچ لے گی۔ فرمایا: اگر زندگی کی روح تیرے ہاتھ میں ہوتی میں پھر بھی تجھے علاج کی اجازت نہ دیتا۔ جاؤ اپنے ملک واپس جاؤ، مجھے تمہارے علاج کی کوئی ضرورت نہیں۔

جس غلام پر زہر پلانے کا شبہ تھا اسے بلوایا۔ اس نے اقرار کیا کہ واقعی اس نے زہر دیا ہے۔ آپ نے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: مجھے دھوکا اور فریب دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے، اس کو چھوڑ دو؛ آپ نے اسے کہا: وہ رقم لے کر جلدی سے میرے پاس آؤ۔ رقم اس سے لے کر بیت المال میں جمع کروادی اور اسے آزاد کر کے فرمایا: کسی ایسی جگہ بھاگ جاؤ جہاں کوئی تمہیں پکڑ نہ سکے ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ غلام نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے بھاگ گیا۔

وقت رخصت آخری الفاظ

پھر عمر بن عبدالعزیز پر بے ہوشی کا غلبہ ہو گیا۔ حالت خطرناک ہو گئی اور آپ کے پاس فقط آپ کی رفیقہ حیات فاطمہ اور ان کے بھائی مسلمہ اور آپ کا خادم مرشد ہی رہ گئے۔ آپ رات بھر بیدار رہے۔ اور آپ کے ساتھ یہ تیمار دار بھی بیدار رہے۔ پھر صبح کو یہ حضرات آپ سے علیحدہ ہو گئے۔

فرشتوں کی آمد

فاطمہ بیان کرتی ہیں: رات بھر آپ کی بے چینی میں شدت رہی اور ہم بھی آپ کی وجہ سے رات بھر جاگتے رہے۔ صبح کو میں نے مرشد کو حکم کیا: مرشد! امیر المؤمنین کے پاس رہنا۔ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو پوری کرنا۔ پھر ہم چلے گئے اور لیٹ گئے؛ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے نیند آ گئی۔ جب دن چڑھ گیا تو میں بیدار ہوئی اور آپ کے پاس گئی۔ میں نے دیکھا مرشد کمرے کے باہر سویا ہوا ہے۔ میں نے اسے جگایا اور پوچھا: مرشد! تو کمرے سے باہر کیوں آیا؟ بولا: امیر المؤمنین ہی نے مجھے باہر بھیج دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا: مرشد! میرے کمرے سے ہٹ جا۔ اللہ کی قسم! مجھے ایک مخلوق نظر آ رہی ہے جس کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ وہ انسان ہیں نہ جنات؛ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ نکلتے وقت میں نے سنا، آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

{تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ} (القصص:83)

”یہ آخرت کا گھر ہے، یہ ہم انہیں دیں گے جو دنیا میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے تھے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہے۔“

پھر فاطمہ لپک کر کمرے میں جاتی ہیں۔ دیکھتی ہیں آپ کی آنکھیں بند ہیں اور آپ اللہ کے ہاں پہنچ چکے ہیں اور داغ مفارقت دے چکے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

شام میں واقع دیر سمعان قلعہ کے آثار کی ایک تصویر

کم وبیش دو سال پانچ ماہ اور چار دن کی حکومت کے بعد 101 ہجری میں 25 رجب کو ملک شام کے ایک مقام دیر سمعان میں اسی زہر کے اثر سے شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوئے اور شام کے شہر ادلب میں دفن کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

بنو امیہ کے بدر بے مثال اور مسلمانوں کے محبوب خلیفہ کو گوشہ تربت نے اپنے سینے میں چھپا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

{ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا } (النساء:77)

”کہہ دیجیے: دنیا کا فائدہ معمولی ہے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے، جس میں تمہارے ساتھ ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

چالیس سال کی عمر

عمر بن عبدالعزیز کو موت کی جلدی تھی اکثر بنو امیہ کی عمریں تھوڑی ہوتی ہیں۔ جب عمر بن عبدالعزیز کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچ گئی تو آپ نے خیال فرما لیا۔ میں اپنی عمر کی حد کو پہنچ گیا ہوں۔ عمر کی نگاہ میں چالیس سال کی عمر وہ حد تھی جس کے بعد اسراف کرنے اور گناہ کرنے کے لیے انسان کے پاس قابل قبول عذر باقی نہیں رہتا؛ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے: اللہ کی حجت چالیس سالہ شخص کے

لیے مکمل ہو جاتی ہے۔ پھر آپ اسی مدت میں یا اس مدت کے قریب قریب آخرت کو سدھار گئے۔ جب کہ آپ نے عذر کی مدت پوری کر لی اور گناہ معاف کرا لیے، یعنی موت کے وقت آپ چالیس برس کے یا اس سے کچھ کم تھے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں: آپ جیسی پارسائی ستر یا اسی سال کے بوڑھوں کے لیے بھی سخت دشوار ہے۔ آپ جیسے کارنامے کسی بھی بادشاہ کے لیے انتہائی مشکل ہیں جنھوں نے سالہا سال حکومت کی ہو۔

اگر عمر بن عبدالعزیز پر زہر سبقت نہ کرتا تو اللہ کا خوف سبقت کر جاتا۔ کیونکہ آپ کی بیماری کی جڑ کثرت خوف پر مبنی تھی۔ کثرت خوف موت کے لیے زہر سے زیادہ بڑا سبب ہے۔ آپ کا زمانہ خلافت دو سال اور چند ماہ ہے۔ اسی قلیل زمانے کو لوگ بہت لمبا زمانہ شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس مبارک زمانہ میں لوگوں کو کثرت خیر و برکت سے واسطہ رہا اور انصاف کی ہمہ گیری رہی۔

جب اللہ تعالیٰ کے خوف کا تصور انسان کی عادت بن جائے تو یہ تصور روحانی انقلاب اور حقیقی بیماری کا سبب بن سکتا ہے۔ پھر اس تصور کے ساتھ نہ ختم ہونے والی فکر اور حساب و کتاب کا اور عافیت کا شعور بھی مل جائے تو یہ لامحالہ تیزی سے موت کو کھینچ لائے گا اور تھوڑی عمر کے انسان کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

دیر سمعان کے علاقے میں عمر بن عبدالعزیز کے مقبرے کی ایک تصویر

عہد بنوامیہ میں مٹی زرخیز تھی

بنوامیہ کے عہد حکومت میں عربی قوم اپنی صلاحیت وتقوے سے بالکل ہی محروم نہیں ہوئی تھی، نہ علم و فقہ کو کھو بیٹھی تھی اور نہ دوڑ دھوپ کو اور سرگرمی عمل وکسب کو۔ اگرچہ اکثر فقہاء وعلماء خلفا سے الگ اور کنارہ کش رہتے تھے۔ جب امراء کے شاندار محل زوال وانحلال کی طرف اپنے قدم بڑھا رہے تھے تو قوم اپنے زندہ رہنے کے لیے اور دین کے سائے میں باقی رہنے کے لیے سرگرم عمل تھی۔ اموی خاندان کے وہی افراد سلامت رہے تھے جو ارباب زہد کی راہوں پر گامزن تھے اور جو فقہاء اور علماء کی لڑی سے منسلک ہو گئے تھے۔

خلیفہ کا قاصد بصرہ کے لوگوں کو رلاتا ہے

عمر بن عبدالعزیز کا قاصد جب بصرہ آتا تو جونہی لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہوتی وہ جوق در جوق استقبال کے لیے نکل آتے۔ قاصد کی آمد ہمیشہ وظیفے کی زیادتی مال کی تقسیم، کسی خیر کے حکم یا کسی شر سے ممانعت کا پیغام لاتی۔

لوگ قاصد کے ساتھ چل کر مسجد پہنچتے اور قاصد وہاں خلیفہ کا فرمان پڑھ کر سناتا۔ جس

دن قاصد آپ کے انتقال کی خبر لایا لوگ حسب معمول اس کے استقبال کے لیے نکلے، مگر آج وہ بجائے کسی خوش خبری سنانے کے رو رو کر آپ کے انتقال کی خبر سنا رہا تھا۔

لوگ اس عظیم حادثے اور مصیبت پر روتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور قاصد نے وہاں آپ کی وفات کا خط پڑھ کر سنایا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی کے منتخب سنہرے واقعات

سیدنا عمر بن عبدالعزیز اسلامی تاریخ کی ایک عظیم اور عبقری شخصیت ہیں جن پر مسلمان رہتی دنیا تک فخر کرتے رہیں گے۔ ہر چند کہ ان کی خلافت کا دورانیہ صرف ڈھائی سالوں پر محیط تھا، مگر وہ اس مختصر سے وقت میں آنے والی نسلوں کے لیے کچھ ایسے رہنما اصول مقرر کر گئے کہ آئندہ صدیوں تک آنے والے حکمران ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ بلا شبہ ان کی سیرت پر بہت سارے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں اور آئندہ بھی لکھتے رہیں گے۔

میرے اپنے گھر میں اسلام کی جن پسندیدہ شخصیات کا اکثر وبیشتر تذکرہ رہتا ہے ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی شامل ہیں۔ میں نے اس کتاب میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں عربی کتب بھی ہیں اور اردو کتب بھی، بس لکھنے کا انداز اور حروف کا چناؤ میرا اپنا ہے۔ ورنہ مواد تو تاریخ کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔

اس کتاب میں بے شمار فوائد، عبرتیں اور دروس ہیں۔ وہ لوگ جو حاکم یا صاحب اقتدار بن کر پروٹوکول کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جن کا مقصد روپیہ پیسہ جمع کرنا ہوتا ہے انہیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی سے سبق سیکھنا چاہیے۔

اگر قارئین میں سے اس کتاب کو پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی اپنے اندر تبدیلی لے آتا ہے تو میں سمجھوں گا میری محنت پوری ہو گئی ہے۔

9 786039 096399

DARUSSALAM

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ